سکینۃ الاولیاء

(اُردو میں)

داراشکوہ

ترجمہ

پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی

یکے از مطبوعات

پیکیجز لمیٹڈ۔ لاہور

سکینۃ الاولیاء

(اردو میں)

سلسلۂ مطبوعات نمبر ۳

پیکیجز لمیٹڈ

لاہور

سکینۃ الاولیاء

(احوال و فضائلِ حضرت میاں میرؒ و مریدان باسعادت)

مُصنّفہ شاہزادہ داراشکوہ

مترجمہ

پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب	سکینۃُ الاولیاء
مصنّف	شاہزادہ دارا شکوہ
اُردو ترجمہ	پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی
کتابت	محمد صدیق الماس رقم
صفحات	۱ تا ۱۶ + ۳۰۲
پہلا ایڈیشن	۱۹۷۱ء
دُوسرا ایڈیشن (تصیح شدہ)	۲۰۰۷ء
تعداد	۱۰۰۰
مطبع	پُوما آرٹ پرنٹرز، ۱۴۱ ایبٹ روڈ، لاہور
ناشرین	پیکیجز لمیٹڈ، لاہور، پاکستان

فہرست

حضرتِ شیخ میان میرِ ولی　　ہر خفی از نورِ جانِ او جلی

بر طریقِ مصطفیٰ محکم پے　　نغمۂ عشق و محبت را نے

تربتش ایمانِ خاکِ شہرِ ما　　مشعلِ نورِ ہدایت بہرِ ما

بر درِ او جبہ فرسا آسمان　　از مریدانش شہِ ہندوستان

علامہ اقبالؒ

پیش لفظ

اہلِ بیتِ اطہار عَلَیہِمُ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ کی مودّت ہمارا ایمان ہے اور بزرگانِ تصوّف وعرفان کا احترام تمام مسلمانانِ عالم کا مشترکہ وِرثہ ہے۔ پھر یہ حقیقت بھی روشن اور مسلّم ہے کہ سلوک اور طریقت کے تمام زرّیں سلسلے آستانِ اہلِ بیتِ اطہار تک پہنچتے اور باب مدینۃ العلم کے راستے سے شہرِ علوم کے تاجدار تک پہنچاتے ہیں۔

صوفیائے کرام نے آج تک اصلاح فکر اور پاکیزگیٔ نفس کے لیے جو کچھ کہا، کسی مدرسے میں نہیں کہا، نہ کسی منبر پر کھڑے ہو کر کہا، بلکہ خانقاہوں اور حُجروں میں بوریے پر بیٹھ کر محدُودے چند لوگوں کے حلقوں میں کہا اور رُشد وہدایت سے دلوں کو عرفان کی روشنی بخشی۔ یہ حلقے بڑھتے گئے، عرفان کی روشنی پھیلتی گئی اور ہدایت کے چشمے بہتے رہے۔

انھیں صوفیاء کے جانشین حضرت میاں میر رَحمَۃُ اللہ عَلَیہ ہیں۔ آپ نے رَسُولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے طریقۂ صحبت سے روشنی حاصل کی۔ باطنی تعلیم اپنے مرشد شیخ خضرؒ سے پائی اور رُوحانی تربیت، جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں، سیّد عبدالقادر جیلانی رَحمَۃُ اللہ عَلَیہ کے طریقے پر عمل کرنے سے انھیں میسّر آئی۔ اسی وجہ سے آپ قادری کہلائے۔

حضرت میاں میرؒ مغل بادشاہ جہانگیر کے زمانے میں سیوستان (سندھ) سے چل کر لاہور آئے اور یہیں بقیہ زندگی گزاری۔ آپ نے اسلامی تصوف کے احیاء کو زندگی کا مقصد بنایا۔ آپ خود نظریۂ وحدت الوجود کے پیرو تھے اور فنا فی اللہ کی منزل میں تھے لیکن ان پر خواہ استغراق کی کیفیت کتنی ہی غالب ہوتی، وہ احکامِ شریعت کی بجا آوری میں فرق نہ آنے دیتے۔ زندگی کے ہر معمول میں آپ شریعت کی پابندی کو لازم سمجھتے اور مُریدوں کو بھی اس کی تلقین کرتے۔ فرماتے تھے، سالک شریعت کے احکام کو جب پورے خلوص سے بجا لاتا ہے تو وہ طریقت کی منزل میں آتا ہے۔ طریقت کے فرائض جب وہ درست طور پر ادا کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کی آنکھوں سے بشریت کا پردہ اٹھا دیتا ہے اور حقیقت کے معنی، جن کا تعلق رُوح سے ہے، اس پر ظاہر ہوتے ہیں۔ گویا حقیقت اور رُوحانیت کی بنیاد شریعت ہی ہے۔ آپ نے اپنے مریدوں کی صحبتوں میں اس نظریے کی اشاعت کی جو رفتہ رفتہ پورے شمالی ہند میں پھیلی۔

حضرت میاں میر رحمۃُ اللہ علیہ کے نزدیک وحدت الوجود یہ نہیں کہ دنیا سے بالکل بے تعلق ہو کر معرفتِ الٰہی کی طرف رجوع کیا جائے اور فنا فی اللہ کا مقام حاصل کیا جائے بلکہ آپ مریدوں کو یہ تلقین کرتے تھے کہ دنیا میں رہتے ہُوئے دنیا کی محبت کو اپنے آپ پر غالب نہ آنے دو۔ دنیاوی فرائض جو تمھارے ذمے ہیں، انھیں پُورے خلوص اور محنت سے ادا کرو اور پھر خدا کی معرفت کی جستجو کرو۔

اللہ کے حقوق جو بندوں پر ہیں، انھیں ادا کرنے کی حضرت میاں میر رحمۃُ اللہ علیہ بہت تلقین کرتے تھے۔ نماز میں حضورِ قلب پر زور دیتے اور فرماتے کہ حضورِ قلب اس وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان ایمان داری سے دنیا کے کام کاج کرے اور نفس کو پاک صاف رکھے۔ حضورِ قلب ایسی سعادت ہے، جس سے دعاؤں میں اثر پیدا ہوتا ہے۔

بندوں کے حقوق جو بندوں پر ہیں، ان پر آپ کی خاص توجہ تھی۔ اپنی صحبتوں میں حاضرین

کو حقوق العباد سے عہدہ برآ ہونے کی ہمیشہ تلقین کرتے تھے۔ آپ کو اس بات کا احساس تھا کہ ملک کے امراء کے ساتھ ایسے لوگ بھی بستے ہیں جنھیں کھانے کو روٹی اور پہننے کو کپڑا میسر نہیں آتا۔ اس لیے اُمرا کو مفلوک الحال لوگوں کی مدد کرنے کی تلقین کرتے تھے اور صدقہ اور زکوٰۃ دینے کی اہمیت بتاتے تھے۔ ساتھ ساتھ مسکینوں کو عزتِ نفس اور خودداری کا درس دیتے تھے کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کریں اور کسی کے سہارے کے منتظر نہ رہیں کیونکہ سہارا وہی اچھا ہے جو اپنے خدا کا ہو۔

بادشاہ شاہجہان جب اس درویشِ حق آگاہ کے حجرے میں آیا تو اسے پند و نصائح کے دوران فرمایا، بادشاہوں کا فرض ہے کہ رعایا کی پاسبانی کریں اور ناانصافی نہ ہونے دیں۔

آپ نے لوگوں سے دلی تعلق پیدا کر کے ان کے ایمان راسخ کیے۔ اخلاق کی تہذیب و تربیت کی بندوں کو بندوں سے محبت کرنا سکھایا۔ سوچنے کے انداز بدلے۔ افسردہ دلوں کو توحید کی روشنی سے منور کیا۔ مادہ پرستی کی اس دنیا میں لوگوں کو روحانیت کی طرف مائل کیا یہی وجہ ہے کہ آپ کا نام سُن کر آج بھی ادب و احترام سے سر جُھک جاتے ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد مریدانِ باصفا نے آپ کا کام جاری رکھا اور اس طرح ہدایت و عرفان کے چراغ جلتے رہے۔

کچھ عرصے سے دلی آرزو تھی کہ "سکینۃ الاولیاء" کو جو حضرت میاں میرؒ اور ان کے خلفاء کے احوال و فضائل پر مشتمل ہے، شائع کیا جائے۔ لیکن اسی اثناء میں ایران کے فضلاء نے اسے زیورِ طبع سے آراستہ کر دیا۔ یہ اس کتاب کی اوّلیں اشاعت ہے۔ اس کا اردو ترجمہ البتہ آج سے کوئی پچاس سال پہلے لاہور میں چھپا تھا جو اب ناپید ہے۔ اس لیے اب یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ جدید لسانی تقاضوں کے مطابق اس کا ترجمہ شائع کرا کر اس متاعِ عزیز کو حضرت میاں میرؒ کے ارادت مندوں تک پہنچایا جائے۔ مجھے خوشی ہے کہ محترم پروفیسر مرزا مقبول بیگ بدخشانی نے ہماری استدعا پر یہ فریضہ اپنے ذمّہ لیا اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ اس سے بصورتِ احسن عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ جس کے لیے ہم

ان کے تہِ دل سے شکر گزار رہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو صحیح راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بتاریخ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۹۱ھ مطابق ۸ مئی ۱۹۷۱ء

سیّد بابر علی

اِنتساب

یہ پیشکش میں اپنی والدۂ ماجدہ سیّدہ مبارک بیگم مرحومہ
اور والدِ محترم سیّد مراتب علی شاہ مرحوم کے اسمائے گرامی
سے منسُوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں، جن کی شفقت
بھری تربیت اور پُراثر دعاؤں سے مجھے زِندگی کی جِد و جُہد میں
اطمینان نصیب ہُوا۔

سیّد بابر علی

تشکّر

شاہزادہ دارا شکوہ کی شہرہ آفاق تصنیف سکینۃُ الاولیاء اردو میں ہدیۂ قارئین ہے۔ اس کتاب کے ترجمے کا کام سیّد بابر علی صاحب نے چند ماہ پیشتر مجھ ناچیز کے سپرد کیا، شاید اس خیال سے کہ ان کی طرح مجھے بھی حضرت میاں میر رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اور ان کے خلفاء سے دلی عقیدت ہے، جن کے سوانحِ حیات اس کتاب کی زینت ہیں۔ اس سلسلے میں اُنھوں نے مجھے ہر طرح کی سہولت بہم پہنچائی اور ایک خطی نسخے کا فوٹو سٹیٹ بھی فراہم کیا جس سے "سکینۃُ الاولیا" طبع تہران کا مقابلہ کرنے میں مجھے آسانی ہوئی اور پھر جب میں اس خوشگوار فرض سے عہدہ برآ ہُوا تو سیّد صاحب نے اسے خوب سے خوب تر پیرائے میں طبع کرایا۔

اس مختصر سے باب کو میں مصرعِ ذیل پر ختم کرتا ہُوں:

ہر مُو مرے بدن پہ زبانِ سپاس ہے

مقبول بیگ بدخشانی

سپاس

میں اپنے دیرینہ محب اور کرم فرما حافظ نُورُالحسن صاحب پروفیسر اورینٹل کالج لاہور کا صمیمِ قلب سے شکر گزار ہوں کہ ان کی توجہ گرامی سے میں احادیثِ نبویؐ کے صحیح تلفظ کے لیے اعراب لگانے کے قابل ہو سکا۔ ان کی رہنمائی کے باوجود اگر کوئی لغزش ہو گئی ہو تو اس کی ذمّے داری مجھ پر ہے جس کے لیے میں قارئینِ کرام سے معذرت چاہوں گا۔

مَیں اپنے عزیز دوست ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کا سپاس گزار ہوں کہ وہ مجھے اپنے گراں قدر مشوروں سے نوازتے رہے۔

سیّد محمد رضا جلالی نائینی اور ان کے رفیقِ کار ڈاکٹر تاراچند صاحب کی تصحیح و کوشش سے تہران میں چھپی ہوئی کتاب سکینۃُ الاولیاء میرے پیشِ نظر رہی، اس سے میں نے استفادہ بھی کیا جس کے لیے مُرتبین کا شکر گذار ہُوں۔

بدخشانی

احوال و آثار دارا شکوہ

دارا شکوہ کے احوال و آثار کے متعلق یہاں زیادہ تفصیل سے لکھنے کی گنجائش نہیں البتہ ان حالات کا اجمالی طور پر ذکر کیا جائے گا، جو شاہزادے کے میلانِ طبع، جاہ و منصب، مسلکِ دینی اور اس کی دنیاوی ناکامی کا سبب بنے، نیز اس کی تصانیف کا بھی ذکر آئے گا جن کی وجہ سے اسے علم و فضل میں ممتاز مقام حاصل ہوا۔

سوانح حیات

شاہزادہ دارا شکوہ شاہجہان کا پہلا بیٹا تھا، جو ممتاز محل کے بطن سے اجمیر میں ۱۹ صفر ۱۰۲۴ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۶۱۵ء کو پیدا ہوا۔ اس کے دادا شاہنشاہ جہانگیر نے اس کا یہ نام رکھا۔ ابو طالب کلیم نے اس کی ولادت پر قصیدہ کہا اور "گلِ اوّلین گلستان شاہی" سے تاریخ نکالی۔

بگوشِ دل از بہرِ تاریخ آمد
"گلِ اوّلینِ گلستانِ شاہی" (۱۰۲۴ھ)

دارا شکوہ کی عمر دو سال کی تھی کہ اس کے والد شاہزادہ خرم (شاہجہان) کو دکن کی مہم پر بھیجا گیا، جس میں اسے نمایاں کامیابی ہوئی لیکن ملکہ نور جہاں کے دل میں اس کی طرف سے کدورت تھی جس کی وجہ سے دربارِ شاہی میں شاہزادہ خرم کے خلاف ناموافق فضا پیدا ہو چکی تھی

اس لیے دکن میں اس کی کامیابی کو بھی درخورِ اعتنا نہ سمجھا گیا۔ آخر وہ علمِ بغاوت بلند کرنے پر مجبور ہوا لیکن اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس کے نتیجے میں دو سال تک جنوبی ہند، بنگال اور بہار میں مارا مارا پھرا۔ آخر پریشان حالی کی وجہ سے اس نے والد سے مصالحت کرنے میں ہی عافیت دیکھی اور اس بات پر بھی آمادہ ہو گیا کہ اپنے دو بیٹوں دارا شکوہ اور اورنگ زیب کو دربارِ شاہی میں بطورِ یرغمال بھیج دے۔ یہ دونوں شہزادے دکن سے جہانگیر کے پاس آگئے۔ دربارِ شاہی میں اب شاہزادہ خُرم کے تین بیٹے تھے کیونکہ شجاع پہلے ہی سے جہانگیر کے پاس تھا، جسے وہ اپنے پوتوں میں سب سے زیادہ محبت کرتا تھا۔

دارا شکوہ چھ سال کا تھا کہ اس کی تعلیم و تدریس کا فریضہ مُلا عبداللطیف سلطان پوری کو سونپا گیا۔[1] تعجب ہے کہ دارا شکوہ نے اپنی تصنیفات میں مُلا عبداللطیف سے اکتسابِ فیض کرنے کا کہیں ذکر نہیں کیا البتہ اپنے دوسرے استاد میرک شیخ کا ذکر "سفینۃُ الاَولیاءؒ" اور "سکینۃُ الاولیاءؒ" میں بڑے احترام کے ساتھ کیا ہے۔ "سکینۃُ الاَولیاءؒ" میں لکھتا ہے :

"حضرت اخوند میرک شیخ، کہ استادِ علمِ ظاہرِ من اند و عالم و فاضل، در زُہد و ورع و حق گوئی ایشان را قدمی است نہایت استوار......"[2]

(حضرت اخوند میرک شیخ جو میرے علمِ ظاہر کے استاد اور عالم فاضل ہیں۔ زہد، پرہیزگاری اور حق گوئی میں ان کا قدم نہایت استوار ہے......)

میرک شیخ اس زمانے کے جیّد عالم تھے۔ ان سے دارا شکوہ نے ادبیاتِ عربی و فارسی، تفسیر اور علومِ مُتداولہ کی تعلیم حاصل کی۔ میرک شیخ حضرت میاں میر رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے اور زاہد، عالم اور صوفی باصفا بھی تھے۔ اس لیے دارا شکوہ انھیں اپنا رُوحانی

---

[1] عبدالحمید: بادشاہ نامہ ورق ۴۴۳ ب، ۳۴۵ ا

[2] دارا شکوہ: سکینۃ الاولیاء ص ۵۹، مرتبہ سید محمد رضا جلالی نائینی و ڈاکٹر تاراچند، طبع تہران

مُربّی بھی سمجھتا تھا۔

انہی دو اساتذہ پر موقوف نہیں، مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ وہ نامور علماء، عرفاء، پنڈتوں اور یوگیوں سے بھی کسبِ فیض کرتا رہا۔ "سفینۃُ الاَولیاءؒ" اور "سکینۃُ الاَولیاءؒ" میں بعض ایسے علماء کا ذکر آیا ہے جن کی صحبت کی سعادت اسے میسّر آئی۔

علوم کے علاوہ داراشکوہ نے بعض فنون، مثلاً خطّاطی اور نقّاشی میں بھی مہارت حاصل کی تھی۔ اس نے خوش نویسوں کے نمونوں اور مغل بادشاہوں اور شاہزادوں کی تصاویر کا ایک نادر مُرقّع تیار کیا تھا جو اپنی رفیقۂ حیات نادرہ بیگم کو ۱۰۵۱ھ مطابق ۴۲-۱۶۴۱ء میں اپنے رقم کردہ دیباچے کے ساتھ پیش کیا۔

ہندو علماء کی اس نے دل کھول کر سرپرستی کی جس کی وجہ سے وہ نہ صرف اس کی طرف مائل ہوئے بلکہ اسے اکبرِ اعظم کا اوتار بھی سمجھنے لگے[۱]

داراشکوہ کی شادی

ممتاز محل کا خیال تھا کہ داراشکوہ کی شادی سلطان پرویز کی دختر کریم النساء المعروف بہ نادرہ بیگم سے کی جائے۔ ممتاز محل کی زندگی میں تو یہ نہ ہُوا البتہ اس کی وفات کے بعد یہ دونوں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔

داراشکوہ کے مناصبِ جلیلہ

داراشکوہ ولی عہد سلطنت تھا۔ شاہجہان چاہتا تھا کہ امورِ مملکت میں خود اس کی تربیت کرے، اس لیے اسے دربار ہی میں رکھا۔ اسے ۱۲ ہزار ذات اور ۶ ہزار سوار کا پہلا منصب شاہجہان کے جشن سالگرہ پر ۱۱ ربیع الثانی ۱۰۴۳ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۱۶۳۳ء کو ملا۔[۲]

---

[۱] کالکارنجن قانونگو: داراشکوہ (بزبان انگریزی) طبع کلکتہ ص ۸ [۲] عبدالحمید: بادشاہ نامہ ۱ ورق ۱۴۵ و

اسی تقریب میں اسے حصار کی سرکار بھی تفویض ہوئی اور اس کے شاہزادہ ولی عہد ہونے کا بھی اعلان ہُوا۔ اسی سال اسے لشکر کا سپہ سالار بھی مقرر کیا گیا جسے قندھار کی مدافعت کے لیے بھیجا گیا تھا، کیونکہ قندھار کو ایرانیوں سے خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ اس کے بعد دارا شکوہ کے منصب میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ پانچ سال کے عرصے میں اس کا منصب ۲۰ ہزار ذات اور ۱۰ ہزار سوار ہو گیا۔ شاہجہان نے اپنی بیماری سے پہلے دارا کا منصب ۵۰ ہزار ذات تک بڑھا دیا تھا۔ بیماری سے کچھ افاقہ ہُوا تو ۶۰ ہزار ذات اور ۴۰ ہزار سوار کا فقید المثال منصب اسے عطا ہُوا جس میں ۳۰ ہزار دو اسپہ سہ اسپہ بھی تھے۔[1]

دارا شکوہ کی صوبیداری

دارا شکوہ کو ۱۵ جون ۱۶۴۵ء میں الٰہ آباد کا صوبیدار بنایا گیا اور باقی بیگ خواجہ سرا اس کا نائب مقرر ہُوا۔ مارچ ۱۶۴۷ء میں پنجاب کی صوبیداری بھی مل گئی پھر ۱۶۴۹ء میں گجرات کی اور ۱۶۵۲ء میں ملتان کی اور ۱۶۵۷ء میں بہار کی صوبیداری تفویض ہوئی جس کی امید اس کا بھائی شاہ شجاع لگائے بیٹھا تھا، جو بنگال اور اُڑیسہ کا صوبیدار تھا۔

ان مختلف ذمّے داریوں کے باوجود دارا شکوہ دربار ہی سے وابستہ رہا اور نظم و نسق کا کام اس کے نائب کرتے رہے۔ خود اسے صوبوں میں جانے کے موقعے بہت کم ملے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام سے اس کا تعلق کٹ گیا اور عملی زندگی کے تجربات و محرکات سے وہ بے خبر رہا۔

دارا شکوہ کا قیام لاہور

اس عرصے میں دارا شکوہ کی تمام تر توجہ لاہور پر مرکوز رہی۔ یہاں اس نے متعدد منڈیاں بنوائیں، "آئینہ محل" کے نام سے ایک محل تعمیر کرایا۔ اس کا تو اب نام و نشان بھی باقی نہیں اور نہ

---

[1] قانونگو: دارا شکوہ، ص ۲۲

یہ معلوم ہے کہ وہ شہر کے کس علاقے میں تھا۔ مولوی محمد شفیع مرحوم سابق پرنسپل اورینٹل کالج لاہور نے البتہ بتایا ہے کہ حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اور امام باڑہ کے مابین ایک عمارت کے آثار دیکھے جا سکتے ہیں جو "شیش محل" کے نام سے موسوم ہیں (اب تو وہ بھی موجود نہیں) یہ عمارت مغل بادشاہوں کے زمانے میں تعمیر ہوئی۔ اسی کی نسبت سے یہ علاقہ "محلہ شیش محل" کے نام سے موسوم ہوا۔ محمد طاہر عنایت خاں آشنا (متوفی ۱۰۸۱ھ مطابق ۱۶۷۰ء) پسر ظفر خاں احسن (متوفی ۱۰۷۳ھ مطابق ۱۶۶۲ء) نے "شیش محل" کی تعریف میں دو مثنویاں لکھی ہیں۔ دونوں مثنویاں مولانائے موصوف نے اورینٹل کالج میگزین[1] میں درج کی ہیں۔ ایک مثنوی کے دو شعر یہ ہیں:

حبذا این خانۂ آئینہ دار　　　کآسمان شد بہرِ او آئینہ دار

تا نیارد دید چرخ از کینہ اش　　　باد روشن چشمِ ہر آئینہ اش

لاہور دارا شکوہ کو اس لیے بھی محبوب تھا کہ یہاں حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ مقیم تھے جن کے ساتھ اسے دلی عقیدت تھی۔

دارا شکوہ بحیثیت ناظم و سالار

دارا شکوہ کی اہلیت بحیثیتِ ناظم و سالار چنداں قابلِ ذکر نہیں، تاہم ذیل میں اس کی ایک ناکام مہم کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۰۵۹ھ مطابق ۱۶۴۹ء میں ایرانیوں نے قندھار کو مسخر کر لیا۔ اسے واپس لینے کے لیے کوششیں ہوئیں۔ آخری کوشش ۱۶۵۲ء میں ہوئی جو ناکام رہی۔ آخر اسی سال دارا شکوہ نے تسخیر قندھار کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ اس مہم کے لیے ملک کے تمام وسائل وقف کر دیے

---

[1] اورینٹل کالج میگزین لاہور مئی ۱۹۲۶ء۔

گئے۔ تیاری کے سلسلے میں دارا شکوہ نے بڑی بڑی تنخواہوں پر فرنگی توپچیوں اور انجنیروں کی خدمات حاصل کیں۔ لاہور میں اس نے قلعۂ قندھار کے نمونے کا ایک مصنوعی قلعہ تیار کرایا تاکہ فتح قندھار کا تجربہ کیا جاسکے۔ قلعہ کا محاصرہ ہوا۔ اس پر بم برسائے گئے اور قلعہ شکن توپوں نے اسے تباہ کر دیا اس نیک شگون پر لوگوں نے شاہزادے کو مبارک بادیں پیش کیں[1]۔

مہم کی تیاری کے سلسلے میں دارا شکوہ نے کچھ ساحروں اور نجومیوں کی خدمات بھی حاصل کیں۔ ان میں ایک اندرا گیر نامی ساحر تھا[2]۔ اس طرح گویا وہ مادی اور سحر و طلسم کے وسائل سے مسلح ہوگیا اور نجومیوں کی بتائی ہوئی تاریخ یعنی ۱۱ فروری ۱۶۵۳ء کو قندھار کی جانب روانہ ہوا۔

مہابت خاں ہفت ہزاری، قلیج خاں ۵ ہزاری، جعفر میر آتش، عبداللہ بیگ میر بخشی، قاسم خاں ۴ ہزاری، مرزا راجہ جے سنگھ ۵ ہزاری، اخلاص خاں، باقی خاں، چمپت رائے بندیلہ اور سید مرزا وغیرہ اپنے عساکر لیے ہوئے ساتھ تھے لیکن اب کی دفعہ بھی قلعہ سر نہ ہوسکا اور مغلوں کی فوج کو سخت جانی و مالی نقصان اٹھا کر لوٹنا پڑا۔ اس ناکام مُہم کی تفصیل بدیع الزّماں رشید خاں نے اپنی کتاب "لطائف الاخبار" (تاریخ قندھاری) میں دی ہے جو خود اس مہم میں شریک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

جنگ تخت نشینی

۱۶۵۷ء میں شاہجہان بیمار ہو کر صاحبِ فراش ہوگیا اور اس کی صحت روز بروز گرتی گئی جس کی خبریں دمبدم اطرافِ ملک میں پھیلتی رہیں۔ شاہجہان نے ناامیدی کی حالت میں قابلِ اعتماد درباریوں اور حُکامِ اعلیٰ کو بلا کر وصیّت بھی کر دی کہ دارا شکوہ ان کا آئندہ بادشاہ ہوگا اس لیے لازم ہے کہ وہ اس کی ہر موقع پر اور اس کی ہر بات کی اطاعت کریں۔

---

[1] قانونگو: دارا شکوہ، ص ۳۸-۳۹
[2] ایضاً ص ۵۲

دارا شکوہ ولی عہدِ سلطنت تھا لیکن اورنگ زیب، جو خود متدین مسلمان تھا، اسے اس وجہ سے تخت و تاج کا اہل نہیں سمجھتا تھا کہ وہ ہندو علوم کے مطالعے کی وجہ سے ویدانت سے بہت متاثر ہو چکا تھا اور ہندو یوگیوں اور سنیاسیوں کے میل جول کے سبب ہندوؤں کی طرف زیادہ مائل تھا۔ نیز یہ خطرہ بھی لاحق تھا کہ اس کے سربراہِ مملکت ہو جانے سے دینِ اسلام میں رخنہ اندازی ہوگی، چنانچہ شاہجہان کے بیٹوں میں تخت نشینی کے لیے جنگ چھڑ گئی جس کی مختصر سی روداد درج ذیل ہے:

شجاع اگرچہ شروع میں دارا شکوہ کے خلاف مُراد اور اورنگ زیب کا حلیف بنا تھا لیکن جونہی باپ کی گرتی ہوئی صحت کے ساتھ ساتھ اس کی موت کی افواہ سنی تو اس نے اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر کے صوبائی صدر مقام راج محل میں رسم تاجپوشی ادا کی اور دارالسلطنت پر چڑھائی کے ارادے سے روانہ ہوا۔ بنارس پہنچا تھا کہ شاہجہان کے حکم سے، جو بقیدِ حیات تھا، دارا شکوہ کا بیٹا سلیمان شکوہ فوج لے کر مقابلے کو آیا۔ ایک مختصر سی چپقلش ہوئی جس میں شجاع نے ۱۴ فروری ۱۶۵۸ء کو راہِ فرار اختیار کی۔

دھرمات کی جنگ

شجاع کی شکست کے بعد اب مُراد اور اورنگ زیب کی متحدہ افواج یلغار کرتی ہوئیں اجین سے ۱۴ میل کے فاصلے پر دھرمات پہنچیں۔ ۱۵ اپریل ۱۶۵۸ء کو ان کا آمنا سامنا شاہی افواج سے ہوا جس میں اورنگ زیب اور مُراد کو فتح ہوئی۔

ساموگڑھ میں دارا شکوہ کی شکست

تینوں بھائیوں کے مابین آخری بڑی لڑائی آگرہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ساموگڑھ میں ہوئی جس میں دارا شکوہ اپنے پورے وسائل بروئے کار لایا لیکن ۲۹ مئی ۱۶۵۸ء کا دن اس کے

لیے نہ صرف شکست کا، بلکہ تخت و تاج سے محرومی کا پیغام لے کر آیا۔ یہ جنگ بہت بڑی تاریخی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ اس سے درحقیقت ہندوستان کی بادشاہت کا فیصلہ اورنگ زیب کے حق میں ہو گیا۔

دارا شکوہ کا فرار

دارا شکوہ کے لیے اب فرار کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ اس نے پنجاب کا رُخ کیا اور اپنے خزانوں سمیت لاہور پہنچا لیکن یہاں بھی اسے قیام نصیب نہ ہُوا اور اورنگ زیب کے تعاقب میں آنے کی خبر سُن کر ملتان کی طرف روانہ ہُوا۔

دارا شکوہ کو اب رہ رہ کر یہ خیال آتا تھا کہ ہمایوں کی طرح وہ بھی ایران کا رُخ کرے اور صفوی حکومت کی مدد حاصل کر کے ایک بار پھر قسمت آزمائی کرے چنانچہ اس نے صفوی تاجدار شاہ عباس دوم کی خدمت میں اپنا ایلچی بھیج کر ایران آنے کی اجازت چاہی[1]۔ اس ذہنی کشمکش میں دارا شکوہ اپنے خزانوں اور چودہ ہزار فوج کے ساتھ ۵ ستمبر ۱۶۵۸ء کو ملتان پہنچا لیکن اب بیشتر سپاہیوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا چنانچہ جب اس نے بھکّر کا رُخ کیا تو فوج نصف رہ گئی تھی۔

اس پریشان حالی میں دارا شکوہ کو راجپوت راجاؤں سے مدد کی کچھ امید تھی، جن پر اس کے احسانات تھے لیکن انھوں نے اپنے مُحسن سے آنکھیں پھیر لیں[2]۔ اب اس نے قندھار پہنچ کر ایران جانے کا ارادہ مستحکم کر لیا کیونکہ شاہ عباس دوم نے حکام اور علاقوں کے والیوں کے

---

[1] دارا شکوہ: "سکینۃ الاولیا" (ایضاً) مقدمہ ص شانزدہ

[2] دیکھیے R.C Majumdar: Advanced History of India, P 486.

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے قانونگو: دارا شکوہ، جے سنگھ ص ۲۳۹، ۲۸۴، ۲۹۵ جسونت سنگھ ص ۲۷۸، مہارانا راج سنگھ میواڑ ص ۲۷۹، راجہ رن کچھ ص ۲۹۹

نام فرمان جاری کردیے تھے کہ جہاں جہاں شاہزادہ دارا شکوہ پہنچے اس کا پُرتپاک خیر مقدم کیا جائے اور احتراماتِ فائقہ سے اسے دارالسلطنت میں پہنچایا جائے۔[۱]

دارا شکوہ کی اسیری اور قتل

سفرِ قندھار کے دوران دارا شکوہ نے ڈھاڈر کے افغان سردار ملک جیون کی طرف رجُوع کیا۔ اس سفر میں دارا شکوہ کو ایک اور بہت بڑا صدمہ یہ پیش آیا کہ اس کی محبُوب رفیقۂ حیات نادرہ بیگم، جو عرصے سے بیمار تھی، ۶ جون ۱۶۵۹ء کو دارِ فانی سے رخصت ہوئی اور اس کی لاش لاہور بھیجی گئی۔

ملک جیون وہ سردار تھا جس کی چند ہی سال پہلے دارا شکوہ نے جان بخشی کرائی تھی۔ اس احسان فراموش نے دارا شکوہ کا خیر مقدم تو کیا لیکن بالآخر دارا شکوہ، اس کے بیٹے سپہر شکوہ اور دو بیٹیوں کو اسیر کرکے اورنگ زیب کے ایک سالار بہادر خاں کے حوالے کر دیا جو انھیں ۲۳ اگست ۱۶۵۹ء کو دہلی لے گیا۔ یہاں دارا شکوہ ۳۰ اگست کی رات علماء کے فتوے سے قتل ہُوا اور مقبرۂ ہمایوں کے احاطے میں اسے دفن کیا گیا۔

دارا شکوہ کا مسلک

دارا شکوہ کو اپنے باپ کے ساتھ حضرت میاں میر رحمۃُ اللہ عَلَیہ کی درگاہ میں حاضر ہونے کے تین موقعے ملے تھے پہلی مرتبہ ۷ اپریل ۱۶۳۴ء کو، دوسری مرتبہ اس کے دو دن بعد اور آخری مرتبہ کشمیر سے واپسی پر ۱۸ دسمبر ۱۶۳۴ء کو۔[۲]

شاہجہان حضرت میاں میر رحمۃُ اللہ عَلَیہ سے بہت متاثر تھا چنانچہ ان کا قُرب حاصل کرنے کے لیے آگرہ چلنے کی دعوت دی لیکن انھوں نے وہاں جانا پسند نہ کیا۔

---

[۱] دارا شکوہ: سکینۃُ الاولیاء، ایضاً مقدمہ ص شانزدہ [۲] قانونگو: دارا شکوہ، ایضاً ص ۹۹

۱۶۳۵ء میں جب شاہجہان لاہور میں قیام پذیر تھا تو دارا شکوہ کو حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کی صحبتِ فیض اثر اکثر میسر آئی، جس سے وہ روحانی زندگی کی طرف مائل ہوا انھیں کی صحبت میں حضرت ملا شاہ بدخشیؒ سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا۔ دارا شکوہ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کی مریدی کا شرف حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن اسی سال حضرت میاں میرؒ کا وصال ہو گیا اور اس کی مراد بر نہ آسکی۔

روحانیت کی طرف دارا شکوہ کا میلان ہو چکا تھا چنانچہ اب اسے مرشد کی تلاش ہوئی۔ اس سلسلے میں وہ متعدد صوفیوں سے ملا۔ مسلمان صوفیاء کے علاوہ ہندو یوگیوں سے مل کر ان کے عقائد سمجھنے کی بھی کوشش کی آخر اس کی ملاقات ملا شاہ بدخشیؒ سے، جو موسمِ گرما بسر کرنے کے لیے کشمیر جایا کرتے تھے، کشمیر میں ہوئی۔ ان سے دارا شکوہ بہت متاثر ہوا اور ۱۰۵۰ھ مطابق ۱۶۴۰ء میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی۔

ملا شاہ بدخشیؒ، حضرت میاں میرؒ کے مرید اور خود قادری سلسلے کے شیخ تھے، چنانچہ دارا شکوہ اسی نسبت سے "قادری" کہلایا۔ سلسلۂ قادریہ کی عظمت اس نے اپنے رسالہ "حق نما" میں یوں بیان کی ہے۔

"در شب جمعہ ہشتم شہر رجب المرجب ۱۰۵۵ھ در سر او ندا در دادند کہ بہترین سلسلہ ہائی اولیاء خدا، سلسلہ علیہ و طریقۂ سنیہ قادریہ است، و در آن شب بامور نوشتن این رسالہ شدہ است و نام آن را با تفاؤل بہ قرآن مجید "حق نما" انتخاب کردہ است[1]"
یعنی ۸ رجب المرجب ۱۰۵۵ھ جمعہ کی رات غیب سے ندا آئی کہ اولیاء اللہ کا بہترین سلسلۂ عالی و طریقۂ رفیع الشان "قادریہ" ہے۔ اسی رات یہ رسالہ لکھنے پر مامور ہوا اور قرآن مجید سے فال

---

[1] دارا شکوہ: رسالہ حق نما مرتبہ سید محمد رضا جلالی نائینی طبع ۱۳۳۵ھ ش، مقدمہ ص بیست و ہفت

لے کر اس کے لیے "حق نما" کا نام انتخاب کیا۔

تصوّفِ اسلامی کے مطالعے کے ساتھ ساتھ وہ ہندوؤں کے علوم کا بھی مطالعہ کرتا رہا جس کا شوق اسے آباو اجداد سے ورثے میں ملا تھا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ ہندو ویدانت کے زیرِ اثر ویدانتی توحید کی طرف مائل ہو گیا۔ اس کا یہ عقیدہ تھا کہ رُوحِ مُطلق عالمِ اجسام میں ظاہر ہوتی ہے اور فنائے جسمانی کے بعد وہ اپنے اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ چنانچہ رسالہ "حق نما" میں لکھتا ہے :

"سببِ تنزّلِ حقیقتِ انسانی درین ہیکلِ جسمانی آنست کہ ودیعتی کہ درین پنہانست، بکمال رسیدہ، باز باصلِ خویش پیوندد۔"[1]

(حقیقتِ انسانی کا جسمانی وجود میں نزُول اس وجہ سے ہے کہ وہ جوہر، جو اس کے اندر پوشیدہ ہے تکمیل پائے اور پھر اپنے اصل میں واصل ہو جائے۔)

توحید صوفیاء کا بُنیادی مسلک ہے اور اس کی معرفت مُراقبے سے ہوتی ہے۔ ملا شاہ بدخشی اپنے مُریدوں کو ہمیشہ مُراقبے کی تلقین کرتے اور کہتے تھے کہ اگر خدا کی طرف مُتوجہ نہ رہو گے تو اس سے پھر جاؤ گے۔[2]

معرفت کی جستجو دارا شکوہ کو بھی تھی اور اس سے فیض یاب ہونے کا بھی وہ مدعی ہے۔ سکینۃُ الاولیاء میں لکھتا ہے :

"اللہ تعالیٰ از آنجا کہ فضلِ او شاملِ ملک و ملکوت است و سائلان را مُجیب و طالبان را قریب، سوالِ این عاجز را اجابت فرمود۔ روزِ پنج شنبہ در من بیست سالگی در خواب بودم کہ ہاتفی آواز داد و چہار بار بتکرار گفت کہ آنچہ ہیچ یکی از بادشاہان روئے زمین میسّر نشدہ، آن خدا تعالیٰ بتو داد۔"[3]

---

[1] ایضاً : مقدمہ
[2] دارا شکوہ : حسنات العارفین ص ۴۲
[3] سکینۃ الاولیاء، ایضاً ص ۵-۶

(اللہ تعالیٰ نے، کہ اس کا فضل و کرم ملک و ملکوت کے شامِل حال ہے، سائلوں
کی دُعا قبول کرتا ہے اور طالبوں کے قریب ہے، اس عاجز کے سوال کو
شرفِ قبول بخشا۔ بیس سال کی عمر میں مَیں بروز پنجشنبہ محوِ خواب تھا کہ غیب
سے ندا آئی، جو چار بار دُہرائی گئی، کہ جو چیز روئے زمین کے کسی بادشاہ کو میسّر
نہیں آئی، خدا نے وہ تمھیں دے دی)

یہ بھی لکھتا ہے:

"اگر در جای دیگر طالبی در سالہا بریاضت و مُجاہدہ می یافت، من بفضلِ او
بی ریاضت یافتم"[1]

(جہاں کوئی طالب سالہا سال کی ریاضت و مجاہدہ سے پہنچتا ہے، وہ مقام
مجھے بے ریاضت حاصل ہو گیا)

ان بلند بانگ دعووں کے علاوہ دارا شکوہ کی زبان و قلم سے کچھ ایسے کلمات
بھی نکلتے رہے جن سے علماء سخت برہم ہوئے۔ ان کے جواب میں وہ لکھتا ہے:

"توحید و معرفت کے مراحل میں ایسا مقام بھی آتا ہے جب سالک 'شریعت' 'طریقت'
کفر و ایمان، خیر و شر اور عبد و معبود سے بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے اور بے خودی کے عالم میں اس
کی زبان سے ایسے کلمات بھی نکلتے ہیں جو بظاہر دین کے منافی ہوتے ہیں لیکن وہ قابلِ مؤاخذہ نہیں"[2]

دارا شکوہ کے نزدیک ہر سالک اپنے اپنے خیال کے مطابق معرفت کی تلاش کرتا ہے
اس تلاش کے لیے کوئی ایک مُعیّن راستہ نہیں بلکہ یہ راستے اتنے ہیں، جتنے معرفت کے طالب

---

[1] دارا شکوہ: سکینۃ الاولیاء' ایضاً ص ۶۔
[2] دارا شکوہ: حسنات العارفین دیکھیے تمہید۔

اس کے نزدیک حقیقت پانی کی طرح ہے جو مختلف ظروف میں پڑا ہے۔ اس پانی کے رنگ مختلف ہی کیوں نہ ہوں، حقیقت سب کی ایک ہے۔

جوں جوں ہندو ویدانت کا مطالعہ زیادہ ہوا، داراشکوہ کا نظریۂ وحدت الوجود، ویدانتی توحید کی شکل اختیار کرتا گیا۔ "مجمعُ البحرین" لکھ کر اس نے تصوّف اور ویدانت کو سمندر کے دو دھاروں سے تعبیر کیا اور ایک دوسرے کو ملانے کی کوشش کی۔ ان دونوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے وہ لکھتا ہے:

"..... جز اختلافِ لفظی دریافت وشناخت تفاوتی ندید۔ ازین جہت سخنانِ فریقین را بہم تطبیق داد....."

(تصوّف اور ویدانت میں فرق صرف لفظوں کا ہے، معانی کا کوئی فرق نہیں۔ اس لیے میں نے ان میں مطابقت پیدا کی۔)

داراشکوہ نے تصوّف اور ویدانت میں ہم آہنگی پیدا کرکے دراصل دیر و حرم کا فرق مٹانا چاہا جس کی وجہ سے علمائے اسلام نے اسے مُلحد اور کافر ٹھہرایا۔ بہرحال خود اس نے ہندو ویدانت کے عقاید کو اپنایا اور اس سے مسلمانوں کو روشناس کرانے کی کوشش کی۔

تعجب ہے کہ داراشکوہ اپنے علم وفضل کے باوجود سحر وافسونگری پر بھی اعتقاد رکھتا تھا اور زندگی کے بعض مسائل میں ساحروں اور جادوگروں سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب اس نے قندھار کی مہم کا آغاز کیا تو ساحروں کی خدمات بھی حاصل کیں۔

داراشکوہ کی شعر پروری اور ادبی ذوق

داراشکوہ صوفی، عالم، شاعر اور خود اپنی ذات میں ایک انجمن تھا۔ شعر کا فطری ذوق رکھتا تھا۔ اس نے شعراء اور علماء کی داد و دہش میں مغلیہ روایت پوری شان سے برقرار

رکھی۔شیر خاں لودھی کا بیان ہے :

رضی دانش نے اپنی ایک غزل دارا شکوہ کی خدمت میں پیش کی جس کا ایک شعر اُسے بہت پسند آیا اور اس کے صلے میں ایک لاکھ روپیہ بطور انعام دیا[1]۔ شعر یہ ہے

تاک را سیراب دارای ابرِ نیسان در بہار
قطرہ تا مے تواند شد چرا گوہر شود؟

دارا شکوہ نے اکثر شعراء کو دریا دلی سے نوازا۔ اس کی زر پاشیاں شعراء اور علماء کی تشویق کا موجب بنیں چنانچہ مشہور شعراء اور علماء مثلاً محمد محسن فانی مؤلف "دبستان مذاہب"، محمد علی ماہر، چندر بھان برہمن، بھوپت رائے بیغم بیراگی اور ہر کرن اس کے دربار سے وابستہ ہوئے۔ چندر بھان کو دارا شکوہ اس لیے بھی عزیز رکھتا تھا کہ ان دونوں کے خیالات میں ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ چندر بھان کا ایک شعر دارا شکوہ کو بہت پسند تھا۔ اس کی تعریف شاہجہان سے کی تو اس نے چندر بھان کو فرمائش کی کہ

"درین ایّام شعری کہ بابا (دارا شکوہ) از تو پسند کردہ است، بخوان"

چندر بھان نے اپنا یہ شعر پڑھا:

مرا دلیست بکُفر آشنا کہ چندین بار
بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

بادشاہ یہ شعر سن کر سخت برہم ہوا اور شاہزادے کو منع کیا کہ آئندہ اس قسم کی لغویات حضور میں پیش نہ کی جائیں[2]۔

---

[1] مرآۃ الخیال، طبع کلکتہ ص ۲۵۸

[2] ایضاً ص ۲۱۴، ۲۱۵

آثارِ علمی

۱۔ دارا شکوہ نے اپنا فارسی دیوان مرتب کیا تھا جو "دیوانِ دارا شکوہ" (اکسیرِ اعظم) یا "دیوانِ قادری" کے نام سے موسُوم ہے۔ یہ دیوان غزلیات و رباعیات پر مشتمل ہے۔

دارا شکوہ کا تمام منظوم کلام صوفیانہ رنگ میں ہے، جو اس کے نظریۂ وحدت الوجود کی عکاسی کرتا ہے۔ بیشتر اس کے کہ دارا شکوہ کے مسلکِ تصوّف پر نظر ڈالیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نظریۂ وحدت الوجود کا مفہوم مختصر طور پر پیش کر دیا جائے۔

وحدت الوجود بطور فلسفہ سب سے پہلے محی الدین ابنِ عربی نے پیش کیا۔ ان کے نزدیک "بزرگ و برتر ہے وہ ذات جس نے سب اشیاء کو پیدا کیا اور جو خود ان کا جوہرِ اصلی ہے"[1]
جہاں تک اس حقیقت کا تعلق ہے کہ خالقِ مطلق نے موجودات کو پیدا کیا، کسی کو ابنِ عربی سے اختلاف نہیں لیکن اختلاف یہاں پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب اشیاء کا جوہرِ اصلی ہے۔ یہ عقیدہ بقولِ ابنِ عربی وحدت الوجود کی ایک ایسی صورت ہے جس کی رُو سے دنیائے موجودات اس حقیقت کا محض ایک سایہ ہے جو اس کے پیچھے مخفی ہے یعنی اس وجودِ حقیقی کا جوہر اس شے کی آخری بنیاد ہے۔[2]

ابنِ عربی یہ بھی کہتے ہیں کہ بے توفیق عقل حق تعالیٰ اور مخلوقات کے مابین دُوئی پر زور دیتی ہے۔[3]

اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ابنِ عربی کے نزدیک مخلوقات کا اپنا کوئی ذاتی وجود نہیں۔ یہاں اس کے جواب میں ضمناً یہ کہہ دینا نامناسب نہ ہوگا کہ مخلوقات کے ذاتی وجود

---

[1] اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ: ابنِ عربی ج ۱، ص ۶۰۹ بحوالہ فتوحات ۲۷ : ۶۰۴
[2] ایضاً ص ۶۰۹ - ۶۱۰
[3] ایضاً ص ۶۱۰

سے انکار ہو تو پھر انسان کی تعمیر و تربیت، اس کی نشو و نما اور کشمکشِ حیات سب بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مُجدّدِ الفِ ثانی نے اس نظریے کی پُر زور مخالفت کی۔ بہر حال اکبرِ اعظم کے دَور میں نظریۂ وحدت الوجود نے زور پکڑا اور دارا شکوہ نے بھی اسی نظریے کو اپنایا۔ وہ اس عقیدے پر قائم ہے کہ خالق اور مخلوق میں کسی قسم کی دوئی نہیں:

درذاتِ دُوئی ندید ہشیار　　　ما و تو بوَد برای گفتار
اعداد میانِ یک عیان بین　　　از یک بنگر کہ گشت بسیار

یعنی ما و تو ایسے کلمات محض امتیاز پیدا کرنے کے لیے ہیں۔ کسی دانشور کو ذاتِ واحد میں دوئی نظر نہیں آتی تم وحدتِ ذات میں تعدد نہ دیکھو بلکہ یہ دیکھو کہ ایک ہی وحدت ہے، جس نے کثرت کی شکل اختیار کر لی ہے۔

دارا شکوہ کی پہلی ہی غزل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک ایک ہی وحدت ہے جو کائنات میں جاری و ساری ہے:

ہمہ موجود در وُجودِ ما　　　گنجِ مخفی است این نمُودِ ما
گرچہ در پردہ داشتیم آواز　　　شد زِنے ظاہر این سرُودِ ما
ما ندیدیم ہیچ غیرِ نمود　　　غیر نمود در شہُودِ ما

ساتھ ہی دارا شکوہ یہ بھی کہتا ہے:

وہم فانی شود نہ ما فانی　　　ہست باقی ہمیشہ بودِ ما

(وہم و گمان فانی ہو سکتا ہے لیکن ہم فانی نہیں۔ ہماری ہستی ہمیشہ باقی رہے گی)

دارا شکوہ یہ بھی کہتا ہے کہ تمھیں چاہیے، حق تعالیٰ کو عینِ خویش سمجھو تمھارا فانی ہونا حق تعالیٰ کے کس کام کا ہے:

بابد کہ تو عینِ خویش دانی حق را　　　فانی شدنت چہ کارِ حق می آید

دارا شکوہ جس نظریۂ وحدتُ الوجود سے متاثّر تھا، اس کے لیے مسلمان ہونے کی قید نہیں وہ ہندوؤں، مسلمانوں اور دوسری اقوام کے افراد کا مشترکہ نظریہ ہے۔ یہ تصور بھی ابنِ عربی ہی کے ذہن کی پیداوار ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"خدا ہمارا محبوب ہے۔ یہ درست ہے، مگر وہ ایسا کسی مذہبی ـــــ اسلام، عیسائیت، یہودیت ـــــ مفہوم میں نہیں، بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ وہ ہر اس شئے کا، جو معبود اور محبوب ہو سکتی ہے، جوہر ہے۔ اسے کسی مخصوص شکل، عقیدے یا مذہب پر محدود نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی شئے جس کی پرستش کی جاتی ہے، اس کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ اَن گنت صورتوں میں سے ایک ہے، جس میں خدا اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔ خدا کو صرف ایک صورت تک محدود کرنا اور باقی صورتوں سے مستثنیٰ کر دینا کفر ہے"[۵]

ہندو ویدانتیوں اور مسلمان صوفیوں کے میل جول سے دارا شکوہ نے جس نظریہ وحدت الوجود کو اپنایا، وہ ابنِ عربی ہی کے نظریے کا اثرِ باقیہ ہے۔ اس کی وجہ سے دارا شکوہ نے اسلام اور کفر کے دو دھاروں کو یکجا کرنے کے لیے "مجمعُ البحرین" کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی۔ دیوان میں اس کا یہ مسلک صاف نظر آتا ہے:

خداوندا مرا از کفر و اسلام　　　رہائی دادہ، باخود بخش اکرام
مرا گم ساز اندر ہستیٔ خویش　　　جدا گردان ہم از خاص و ہم از عام

صوفیائے وحدتُ الوجود کے نزدیک جس طرح دریا کے قطرات، لہریں اور بھنور محض نام ہیں، اصل حقیقت وحدتِ دریا کی ہے۔ اسی طرح مخلوقات کے الگ الگ نام ہیں لیکن حقیقت

---

[۵] اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ ج ۱، ص ۶۲

میں وہ ایک ہی وحدت کا حصّہ ہیں اس خیال کو دارشکوہ نے ایک رباعی میں پیش کیا ہے :

یک ذرّہ ندیدیم زِ خورشید سوا　　　　ہر قطرۂ آب ہست عینِ دریا
حق راچہ نام کس تواند خواند　　　　ہر اسم کہ ہست ہست ز اسماءِ خدا

اور پھر ذاتِ واحد کی تلاش میں رہنے والے سالکوں کو کہتا ہے کہ تم خدا سے جدا نہیں ہو تمہاری تلاش تو اس قطرے کی سی ہوگی جو دریا میں ہوتے ہوئے دریا کی تلاش کرے :

ای آنکہ خدائے راہجوئی ہمہ جا　　　　تو عینِ خدائی نہ جدائی زِ خدا
ای جستنِ تو بآن ہمی می ماند　　　　قطرہ بمیانِ آب جوید دریا

بعض صوفیاء نے کسی مقام پر پہنچ کر قطرہ ہوتے ہوئے " انا البحر" اور انسان ہوتے ہوئے "انا الحق" کا نعرہ بلند کیا۔ دارشکوہ کے نزدیک قطرہ اور دریا، انسان اور خدا کا یہ تعلق مسلّم ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ " انا البحر" اور " انا الحق" کہہ کر اس تعلق کو ظاہر کرنا خود نمائی ہوگی۔

عارف بخود اطلاقِ خدائی نکند　　　　از ذاتِ لطیف خود جدائی نکند
گر بندہ کسی بُوَد خدا می باشد　　　　چون جملہ خود است خود نمائی نکند

لیکن وحدت الوجودی صوفی کو ذاتِ خداوندی سے نسبت حاصل ہے، اس کا اظہار وہ بڑے دانشگاف الفاظ میں کرتا ہے۔

خویشتن را جدا نمی دانم　　　　لیک خود را خدا نمی خوانم
قطرہ را نسبتی کہ با بحر است　　　　بیشتر زین روا نمی دانم

اگر خالق کی ذات کو مخلوقات کا جوہرِ اصلی سمجھ لیا جائے تو جوہرِ اصلی کی صفات کا مخلوقات میں آنا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ اگرچہ یہ اس وقت ممکن ہے جب طریقت کے مقامات طے کر لیے جائیں۔ دارشکوہ اسی مقام پر پہنچ کر کہتا ہے :

عارف و معروف و عرفانیم ما　　ہر دو دُنیا ایم و در دُنیا نہ ایم

ظاہریم و حاضریم و ناظریم　　از ظہورِ خویش، ما پیدا نہ ایم

بی جہت ماییم، اندر ہر جہت　　جای ما ہر جا و ما در جا نہ ایم

دارا شکوہ کے نزدیک موحد وہ ہے، جسے توحیدِ وُجودی کی معرفت حاصل ہوتی ہے لیکن وہ یہ بھی کہتا ہے کہ موحد محض زبانی اقرار سے موحد نہیں بن سکتا۔ بلکہ اس کے لیے عمل یعنی مقاماتِ طریقت طے کرنا ضروری ہے :

خواہی کہ شوی داخلِ اربابِ نظر　　از قال بہ حال بایدت کرد گذر

از گفتنِ توحید موحد نشوی　　شیرین نشود دہانت، از نامِ شکر

سالک کے لیے طریقت کا سفر بہت دشوار ہے۔ اس سفر میں آخری منزل فنا فی اللہ کی ہے۔ جس میں آکر انسان اور خالقِ کل کے مابین حائل پردے اٹھ جاتے ہیں۔ اس منزل کو دارا شکوہ مبارک سفر سے تعبیر کرتا ہے :

با دوست رسیدیم، چو از خویش گذشتیم　　از خویش گذشتن، چہ مبارک سفری بود!

دارا شکوہ کے صوفیانہ کلام میں کہیں کہیں تغزّل کی شان بھی پائی جاتی ہے۔ دو غزلوں کے چند شعر بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں جو اس کے مسلکِ تصوّف کے بھی آئینہ دار ہیں:

دل سپُردم بدستِ دلداری　　کہ چو او نیست در جہان یاری

مست و بی خود بشو کہ یابی یار　　یار ہرگز نیافت ہشیاری

اندرین عشق ہر چہ می گویم　　اندکی گفتہ ام ز بسیاری

سبحہ در دستِ زاہدان خوبست　　قادری را بس است زناری

شُکر للہ کہ من آن یار بدیدم امروز
از در و بام پدیدار بدیدم امروز
دیدنِ رُوی میسّر نشود یک ساعت
من خوشش دیدم و بسیار بدیدم امروز
غیرِ آن یار ہمہ رفت زعالم بُودم
جلوہ گر در گل و در خار بدیدم امروز

۲ ۔سَفِینَۃُ الاَولیاء۔ دارا شکوہ معرفت کی طلب و تلاش کے زمانے میں اکثر صوفیاء اور درویشوں سے ملتا جلتا رہا اور اکابر صوفیائے کے حالاتِ زندگی سنتا اور مطالعہ کرتا رہا۔ اسی شغف کا یہ نتیجہ تھا کہ اس نے پچیس سال کی عمر میں کتاب "سَفِینَۃُ الاولیاء" لکھی جو ۱۰۴۹ھ مطابق ۱۶۳۹ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس میں صوفیاء کے سلسلوں کے علاوہ ۴۱۱ اہم علما و مشائخ کے احوال و فضائل درج ہیں۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۸۵۲ء میں آگرہ میں طبع ہوئی۔ پھر لکھنؤ میں (۱۸۷۲ء) اور کانپور میں (۱۸۸۴ء) میں اس کے ایڈیشن شائع ہوئے۔ اب یہ کتاب ایران میں بہ تصحیح آقای سیّد محمد رضا جلالی نائینی تہران میں طبع ہوئی ہے۔

۳ ۔سَکِینَۃُ الاَولیاء۔ یہ کتاب دارا شکوہ نے اٹھائیس سال کی عمر میں ۱۰۵۲ھ مطابق ۱۶۴۲ء میں لکھنی شروع کی اور ۱۰۵۸ھ مطابق ۱۶۴۸ء تک اس میں اضافے ہوتے رہے۔ "سَکِینَۃُ الاولیاء" دراصل اسی فیضان کا نتیجہ ہے جو دارا شکوہ کو حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ اور مُلا شاہ بدخشی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں حاصل ہُوا۔ یہ کتاب مقدمہ، بیانِ فضیلت سلسلۂ عالیۂ قادریہ، حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ، ملا شاہ بدخشی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے خلفائے

واصحاب کے احوال وفضائل پر مشتمل ہے۔ خاتمے میں دارا شکوہ لکھتا ہے :

"کتاب را باحتیاط و تحقیقِ تمام، کہ اکثر اصحابِ معرفت میانجیو (میاں میر) حاضر بودند، جمع ساخت و آنچہ بہ فقیر رسید، در قیدِ تحریر در آورد و مطلب، نہ اظہارِ عبارت آرائی بود"[1]

دارا شکوہ کے بیان سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اس کتاب کے لکھتے ہوئے حضرت داتا گنج بخش اور ان کی جلیل القدر تصنیف "کشف المحجوب" کی برکات بھی اس کے شاملِ حال رہیں۔

"صاحبِ کشف المحجوب ..... بہ برکتِ ایشان بر دلِ من کشائش ہا می شود و عبارات و اشارات بر سینۂ من ہجوم می کند و ذوق ہا بہم رسد، خواستم کہ کتابی در طریقہ و اشغال و اوضاعِ مشائخ خود بنویسم۔ اما چوں اسرارِ اشغال در دل خوش است و از ذوق و لذت، زبان تابِ بیان آن ندارد :

من چہ گویم یک رگم ہشیار نیست ۔ ذکرِ آن یاری کہ او را یار نیست

لہٰذا احوال و خوارقِ این طائفہ را و نسبتِ ایشان را با مشائخ متقدمین بی کم و زیاد بر آنچہ خود مطلع گشتم و دیدم و از عزیزانِ این سلسلہ شنیدہ بودم، نوشتم و موسوم بہ "سکینۃ الاولیاء" گردانیدم"[2]

"سکینۃ الاولیاء" برِ عظیم پاکستان و ہند میں ابھی تک شائع نہیں ہو سکی۔ ایران میں اس کا متن مع مقدمہ، حواشی اور اشاریہ آقائی سید محمد رضا جلالی نائینی نے ڈاکٹر تارا چند

---

[1] "سکینۃ الاولیاء" طبع تہران ص ۶-۷

[2] "سکینۃ الاولیاء" : طبع تہران ص ایضاً

کے تعاون سے ۱۳۴۴ھ ش مطابق ۱۹۶۵ء میں تہران سے شائع کرایا ہے۔

۴۔ رسالۂ حق نما۔ یہ رسالہ دارا شکوہ نے میدانِ طریقت کے نو واردوں کے لیے ۱۶۴۵ تا ۱۶۷۷ء میں تصنیف کیا۔ اس میں اس کا اندازِ خطاب ایک مُرشد کا سا ہے لیکن جن لوگوں کو خطاب کیا ہے انھیں مُرید نہیں بلکہ دوست لکھا ہے۔

تمہید کے مطابق یہ رسالہ چار فصلوں پر مشتمل ہے۔ ہر فصل ایک عالمِ طریقت پر لکھی گئی ہے۔ آخری فصل عالمِ لاہوت پر ہے لیکن آج کل جو خطی نسخے اور طبع شدہ ایڈیشن ملتے ہیں ان میں چار کے بجائے چھ فصلیں ہیں۔ آخری دو فصلیں حقیقت کے موضوع پر ہیں۔ یہ بھی اگرچہ دارا ہی کا نتیجۂ قلم ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں بعد میں بطورِ ضمیمہ شامل کیا گیا۔ اس رسالے میں دارا کی شخصیت اور مسلک پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ رسالہ ۱۸۸۱ اور ۱۹۱۰ء میں لکھنؤ میں شائع ہوا پھر اس کا متن مع انگریزی ترجمہ ۱۹۴۱ء میں الہ آباد میں طبع ہوا۔ ایران میں یہ رسالہ مع "مجمعُ البحرین" اور "اپنشد مندک"، "منتخباتِ آثار" کے نام سے آقای رضا جلالی نائینی نے ۱۳۳۵ھ شمسی میں ایران میں شائع کیا ہے۔

۵۔ حَسَناتُ العَارِفین۔ یہ دراصل ان اعتراضات کے جواب میں لکھی گئی ہے، جو علمائے اسلام نے دارا شکوہ کے غیر دینی عقائد و نظریات پر کیے تھے۔ یہ کتاب ۱۰۶۲ھ مطابق ۱۶۵۱ء میں شروع ہوئی اور ۱۰۶۴ھ مطابق ۱۶۵۳ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس میں دارا نے اپنے دینی نظریات کی تاویل پیش کی ہے۔ ۱۸۹۲ء میں یہ کتاب دہلی میں طبع ہوئی تھی۔

۶۔ مَجمعُ البحرَین۔ دارا شکوہ کی یہ کتاب اس کے بدلے ہوئے رجحانات اور مختلف مذاہب کے تقابلی مطالعے پر مبنی ہے۔ اس کے باوجود کتاب کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی ثنا، رسولِ اکرمؐ

کی توصیف اور اہلِ بیتؓ کی منقبت سے ہوئی ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ اس نے دینِ حق سے یکسر رُو گردانی نہیں کی تھی لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ یہ کتاب لکھتے ہوئے دارا شکوہ کے پیشِ نظر ہندوؤں اور مسلمانوں کے ویدانتی اور صوفیانہ عقاید تھے جیسا کہ وہ مقدّمے میں لکھتا ہے :

"ہندوؤں سے میل جول اور بحث و تمحیص سے اسے معلوم ہوا کہ معرفتِ ربّانی کے سلسلے میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو اختلاف ہے، وہ محض زبان و بیان کا ہے"

مقدّمے میں اس نے کفر و اسلام اور دیر و حرم کی یگانگت اس طرح بیان کی ہے :

"تعریف اس خدائے یگانہ کی ہے جس نے اسلام اور کفر کی دو زلفیں، جو ایک دوسری کے مقابل ہیں، اپنے چہرے پر لہرائیں۔ ان میں سے کوئی ایک بھی اس کے رُخِ نیکو کے لیے موجبِ حجاب نہیں۔"

کفر و اسلام در رہش پویان   وحدہٗ لاشریکَ لہٗ گویان

مقدّمے میں یہ بھی لکھتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہے کہ یہ کتاب دونوں قوموں کے برگزیدہ افراد کے لیے لکھی گئی ہے جو اس کی کاوش و تحقیق سے استفادہ کرنے کی اہلیّت رکھتے ہیں۔

اس کتاب میں دارا شکوہ نے مسئلہ آفرینش کے بُنیادی اُصولوں سے بحث کی ہے جو اس کے نزدیک ہندوؤں اور مسلمانوں میں مشترک ہیں۔

"مجمع البحرین" کا فارسی متن مولوی محفوظ الحق نے مع انگریزی ترجمہ ۱۹۲۹ء میں کلکتہ سے شائع کرایا۔ پھر ۱۳۳۵ھ شمسی میں آقائے سید محمد رضا جلالی نائینی نے اسے تہران میں طبع کرایا جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے۔

۷۔ سِرّ اکبر یا سِرّ الاسرار۔ دارا شکوہ کو ہندو علوم کا شغف اس قدر تھا کہ اس نے ۵۰ اُپنشدوں کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اس کا نام "سِرّ اکبر" یا "سِرّ الاسرار" رکھا۔ مقدّمے میں وہ

لکھتا ہے :

"میں نے ہندو علوم کے مرکز یعنی بنارس کے رہنے والے پنڈتوں اور سنیاسیوں کو جمع کیا اور ان کی مدد سے ۶ ماہ کے عرصے میں دہلی میں اپنشدوں کا ترجمہ مکمل کیا (۲۸ جون ۱۶۵۷ء)

"سِرِّ اکبر" کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ دارا شکوہ نے اوسط قابلیت کے افراد کے لیے، جنھیں ہندو ویدانت کا علم نہیں، اسے عام فہم بنانے میں خاصی محنت کی ہے۔ ترجمہ فصیح اور رواں فارسی میں ہے اور اس پر اصل ہونے کا گمان گزرتا ہے۔

"سِرِّ اکبر" کتاب ۱۹۱۰ء میں جے پور میں تین جلدوں میں شائع ہوئی اور ۱۳۴۰ھ شمسی ۱۹۶۲ء میں آقائے سید محمد رضا جلالی نائینی اور ڈاکٹر تاراچند نے چند خطی نسخوں کے متونِ سنسکرت سے مقابلہ کر کے اسے تہران میں شائع کرایا۔

۸۔ سوال و جواب دارا شکوہ با بابا لعل داس۔ یہ مختصر سا رسالہ ان سوالات پر مبنی ہے، جو دارا شکوہ نے بھگت کبیر کے ایک پیرو بابا لعل داس سے ہندو فلسفہ و مذہب اور فقر و عرفان کے متعلق کیے، نیز وہ جوابات بھی اس میں شامل ہیں جو بابا لعل داس نے دارا شکوہ کو دیے۔

۹۔ "نامۂ عرفانی"۔ یہ رسالہ ان مکتوبات پر مشتمل ہے جو دارا شکوہ نے مختلف مشائخ کے نام لکھے جن میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں :

شاہ محمد دلربا، شاہ محب اللہ آبادی، سرمد کاشانی اور ملا شاہ بدخشی۔

ان کے علاوہ بعض اہلِ تحقیق کے خیال میں کتاب "طریقۃ الحقیقت" (رسائلِ تصوّف) بھی دارا شکوہ کے نام منسوب ہے۔

دارا شکوہ کو ایک محقّق کی حیثیت میں خاصہ بلند مقام حاصل ہے۔ اس کی تصنیفات "سفینۃُ الاَولیاء" اور "سکینۃُ الاَولیاء" تصوّف اور صوفیاء کے متعلق بہت اہم کتابیں ہیں۔ اکثر تذکرہ نویسوں نے ان کتابوں کو مستند مآخذ سمجھ کر ان سے اِستفادہ کیا ہے اور جابجا ان کے حوالے بھی دیے ہیں۔

"مجمَع البحرَین" اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے مشترکہ نظریات کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کی تقابُلی اہمیّت کے پیشِ نظر اس کا فارسی متن ایران میں چھپا اور شیخ احمد جعفری نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا (۱۹۲۹ء)

"سرّ اکبر" میں دارا شکوہ نے کوشش کی ہے کہ ہندوؤں کے عقائد سے مسلمانوں کو آشنا کرے۔

مرزا مقبول بیگ بدخشانی

باب اوّل

حمد وثناء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"سُبۡحَانَ الَّذِیۡ ھُوَ الۡاَوَّلُ وَالۡاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالۡبَاطِنُ وَھُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ[1] وسُبۡحَانَ الَّذِیۡ ھُوَ سَمۡعُنَا وَبَصَرُنَا وَمَنۡطِقُنَا وَسُبۡحَانَ الَّذِیۡ لَمۡ یَجۡعَلۡ سَبِیۡلاً اِلٰی مَعۡرِفَتِہٖ اِلَّا بِالۡعَجۡزِ عَنۡ مَعۡرِفَتِہٖ سُبۡحَانَ الَّذِیۡ بِیَدِہٖ مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ وَاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ"

(پاک ہے وہ ذات، جو اوّل و آخر اور ظاہر و باطن ہے اور اسے ہر چیز کا علم ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے ہماری بصارتوں اور گویائیوں کو تخلیق کیا۔ پاک ہے وہ ذات، جس نے اپنی معرفت کی طرف معرفت سے عاجز رہنے کے سوائے اور کوئی طریقہ نہیں بنایا پاک ہے وہ ذات، جس کے ہاتھ ہر چیز کی حکومت ہے اور سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے)

بادشاہی کی تعریف اسی کو زیبا ہے کہ زمینیں اور افلاک اسی کے ہیں اور وہ (قادر) مطلق ہے جو تمام اشیاء پر محیط ہے۔

"اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی، لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَھُمَا وَمَا تَحۡتَ الثَّرٰی.... لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ، لَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی"[2]

---

[1] قرآن کریم: ۲۷/ اَلۡحَدِیۡد، ۳

[2] قرآن کریم: ۱۶/ طٰہٰ ۵، ۶، ۸

(اور وہ بڑی رحمت والا اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہے اور اسی کی مِلک ہیں جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں اور جو چیزیں ان دونوں کے درمیان میں ہیں۔ اور جو چیزیں تحت الثریٰ میں ہیں۔ اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے اچھے اچھے نام ہیں)

ثنا ہے اس پروردگار کی جس نے فرمایا :

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ[۱]

(اے محمدؐ کہیے کہ اے خداوند! تو ہی ملک کا مالک ہے جسے چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے لے لیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں نیکی ہے بلاشبہ تو سب چیزوں پر قادر ہے)

وہ ناسُوت، ملکُوت اور جبرُوت کا مالک ہے۔ عرفان کی دولت بخشتا ہے جسے چاہتا ہے، عالمِ ملکوت میں تصرّف کی قوت عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بُعد وہجر کے عذاب میں مبتلا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے عالمِ ملکُوت سے عالمِ ناسُوت میں لوٹا دیتا ہے، جسے چاہتا ہے، عالمِ جبرُوت سے عالمِ لاہُوت میں واصل کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل وخوار کر دیتا ہے، یعنی ان کو انہیں کے حوالے کر دیتا ہے۔ وہ جو کچھ کرنا چاہے اس پر قادر ہے۔ اس کا علم ہر شے کا احاطہ کیے ہوئے ہے اس کی ثناء کا سوائے خود اس کی ذات کے کسی کو یارا نہیں۔ دو عالم کے سردار صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے :

"لَا اُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ"

(میں تمہاری ثنا نہیں کر سکتا تو ایسا ہے جیسا کہ تو خود اپنی ثنا کر سکتا ہے)

---

[۱] قرآن کریم: ۳/ آل عمران، ۲۶

ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ مناجات میں عرض کیا کرتے تھے: "خدایا اگر تیرا فرمان نہ ہوتا تو کس کی مجال تھی کہ تیرا نام بھی زبان پر لاتا۔"

"تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ وَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ"

(اللہ بہت برکتوں والا ہے سب سے اچھا خالق ہے اور دونوں جہانوں کو پالنے والا ہے)

مدحِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہزاراں ہزار درود اس سخی اور بزرگ و برتر نبیؐ پر جو اہلِ عالم کے مقتدا، اہلِ جہاں کے بادشاہ، دو عالم کے سردار، دونوں جہانوں کے رسولؐ، دونوں جہانوں کے شفاعت کنندہ، محبوب و معشوقِ الٰہی، عارفوں کے بادشاہ، اور اہلِ اللہ کے استاد ہیں۔ وہ علومِ لامتناہی کا چشمہ ہیں اور ظہورِ خداوندی کا سبب۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں حق سبحانہٗ کا ارشاد ہے:

"لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ وَلَوْلَاكَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرَّبُوْبِيَّةَ"

(اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اور اگر تو نہ ہوتا تو میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا)

رباعی

اظہار ز اطلاق برائے تو بوَد　　　این کون و مکان بیقین سزای تو بوَد

(موجودات جو ظہور میں آئی ہیں سب آپ کے لیے ہیں۔ یہ کون و مکان یقیناً سب آپ ہی کی خاطر ہیں)

چون بہرِ ظہورِ ما سبب گشتی تو　　　جان و دلِ ما فدای پای تو بود

(جب ہمارے ظہور کا سبب آپ ہوئے تو ہمارے دل و جان آپ کے پاؤں پر کیوں نثار نہ ہوں)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ کچھ دیا جو اور کسی کو

نہ دیا، اور وہ سنایا، جو کسی کان نے نہ سنا تھا، اور وہ دکھایا جو کسی آنکھ نے نہ دیکھا تھا۔

فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِہٖ مَاۤ اَوْحٰی[۱]

(پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمائی تھی)

رباعی

در عاشق و معشوق سخن بسیار است   صد ناز و نیاز و گفتگو در کار است

آن عشوہ کہ ہست درمیانِ ایشان   کس واقفِ آن نیست ہمہ اسرار است

(محب اور محبوب کے درمیان بہت سی باتیں راز کی ہیں سیکڑوں ناز و نیاز کی باتیں

ہوتی ہیں جو ناز و ادا ان میں ہے کوئی اس سے آگاہ نہیں۔ سب راز ہی راز ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اقوال و افعال کو اپنے سے نسبت دی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ، یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ"[۲]

(جو لوگ آپ کی بیعت کر رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ سب پر فوقیت رکھتا ہے۔)

"یَدُ اللّٰہِ" سے آنحضرت ﷺ کا دستِ مبارک مراد ہے۔ فرمایا ہے یہ ہاتھ سب ہاتھوں پر فوقیت رکھتا ہے۔

" وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی "[۳]

(جب تو نے کنکریاں پھینکیں تو یہ دراصل تو نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں)

اس آیت کریمہ میں مقامِ وحدت کے کمال، یگانگت اور فرائض کے قُرب کا بیان

---

[۱] قرآن مجید: ۲۷/النجم، ۱۰
[۲] قرآن مجید: ۲۶/الفتح، ۱۰
[۳] قرآن مجید: ۹/الانفال، ۱۷

ہے کیونکہ حضرت داؤد علیہ السّلام کے حق میں فرمایا ہے:

"وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ"[1]

(داؤدؑ نے جالوت کو قتل کیا)

شعر

مقام دلکشائش جمع جمع است — جمال جانفزائش شمع جمع است

(اس کے دل کشا مقام سے دل کو جمعیّت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے جانفزا حسن سے روشنی میسر آتی ہے)

نیز افضلِ عالم اور فخرِ بنی آدمؐ کی برکت سے اس امت کو سب امتوں سے اشرف بنایا اور فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ[2]

(تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے)

توصیفِ اصحاب رضی اللہ عنہم

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ

یحیٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یہ آیۂ شریفہ اس اُمّت کی تعریف میں ہے اور اللہ تعالیٰ کسی ایسی قوم کی تعریف نہیں فرماتا، جسے آخرت میں عذاب دینا ہو۔ کیا ہی بلند مرتبہ ہے اس امت کا اور کیا ہی عالی مقام اس امت کے اولیاء ہیں۔ خصوصاً اولیاء کے سردار، متّقی لوگوں میں سے بہترین، اصحابِ تجرید کے امام اربابِ تفرید

---

[1] قرآن مجید: البقرہ ۲۵۱

[2] قرآن مجید: ۳ آلِ عمران ۱۱۰

کے سردار، راسخ الایمان، رفیقِ سیّدالانامؐ، سوائے انبیاؑ کے سب کے بادشاہ، امیرالمؤمنین ابابکر صدیق رضی اللہ عنہٗ

"وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ[1]"

(اور جو لوگ صدق سے آئے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو برحق جانا تو یہ لوگ پرہیزگار ہیں)

صوفی کے لیے لازم ہے کہ پورے پورے خلوص سے صدیق اکبرؓ کی پیروی کرے، کیونکہ سرورِ کونینؐ نے فرمایا ہے: "جب میں نے کہا کہ میں پیغمبر ہوں تو وہ کسی معجزے کا مطالبہ کیے بغیر ایمان لے آئے اور جب کہا: مجھے معراج کی سعادت حاصل ہوئی ہے تو انھوں نے تصدیق کی اور کہا: اگر سرورِ عالمؐ یہ فرماتے کہ تمام اہلِ خانہ سمیت مجھے معراج حاصل ہوا ہے تو یقیناً میں قبول کرتا۔"

شعر

زِ صدق و صفا گشت او مُقتدا ۔۔۔ کہ گنجید در غار با مصطفیٰؐ[2]

(اپنے صدق و صفا کی وجہ سے انھیں مُقتدا کا درجہ حاصل ہوا کیوں نہ ہو ہجرت کے وقت غارِ ثور میں وہ بھی رسولِ اکرمؐ کے ساتھ تھے)

کوئی صوفی صدیقِ اکبرؓ کے مقامِ فنا کو نہیں پہنچ سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا ہے:

"مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی مَیِّتٍ یَّمْشِیْ عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ فَلْیَنْظُرْ اِلَی ابْنِ اَبِیْ قُحَافَۃَ"

(جو شخص مُردے کو زمین پر چلتا پھرتا دیکھنا چاہے وہ ابنِ ابی قحافہ کو دیکھ لے)

---

[1] قرآن مجید: ۲۴/الزمر، ۳۳

حضرت عمرؓ بن خطاب

طریقتِ ولایت کے دوسرے رہنما، اہلِ ہدایت کے رہبر، یگانۂ زمان، جہان کے بادشاہِ عادل، نصیبِ وافر سے بہرہ مند، نفسِ کافر پر سب سے زیادہ سخت گیر، اصحاب کے سپہ سالار، امیرالمؤمنین عمر بن الخطابؓ ہیں۔

يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ[1]

(اے نبیؐ آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور ان مؤمنین کے لیے جنھوں نے آپ کی پیروی کی)

صوفی کے لیے لازم ہے کہ وہ حضرت فاروقِ اعظمؓ کی طرح دل کی اور دنیائے جسم کی حفاظت کرے اور اس میں عدل قائم کرے تاکہ وہ شیطان کے شر اور حرص و نفس پرستی سے محفوظ رہے۔

حضرت عثمانؓ بن عفّان

تیسرے عارفانِ صابر کے اُستاد، قادرِ مطلق کے مشاہدے میں مستغرق، برگزیدۂ اَلرَّحِيْمُ الرَّاحِمِيْن، مقتولِ اَكْرَمُ الْاَكْرَمِيْن، صاحبِ حیا و ایمان، امیرالمؤمنین عثمانؓ بن عفّان ہیں۔

"اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ"[2]

(جو لوگ خدا کی راہ پر اپنا مال صرف کرتے ہیں)

صوفی کو چاہیے کہ ذوالنّورین (حضرت عثمانؓ) کی طرح صاحبِ صبر و حیا ہو تاکہ جو صورتِ حال درپیش ہو، اس پر صبر کرے اور اس کی آنکھ حق سبحانہٗ کے حضور میں حیا کی وجہ سے کسی غیر پر نہ پڑے۔ شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاریؒ نے فرمایا ہے، صحبت و حضور میں

---

[1] قرآن مجید ۱۰/ اَلْاَنْفَال ۶۴

[2] قرآن مجید ۵/ اَلنِّسَآء ۳۸

اس کے علاوہ کسی اور کی طرف دیکھنا شرک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّم کی صفت میں فرمایا ہے :

"مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی"[1]

(نگاہ نہ تو ہٹی نہ بڑھی)

تو مبین در غیر پیشِ یارِ خویش   گرچہ غیرِ یار تو ہم عینِ اوست

(اپنے یار کی موجودگی میں تو غیر کی طرف دھیان نہ دے اگرچہ یار کا غیر بھی وہی ہے)

حضرت علی المرتضیٰؓ

چوتھے شاہِ عرفان، اکملِ کاملان، بحرِ حقائق، تعلقاتِ دینوی سے مُجرّد، عابدوں کے سرمایۂ افتخار، زاہدوں کے لیے باعثِ سند، علماء کے استاد، اولیاء کے پیر، اصفیاء کے امام، امیر المؤمنین علی المرتضیٰؓ۔

"فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ"

(اللہ تعالیٰ، جبرئیل اور صالح مومن ان کے مددگار ہیں۔)

صوفی کو چاہیے کہ امیر کبیر (حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ) کی طرح خالصتہً اللہ کے لیے اور حضرت رسول اکرمؐ کی رفاقت کی غرض سے جہاد کرے اور ہوائے نفس اور شیاطین کے لشکر کو ہزیمت دے جن کے وصف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

"مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا، سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ، ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ"[2]

---

[1] قرآن مجید: ۲۷/اَلنَّجْم، ۱۷
[2] قرآن مجید ۲۶/اَلْفَتْح، ۲۹

(محمد اللہ کے رسول ہیں۔ وہ کافروں کے لیے سخت مگر آپس میں نرم ہیں۔ وہ رکوع و سجود بجالاتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل اور اس کی رضامندی چاہتے ہیں۔ سجدہ کرنے کے باعث ان کی پیشانیوں پر نشان ہیں۔ ان کی مثال توریت میں بھی ہے اور انجیل میں بھی)

"اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ" محمدؐ اور اُن کی آل اور ان کے اصحاب پاک پر رحمت بھیج اپنی مہربانی سے۔ اے سب سے رحم کرنے والے!)

جستجو اور کشائش

اس کے بعد یہ بے اندوہ فقیر (داراشکوہ) عرض کرتا ہے کہ میں نے ہمیشہ جب سے بادشاہِ مطلق اور صاحبِ یگانہ کے حضور دُعا کی ہے کہ مجھے اپنے دوستوں اور دوستداروں میں شامل کرلے، اپنے جامِ معرفت سے ایک جُرعہ مجھے پلادے، اور میرے دل کی مُراد پوری کرکے غیراللہ سے رہائی دلادے، میرا دل ہمیشہ درویشوں کا فریفتہ رہا اور انھیں کی جستجو میں وقت بسر کیا، اس آیۂ کریمہ کے بموجب:

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ[1]

(مجھے پکارو میں تمھاری درخواست قبول کرونگا)

چونکہ اللہ تعالیٰ کا فضل ملک و ملکوت کے شاملِ حال ہے۔ وہ سوالیوں کے سوال سُننے والا اور طالبوں کو قُرب بخشنے والا ہے۔ اس نے اس عاجز کی التجا قبول کی۔ ۲۵ سال کی عمر میں بروز پنجشنبہ مَیں سورہا تھا کہ ہاتفِ غیب کی صدا آئی اور چار بار اس کی تکرار ہوئی کہ "جو بات روئے زمین کے بادشاہوں کو میسّر نہیں آئی، وہ خداوند تعالیٰ نے تمھیں عطا کی۔"

---

[1] قرآن مجید: ۴۰/۲۴/ اَلْمُؤْمِنْ، ۶۰

خواب سے بیدار ہوا تو میں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ سعادت البتہ عرفانِ الٰہی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے یہ دولت بخشی ہے۔

عطائے محبّت سب عطاؤں سے بہتر ہے جو بے مثل، بے بہا، کمیاب اور نادر ہے، یہ نعمت اس کے رحم اور بے نہایت عنایت کا ثمرہ ہے

اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ[1] ط

(تحقیق وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے)

اس دولت کا میں ہمیشہ سے طالب تھا، یہاں تک کہ مجھے ۱۰۴۹ھ میں بیس سال کی عمر میں ماہ ذی الحجہ کی ۱۲ تاریخ ایک حبیبِ خدا کی صحبت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہُوا، جو مجھ پر ایسے مہربان ہوئے کہ جو بات دوسروں کو مہینے بھر میں حاصل ہو سکتی تھی، وہ مجھے پہلی رات میں نصیب ہو گئی اور جو بات کسی کو سال بھر میں میسّر آتی تھی، وہ مجھے ایک ماہ میں میسّر آ گئی اور جو بات کسی طالب کو سالہا سال کی ریاضت و مجاہدہ میں حاصل ہوتی تھی، وہ مجھے بغیر ریاضت کے مل گئی۔ اس وقت دونوں جہانوں کی محبت یکبارگی میرے دل سے نکل گئی اور فضل و رحمت کے دروازے مجھ پر کھل گئے۔ جو میں چاہتا تھا وہ مجھے مل گیا۔ اس وقت اگرچہ میں اہلِ ظاہر سے تعلّق رکھتا ہُوں لیکن درحقیقت میں اہلِ ظاہر میں سے نہیں بلکہ میں نے اہلِ ظاہر کی بے خبری اور آفت کو سمجھ لیا ہے۔ اگرچہ میں درویشوں سے دُور ہوں لیکن میں انھیں میں سے ہوں صاحبِ "کشف المحجوب" (حضرت علی ہجویری داتا گنج بخشؒ) فرماتے ہیں:

"آدمی مال و دولت کی زیادتی کی وجہ سے دنیادار نہیں ہوتا اور مال و متاع کی کمی کی وجہ سے وہ فقیر نہیں ہوتا جو شخص فقر کو افضل سمجھتا ہے، غنا اسے دنیادار نہیں ہونے دیتا، خواہ وہ

---

[1] قرآن مجید: ۳/ آلِ عمران، ۸۹

بادشاہ ہی ہو۔ جو شخص فقر کا منکر ہے وہ دنیادار ہوتا ہے، خواہ وہ مفلس ہی کیوں نہ ہو۔"

"ظَلَمَ مَنْ سَمّٰى ابْنَ آدَمَ اَمِيْرًا وَقَدْ سَمَّاهُ رَبُّهُ فَقِيْرًا"

(ابنِ آدم نے زیادتی کی جس نے اپنا نام امیر رکھا خواہ وہ امیر ہی ہو تو بھی فقیر ہے)

جو شخص یہ کہتا ہے کہ وہ اسیرِ (ذات) نہیں، وہ ہلاک ہوتا ہے، خواہ اس کی جگہ تخت پر ہی کیوں نہ ہو۔ اب جو میں کہتا ہوں وہ میرے دل کی بات ہے۔

سکینۃ الاولیا لکھنے کی تحریک

اب مجھے ایسے گروہ کے علاوہ کسی اور کی بات اچھی نہیں لگتی۔ میرے دل میں اللہ تعالٰی کی برکت سے کشائش پیدا ہوئی اور میرے سینے پر عبارات واشارات نے ہجوم کیا اور طرح طرح کے ذوق میسر آئے۔ اس لیے میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں اپنے مشائخ کے طریقے اور ان کے اشغال واوضاع کے متعلق ایک کتاب تالیف کروں۔ اس میں شک نہیں، کہ اشغال کے بھیدوں کا دل ہی میں رہنا مناسب ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ ذوق ولذّت کی وجہ سے زبان بیان کی تاب بھی نہیں لاسکتی۔

شعر

من چہ گویم یک رگم ہشیار نیست　　ذکر آں یارے کہ اورا یار نیست

(میری تو رگ رگ مست ومدہوش ہے میں اس یار کے متعلق کیا کہوں جس کا کوئی ثانی نہیں)

بہرحال اس عالی مرتبہ گروہ کے احوال وخوارق اور مشائخ متقدمین کے ساتھ ان کی نسبت، جو میرے مشاہدے میں آئی، یا سلسلے کے عزیزوں سے میں نے سنی، اسے میں بے کم وکاست احاطۂ تحریر میں لے آیا اور اسے "سکینۃ الاولیاء" کے نام سے موسوم کیا تاکہ اولیاء اللہ پر اعتقاد رکھنے والوں اور مخلصوں کے لیے یہ کتاب بھی یادگار رہ جائے اور معلوم

ہوسکے کہ کوئی زمانہ بھی عالی مرتبہ گروہ سے خالی نہیں رہا اور اس قسم کی برگزیدہ ہستیاں موجودہ زمانے (۱۰۵۲ھ) میں بھی موجود تھیں اور ہیں۔

تمہید

پیرِ طریقت کی ضرورت

واضح رہے کہ انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام کے سوا شیخ کے واسطے کے بغیر کوئی شخص بظاہر یا بباطن اَللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی بارگاہ میں رسائی نہیں پا سکتا نہ وہ خود بینی کی گمراہی سے خلاصی حاصل کرسکتا ہے۔ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے :

"اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ

(شیخ اپنے مُریدوں میں اس طرح ہوتا ہے جس طرح کہ نبیؐ اپنی اُمّت میں)

جس طرح عِلمِ ظاہر سیکھنے کے لیے معلّم کا ہونا ضروری ہے اسی طرح عِلمِ باطن جاننے کے لیے بھی کسی معلّم کا ہونا لازمی ہے کیونکہ عِلمِ باطن دل کی راہ سے دل میں پہنچتا ہے، زبان یا کتاب کے ذریعے نہیں پہنچتا۔

شعر

سرِّ حق از کتاب نتوان یافت   لَیْسَ تِلْكَ الرُّمُوْزُ فِی الْاَوْرَاقِ

(حق تعالیٰ کا بھید کتابوں میں نہیں ملتا کیونکہ اسرار و رموز کتابوں کے اوراق سے بالا ہیں)

جب یہ تحقیق ہوگیا کہ شیخ کے واسطے کے بغیر حضرت جلّ وعلا کی بارگاہ میں شرفِ حُضوری حاصل نہیں ہوسکتا تو ضروری ہے کہ تم اس کی جستجو کرو۔ پہلے تو شیخ کی ایسی طلب ہونی چاہیے کہ جب تک اسے پا نہ لے، چین سے نہ بیٹھے۔ طلبِ الٰہی کا یہ پہلا قدم ہے۔

بعض نادان لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں اولیاء موجود نہیں اور کوئی رہبر بھی نہیں کہ طالب کو منزل پر پہنچا دے۔ ہاں البتہ گزشتہ زمانے میں ایسے رہبر ہوا کرتے تھے۔ ایسی بات کہنا محض غلطی اور طلب کی خامی کی دلیل ہے۔ رہبر موجود ہیں، البتہ بعض پوشیدہ ہیں اور بعض آشکار۔ جو کوئی جستجو کرے گا اسے وہ ظاہر میں بھی مل جائیں گے اور باطن میں بھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"اَوْلِيَائِیْ تَحْتَ قَبَائِیْ لَا يَعْرِفُهُمْ غَيْرِیْ اِلَّا اَوْلِيَائِیْ"

(میرے اولیاء میری قبا میں پوشیدہ ہیں کوئی انھیں میرے سوائے نہیں پہچانتا، ہاں مگر میری توفیق سے)

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے فرمایا ہے۔ کہ اُمت کبھی ایسے گروہ سے، جو نیکی پر ہوں خالی نہیں ہوتی۔ نیز یہ کہ ہمیشہ میری امت کے چالیس ہزار افراد ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کی خصلت کے ہوں گے۔

حضرت پیر علی ہجویری قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ "کشف المحجوب" میں فرماتے ہیں:

خُداوند تعالیٰ رُوئے زمین کو بلا سبب قائم نہیں رکھتا پس وہ ہرگز اس امّت کو بھی بغیر ولی کے نہیں رکھتا۔"

اولیاء اللہ ایسے بھی ہیں جنھیں اس نے اپنی دوستی اور ولایت سے مخصوص کیا ہے، انھیں طبعی آفات سے پاک کر دیا ہے اور نفس کی پیروی سے بھی نجات دلا دی ہے، اس لیے کہ اللہ کے سوائے وہ کسی کی اطاعت نہیں کرتے اور اس کے علاوہ وہ اور کسی سے اُنس نہیں رکھتے۔

گزشتہ زمانے میں ہم سے پہلے بھی ایسے بزرگ ہوئے ہیں اور اب بھی ہیں اور بعد میں قیامت تک آتے رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمّت کو تمام اُمتوں پر شرف بخشا ہے۔ اور ذمہ لیا ہے کہ میں شریعت محمدیؐ کا محافظ ہوں جس طرح عالموں کے پاس علمی بُرہان اور

عقلی دلائل ہیں، اسی طرح اولیاء اور خاصانِ خدا کے پاس باطنی دلیلیں ہیں۔ انھیں حق تعالےٰ نے دنیا کا والی بنایا ہے تاکہ ان کے عمل کی برکت سے آسمان سے زمین پر بارش برسے اور ان کی صفائیٔ احوال سے زمین سے نباتات اُگے اور نہیں کی دعا سے مسلمان کافروں پر فتح پائیں۔ ایسے لوگوں کی تعداد چار ہزار ہے۔ وہ پوشیدہ ہیں۔ اور ایک دوسرے کو پہچانتے بھی نہیں۔ یہاں تک کہ خود اپنے حال کی خوبی سے بھی واقف نہیں، وہ تمام حالات میں خود اپنے آپ سے اور مخلوق سے چھپے رہتے ہیں۔ اس کی تصدیق و تائید احادیث اور اولیاء کے اقوال سے ہوتی ہے۔

اہل اللہ کے گروہ

جن برگزیدہ لوگوں کو اہتمام و انتظام سونپا گیا ہے، نیز وہ بارگاہِ الٰہی کے سپاہی ہیں، ان کی تعداد تین سو ہے، "انھیں" اخیار" کہتے ہیں۔ انھیں میں چالیس "ابدال"، سات " ابرار " چار " اوتاد" اور تین " نُقَبَاء" ہیں۔ ایک کو غوث و قطب کا درجہ حاصل ہے۔ یہ سب ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہیں اور بعض امور میں وہ ایک دوسرے کی اجازت کے محتاج ہیں۔ اس بارے میں حدیثیں بھی ہیں، ان کی صحت پر اہلِ سنّت متفق ہیں۔

شیخ روزبہان بقلی رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ "وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا"[1] کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں: اہل اللہ کے گروہ بارہ ہیں۔ ان میں سب سے افضل موحدین ان کے علاوہ عارف، عاشق، سابق، محب، موقن (یقین والے) مکاشف (کشف والے) مشاہد، سالک، صادق، راضی بہ رضا اور مُرید ہیں۔

ان گروہوں کے متعلق لکھتے ہیں: یہ بارہ چشمے ہیں جن سے شربتِ ازلی حاصل ہوتا ہے۔ موحدوں کا چشمہ توحید، عارفوں کا چشمہ عبودیت اور اطمینان، عاشقوں کا چشمہ اخلاص،

---

[1] قرآن مجید: ۹ اَلْاَعْرَاف، ۱۶۰

سابقوں کا چشمہ صدق، محبوں کا چشمہ تواضع، مُوقنوں کا چشمہ تسلیم و رضا، مُکاشفوں کا چشمہ تسکین و وقار، مشاہدوں کا چشمہ سخا و اعتماد، سالکوں کا چشمہ یقین، صادقوں کا چشمہ عقل، رضیوں کا چشمہ محبّت اور مریدوں کا چشمہ اُنس و خلوت ہے۔ اور انھیں بارہ چشموں کا اشارہ اس آیت کریمہ میں آیا ہے۔

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ[1]

(بس (مارنے کی دیر تھی) فوراً اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے چنانچہ ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا موقع معلوم کرلیا)

بحرِ توحید کے محقّق عارف، اہلِ یقین کے رہبر شیخ محی الدین قدّس سرّہٗ فرماتے ہیں: سات برگزیدہ انسانوں کو "ابدال" کہتے ہیں۔ حق سبحانہٗ تعالٰے نے رُوئے زمین کو سات اقلیموں میں منقسم کیا اور اپنے بندوں میں سے سات برگزیدہ افراد کو چنا اور انھیں "ابدال" کا نام دیا۔ ان میں سے ہر فرد، ایک اقلیم پر نظر رکھتا ہے۔ مجھے ان کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے۔

خراسان کے اکابر میں سے ایک نے کہا کہ شیخ حرم نجم الدین اصفہانی نے مجھ سے پوچھا کیا یہ حدیث تم تک پہنچی ہے؟:

"بُدَلَاءُ أُمَّتِي أَرْبَعُونَ اِثْنَا عَشَرَ فِي الْعِرَاقِ وَثَمَانِيَةٌ وَعِشْرُونَ فِي الشَّامِ"

(میری امّت کے ابدال چالیس ہیں جن میں سے بارہ عراق میں ہیں اور اٹھائیس شام میں)

میں نے عرض کی جی! یہ حدیث مجھ تک پہنچی ہے لیکن میرے لیے یہ سمجھنا مشکل ہے۔ کہ یہ سب کے سب شام اور عراق ہی میں کس طرح ہو سکتے ہیں؟ شیخ نے فرمایا کہ حضرت رسالت پناہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے تمام کائنات کو دو حصّوں میں منقسم کیا ہے نصف حصّہ شرقی ہے اور نصف غربی۔ عراق سے مراد نصفِ شرقی حصّہ ہے اور شام سے مراد نصفِ غربی۔ حصّۂ شرقی

---

[1] قرآن مجید: البقرہ، ۶۰

میں عراق، خراسان، ہندوستان، ترکستان اور تمام مشرقی علاقے شامل ہیں اور نصف حصۂ غربی میں شام، مصر اور مغربی ممالک شامل ہیں۔

صاحبِ فصل الخطاب رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ اور دُوسرے مشائخ قَدَّسَ اللہُ اَسْرَارَھُمْ نے اس گروہ کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے اور میں خدا کا شکر بجالاتا ہوں کہ اس متبرک عالی مرتبہ گروہ کی بزرگی اور ان کے مقامات مجھ پر واضح اور ظاہر ہوئے ہیں۔ ان کے متعلق میرے دل میں کوئی شک یا اندیشہ نہیں۔ ان کو میں ہر چیز سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں اور ان کی خدمت کو دونوں جہانوں کی سعادت سمجھتا ہوں۔ میرے نزدیک ان کی صحبت جیسی اور کوئی چیز نہیں :

ہر جا کہ بُوَد شیخے دیوانۂ او باشم　　ہر جا کہ بود شمعے پروانۂ او باشم

(جہاں کوئی بزرگ ہے میں اس کا شیدا ہوں جہاں کوئی شمع ہے میں اس کا پروانہ ہوں)

یہ بات مجھ پر واضح ہے کہ اس گروہِ عالیہ کے بغیر دنیا کے باقی گروہوں کو آفتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے لیکن وہ اپنی آفتوں سے باخبر نہیں ہوتے،

اَعُوْذُ بِاللہِ مِنَ الْغَفْلَۃِ

(میں اللہ سے غفلت کی پناہ مانگتا ہوں)

لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ اولیا محض رنج اٹھاتے اور محنتیں جھیلتے ہیں لیکن دراصل ایسا نہیں۔ انھیں ایسی راحتیں، لذتیں اور اطمینان میسر ہیں کہ تمام دنیاوی لذتیں ان کی ایک لذت اور خوش وقتی کے برابر بھی نہیں۔

ایک شخص ابراہیم خواص قُدِّسَ سِرُّہٗ کو کسی نے جنگل میں دیکھا کہ چوکڑی مارے اطمینان سے بیٹھا ہے اس نے پوچھا : "اے ابراہیم! یہاں کیسے بیٹھے ہو؟" آپ نے کہا : "بیکار انسان! جا اپنی راہ لے اگر بادشاہ یہ جان لیں کہ میں یہاں کس حال میں ہوں تو مارے حسد کے تلوار لے کر میرے سر پر

آجائیں۔"

ابراہیم ادہمؒ جس وقت سرخوشی کے عالم میں ہوتے اور وجد کی کیفیت طاری ہوتی تو کہتے: "روئے زمین کے بادشاہ اگر مجھے دیکھ لیں تو حسد کرنے لگیں اور اگر میں انھیں اپنی کیفیت بتا دوں تو وہ اپنی حکومت اور اپنے کاموں سے بیزار ہو جائیں اور ان سے دست بردار ہو جائیں۔"

اور وہ لوگ جو ریاضت کو محض رنج اور محنت کہتے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ محبوب کی خدمت کرنا رنج و محنت نہیں۔ بلکہ عاشق کے لیے یہ خدمت عین راحت ہے۔ اس کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ دنیا میں افضل ترین گروہ درویشوں کا ہے یا بادشاہوں کا۔ لیکن اکثر بادشاہوں نے بھی اپنا کام چھوڑ کر درویشی کو اپنا مسلک بنانا چاہا اور اس گروہ میں شامل بھی ہوئے لیکن وہ لوگ جو بے توفیقی کی وجہ سے اس گروہ میں داخل نہیں ہوئے وہ اس کی حسرت میں کفِ افسوس ملتے ہیں۔ ان کے برعکس کسی درویش نے کبھی حکومت کی خواہش نہیں کی، نہ سلطنت کو قبول کیا۔ میں خداوند تعالیٰ سے یہ استدعا کرتا ہوں کہ اگر میں جیوں تو ان کی صحبت میں رہوں اور اگر مروں تو انھیں کے ساتھ رہوں۔ جو شخص انھیں پالیتا ہے وہ اپنے خدا کو پالیتا ہے اور جو ان کا احترام کرتا ہے وہ اپنے خدا کا احترام کرتا ہے۔ امید ہے کہ تمام مرید بلکہ اہلِ عالم ان کی خدمت کرنے کو اپنی سعادت سمجھیں گے۔

وَالتَّوْفِیْقُ مِنَ اللّٰہِ

(توفیق اللہ کی طرف سے ہے)

باب دوم

تمام سلسلوں پر سلسلۂ قادریہ کی فضیلت کا بیان

حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے روایت ہے کہ میں نے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا:

سَأَلْتُ رَبِّیْ عَنِ اخْتِلَافِ أَصْحَابِیْ مِنْ بَعْدِیْ فَأُوْحِیَ إِلَیَّ یَا مُحَمَّدُ إِنَّ أَصْحَابَکَ عِنْدِیْ بِمَنْزِلَةِ النُّجُوْمِ فِی السَّمَاءِ بَعْضُهَا أَقْوٰی مِنْ بَعْضٍ وَلِکُلٍّ نُوْرٌ فَمَنْ أَخَذَ بِشَیْءٍ مِمَّا عَلَیْهِ مِنْ اخْتِلَافٍ فَهُوَ عِنْدِیْ عَلٰی هُدًی"

نیز یہ فرمایا:

"أَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِأَیِّهِمْ اقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ"

(یعنی میں نے اپنے پروردگار سے اس اختلاف کے متعلق، جو میرے اصحاب بعد میں کریں گے سوال کیا پس مجھ پر وحی نازل ہوئی کہ یا محمدؐ! یہ درست ہے کہ آپ کے اصحاب آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں بعض ان میں سے دوسروں سے قوی تر ہیں سب کو نور حاصل ہے۔ اختلاف کے بارے میں جس بات پر اصحاب ہیں اس کو مان لینے والا میرے نزدیک راہِ راست پر ہے)

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے کہا کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کسی کی پیروی کرو گے، راہِ راست پاؤ گے۔ پس یہ بات واضح رہے کہ اہلِ مذہب، پیروانِ طریقت، طالبانِ حقیقت مشائخ و کبار اور اولیائے نامدار قَدَّسَ اللہُ أَسْرَارَهُمْ بہت سے ایسے ہیں جن کی بدولت ان کے سلسلے انتہا کو پہنچے ہیں

ہر سلسلے کے پیرو اس سلسلے کے شیخ سے منسوب ہیں۔ ہر سلسلے کا اپنا الگ نام ہے۔ مشائخ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے فرمایا ہے:

"اَلطُّرُقُ اِلَی اللّٰهِ بِعَدَدِ اَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ"

(اللہ تعالیٰ کی طرف اتنی راہیں ہیں جتنی تعداد مخلوقات کے انفاس کی ہے)

اولیائے کرام کے سلسلے

یوں تو اولیائے کرام کے سلسلے بہت سے ہیں لیکن ان میں سے بعض مشہور سلسلوں کو میں احاطۂ تحریر میں لا رہا ہوں۔ جو لوگ حضرت سید الطائفہ، رئیس العلماء، مقتدائے اولیاء، استادِ عارفاں، پیرِ واصلاں، شیخ جُنید قَدَّسَ اللّٰهُ سِرَّهٗ سے نسبت رکھتے ہیں ان کو "جُنیدیہ" کہتے ہیں۔ خواجہ عبدالواحد زیدؒ سے نسبت رکھنے والوں کو "زیدیہ" اور "واحدیہ" بھی کہتے ہیں۔ شیخ ابوالحسین نوری رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْه کے پیروؤں کو "نوریہ"، حضرت بایزید بسطامی قَدَّسَ اللّٰهُ سِرَّهٗ کے مریدوں کو "طیفوریہ"، حضرت سلطان ابراہیم ادھم قَدَّسَ اللّٰهُ سِرَّهٗ کے پیروؤں کو "ادھمیہ" حضرت حارث بن اسد محاسبی کے پیروؤں کو "محاسبیہ"، حضرت سہل بن عبداللہ تستری کے پیروؤں کو "سہلیہ"، حضرت حمدون قصار قَدَّسَ اللّٰهُ سِرَّهٗ کے پیروؤں کو "قصاریہ"، محمد بن علی حکیم ترمذیؒ کے پیروؤں کو "حکیمیہ"، حضرت ابوسعید خراز قَدَّسَ اللّٰهُ سِرَّهٗ کے پیروؤں کو "خرازیہ" حضرت شیخ ابوعبداللہ خفیفؒ کے پیروؤں کو "خفیفیہ" اور حضرت شیخ ابوالعباس قَدَّسَ اللّٰهُ سِرَّهٗ سیاری کے پیروؤں کو "سیاریہ" کہتے ہیں۔ یہ سب متقدمین و محققین مقبولِ بارگاہ الٰہی ہیں اور اکثر عالی مقام مشائخ نے ان سے اپنی نسبت ظاہر کی ہے۔ اگرچہ اور متقدمین مشائخ میں سے بھی بعض صاحبِ سلوک ہوئے ہیں لیکن جس قدر مشائخ کا اوپر ذکر آیا ہے، مستند کتابوں میں انھیں کے نام مذکور رہیں۔

سلسلۂ عالیۂ قادریہ

آج کل جو سلسلے مشہور ہیں اور مشائخ متاخّرین کی ان سے نسبت ہے، ان میں سلسلۂ عالیہ قادریہ ہے۔ اس سلسلے کی نسبت استادِ عارفاں شیخِ واصلاں، پیشوائے اولیاء، مقتدائے اتقیاء سلطانِ طریقت، برہانِ شریعت، بحرِ حقیقت، گنجِ معرفت، اہل اللہ کے ہادی، "قَدَمِیْ ھٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ" فرمانے والے، بادشاہِ مشائخ، امام الائمہ، خلف سید الانام، شیخ الاسلام قطبِ ربانی، مقبولِ صمدانی. غوث الثقلین، ابو محمد حضرت شاہ محی الدین سید عبد القادر جیلانی الحسنی الحسینی الحنبلی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے ہے۔ اس مقدس سلسلے کے پیروؤں کو "قادریہ" کہتے ہیں۔

سلسلۂ شریفۂ چشتیہ

دوسرا سلسلۂ شریفہ "چشتیہ" کے نام سے منسوب ہے جو اہلِ ہند کے مقتداء، شیخِ طریقت، رموزِ حقیقت سے آگاہ، حضرت معین الدین چشتی قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ سے نسبت رکھتا ہے۔ اس سلسلے کے مریدوں کو "چشتی" کہتے ہیں۔

سلسلۂ معظّمۂ نقشبندیہ

تیسرا سلسلۂ معظّمہ "نقشبندیہ" ہے جس کی نسبت استادِ انام، زین الاسلام، داعیٔ عصر، یگانۂ دہر، شاہِ محققان، حضرت بہاء الدین نقشبند قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ سے ہے اس سلسلے کے پیرو "نقشبندی" کہلاتے ہیں۔

سلسلۂ مکرّمۂ سہروردیہ

چوتھا سلسلۂ مکرّمہ "سہروردیہ" ہے۔ یہ سلسلہ شیخ المشائخ، مالکِ قلوب، عیبوں کو مٹانے والے، برگزیدۂ عالم، استادِ عارفاں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔ اس سلسلے کے مریدوں کو "سہروردی" کہتے ہیں۔

سلسلۂ کبرویہ

پانچواں سلسلہ "کبرویہ" ہے۔ اس کی نسبت آفتابِ سعادت، نیرِ ہدایت، رئیس الاولیاءُ مقتدائے اہلِ صفا حضرت نجم الدین کبریٰ قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ سے ہے۔ اس سلسلے کے پیروؤں کو "کبروی" کہتے ہیں اور چونکہ حضرت غوث الثقلین رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے متاخرین مشائخ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند، حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی اور حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ قَدَّسَ اللّٰہُ اَسْرَارَھُمْ بہت مشہور و معروف ہیں اس لیے یہ سلسلے انھیں کے نام نامی سے منسوب ہوئے لیکن دیکھا جائے تو دراصل قادری جنیدی ہیں، چشتی ادھمی ہیں نقشبندی طیفوری ہیں اور جنیدیوں سے بھی نسبت رکھتے ہیں۔ سہروردی خفیفیہ ہیں اور جنیدیوں سے بھی نسبت رکھتے ہیں۔

ان نسبتوں کی تحقیق کتاب "سفینۃ الاولیاء" میں تفصیل سے درج کی گئی ہے۔ جن بزرگوں کا اوپر ذکر ہوا، وہ تمام مسلمانوں کے نزدیک مقبول ہیں۔ عوام و خواص میں سے کوئی بھی ایسا نہیں، جس کو کسی نہ کسی سلسلے سے ارادت نہ ہو۔ نیز دنیا کے بڑے بڑے گردن کشوں کو بھی ان کی خدمت، حلقہ بگوشی اور مریدی کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ عصرِ حاضر کے جملہ مشائخ بھی ان سلسلوں سے باہر نہیں۔ ان مذکورہ سلسلوں کے معتقد ارسب کے سب کامل، عارف، واصل، راہِ راست کے نمائندگان اور اعلیٰ مقصد کو پہنچانے والے ہیں لیکن یہ واضح ہے کہ حق سُبْحَانَہٗ وَتَعَالیٰ نے انبیاء اور اولیاء میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے جیسا کہ کلامِ مجید میں ارشاد ہوا ہے :

فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۘ (بعضوں کو بعض پر فوقیت بخشی)

نیز یہ بھی ارشاد ہوا ہے :

لہ قرآن کریم : ۲/البقرۃ، ۲۵۳

اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ[1]

(فضل اللہ کے ہاتھ ہے، جسے چاہتا ہے دیتا ہے)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی فضیلت

جس شخص کو بلند مرتبہ استاد نصیب ہوگا اور جس پر سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی شفقت کی نظر اور عنایت و تربیت کی نسبت زیادہ ہوگی وہ بہتر اور بزرگ تر ہوگا اور جو سب سے بہتر اور بزرگ ہیں، وہ سلسلۂ عالیۂ قادریہ کے مشائخ رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی ہیں۔ حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ نے اس سلسلے کے شیخ اور استاد، غوث الثقلین، شاہ محی الدین عبدالقادر جیلانی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کو فضیلت بخشی اور یہ کہنے پر مامور فرمایا۔

"قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہ"

(میرا یہ قدم سب اولیا کی گردن پر ہے)

حق تعالیٰ نے حضرت شیخ کے دل پر اپنی تجلی ظاہر کی اور حضرت سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ملائکۂ مقربین اور اولیائے متقدمین (جو زندہ تھے وہ جسمانی لحاظ سے، اور جو فوت ہو چکے تھے وہ روحانی لحاظ سے موجود تھے) کی مجلس میں اپنے دستِ مبارک سے حضرت محبوبِ سُبحانی کو خلعت پہنائی۔ فرشتے حالتِ غیب میں اس مجلس کے گرداگرد جمع تھے۔ کوئی ولی روئے زمین پر ایسا نہیں تھا جس نے گردنِ تسلیم خم نہ کی ہو۔

عارفِ ربانی، جنیدِ ثانی، پیرِ دستگیر، حضرت شیخ میر (میاں میر) فرماتے تھے کہ "قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہ" سے مراد یہ ہے کہ میرا طریقہ سب طریقوں سے بالاتر ہے اور قدم سے قدیم طریقہ مراد ہے اور جملہ اولیاء اللہ نے جو گردنِ تسلیم خم کی اس سے یہ مراد ہے کہ انھوں نے

---

[1] قرآن کریم: آل عمران ۳،

حضرت کی بالاتری کو قبول کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی انتہائی مہربانی ہے :

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ[۱]

(یہ فضلِ الٰہی ہے، جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحبِ فضلِ عظیم ہے)

حضرت شیخ (ملا شاہ بدخشیؒ) نے اسی مضمون سے متعلق یہ رباعی فرمائی ہے :

آن کیست کہ در راہِ ولایت شاہست   شاہِ ہمہ اولیائے آن درگاہ است

اللہ و رسولؐ غوث گفتش قَدَمَاكَ   قَوْلُ رَقَبَ كُلِّ وَلِيِّ اللّٰه است

(وہ کون ہے جو ولایت کے طریقے کا بادشاہ ہے اور اس درگاہ کے تمام اولیاء کا سردار ہے خدا اور رسولؐ نے انھیں غوث کہا ہے)

حضرت غوث اعظم رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ کی فضیلت اس سے کہیں زیادہ ہے کہ اس مختصر بیان میں سما سکے۔ اس سے پہلے جو میں نے کتاب (سفینۃ الاولیاء) لکھی ہے اس میں اس کی قدرے تفصیل درج کی ہے۔ امام عبداللہ یافعی اور متقدمین کی کتابوں میں تو اس کی اور بھی زیادہ تفصیل دی گئی ہے۔

شیخ جمال العارفین ابوالوفاء رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فرماتے ہیں : میں نے حضرت خضر عَلَيْهِ السَّلَام سے غوث الثقلین کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا : حق تعالیٰ سُبْحَانَهٗ نے کسی ولی کو ایسے برتر مقام پر نہیں پہنچایا، جہاں شیخ عبدالقادر کو پہنچایا اور کسی کو اپنی محبت کا ایسا خوشگوار جام مرحمت نہیں کیا، جیسا کہ انھیں عنایت کیا۔" شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فردِ یگانہ، غوثِ اعظم اور زمانے بھر کے قطب اولیاء ہیں۔

شیخ ابوالوفاء نے فرمایا : "مجھے میرے معبود کی قسم ! میں شیخ عبدالقادر کے سر پر

---

[۱] قرآن کریم : ۲۷/الحدید، ۲۱

ایسا نُور دیکھتا ہوں، جس کی شعاعیں مشرق سے جنوب تک پھیلی ہوئی ہیں اور حضرت غوث الثقلین کی طرف منہ کرکے فرمایا: اے شیخ عبدالقادر! آج ہمارا وقت ہے اور قریب ہی اب آپ کا وقت شروع ہوگا۔ ہر ایک کا طوطی بولتا ہے اور خاموش ہوجاتا ہے لیکن آپ کا طوطی قیامت تک بولتا رہے گا۔"

بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اس عجمی جوان کا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہوگا۔ ایک سو سال پہلے ہی بعض اولیائے کرام مثلاً شیخ ابوبکر، بایزید بسطامی اور شیخ ابومحمد شنبکی وغیرہم نے آپ کی شرافتِ وجود کی خبر دی تھی چنانچہ شیخ ابوبکر نے فرمایا کہ عراق کے اوتاد سات ہیں۔

معروف کرخی، امام حنبل، بشر حافی، جنید بغدادی، سہل بن عبداللہ تستری منصور عمّاد اور شیخ عبدالقادر جیلانی۔

جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ شیخ عبدالقادر کون بزرگ ہیں؟ تو فرمایا: "یہ ایک عجمی ہیں اور بغداد میں ہونگے۔ ظہور ان کا پانچویں صدی میں ہوگا۔ ان کا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہوگا۔"

شیخ ابومحمد شنبکی نے فرمایا: "شیخ عبدالقادر ایسے بزرگ ہونگے جن کے اعمال و اقوال کی لوگ پیروی کریں گے اور حق تعالیٰ ان کی برکت سے بہت سی مخلوق کو مراتبِ عالیہ پر فائز کرے گا اس بنا پر ان کے پیرو سابقہ سلسلوں کے مقابلے میں فخر کریں گے۔

عالمِ جوانی میں حضرت غوث الثقلین شیخ حماد دباس کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک دن ان کی مجلس میں ادب و احترام سے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں سے اُٹھ کر باہر نکلے تو شیخ حماد نے فرمایا: اس عجمی کا قدم ایسا ہے کہ اس زمانے میں یہ سب اولیاء کی گردن پر ہوگا۔ بیشک وہ یہ کہنے پر مامور ہونگے:

"قَدَمِی هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ"

اور سب اولیاء اپنی گردنیں خم کر دیں گے۔

شیخ ابوسعید قیلوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: "حضرت شیخ عبدالقادر کی مجلس میں میں نے بارہا پیغمبرِ خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اور دوسرے پیغمبروں صَلَوٰتُ اللّٰہِ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن فرشتوں اور جنّوں کا مشاہدہ کیا ہے۔

شیخ عقیل سنجی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کے رُوبرو کسی نے ذکر کیا کہ ایک عجمی نوجوان شیخ عبدالقادر بغداد میں بہت مشہور ہیں شیخ نے فرمایا: "بیشک! لیکن وہ زمین کی نسبت آسمان میں اور بھی زیادہ مشہور ہیں"۔ متعدد اور مشائخ کے بھی اسی قسم کے اقوال منقول ہوئے ہیں۔

حضرت غوث الثقلین خود فرماتے ہیں: "ہر ولی پیغمبرؑ کے قدم پر ہوتا ہے اور میں اپنے جدِ امجد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے قدم پر ہوں۔ جو قدم میرے جدِ بزرگوار نے اٹھایا، وہاں میں نے اپنا قدم رکھا۔ لیکن نبوّت کے قدم میں مجھے راہ نہ ملی کیونکہ وہاں نبیؑ کے سوا اور کسی کو راہ نہیں ملتی"۔ اس بیان میں آپ نے سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی کمال پیروی اور متابعت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

امام عبداللہ یافعی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: "یمن کے اکثر مشائخ حضرت غوث الثقلین سے اپنی نسبت بیان کرتے ہیں"۔ صاحبِ "معجم البُلدان" لکھتے ہیں کہ حضرت غوث الثقلین اہلِ بغداد کے عوام و خواص کو عبادت اور پرہیزگاری کے طریقے سکھایا کرتے اور انھیں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ میری تحقیق کے مطابق نقشبندیہ، چشتیہ، سُہروردیہ اور کبرویہ کے تمام مشائخ کو حضرت پیر دستگیر غوث الثقلین سے بہرہ وافر ملا ہے اور ہر سلسلے کے اکابرین سے کسی نہ کسی کو غوثِ اعظم کی صحبت میسر آئی ہے چنانچہ سلسلۂ چشتیہ کے حضرت خواجہ معین الدین چشتی قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ

بغداد تشریف لے گئے اور حضرت غوث الثقلین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے حضرت خواجہ کو حُجرے میں جگہ دی اور ان پر توجہ فرمائی۔ یہ بیان کتبِ چشتیہ میں مذکور ہے۔

خواجگان کے سلسلے کے ایک بزرگ خواجہ یوسف ہمدانی، جو سردارِ سلسلہ ہیں، بغداد آکر اکثر آپ کی صحبت میں وقت گزارتے تھے۔ آپ "قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ" فرمانے والے پیر دستگیر کے حاضرینِ مجلس میں سے تھے۔

امام عبد اللہ یافعی نے غوث الثقلین کے خوارق کے راویوں میں خواجہ یوسف کو بھی شمار کیا ہے۔ حضرت غوث الثقلین نے شیخ حماد دباس اور ان کے مریدوں کے قضیے کی تحقیق کے لیے جن دو بزرگوں کو حکَم بنایا تھا، ان میں ایک خواجہ یوسف ہمدانی بھی تھے۔

سلسلہ سُہروردیہ کے شیخ الشیوخ کے چچا حضرت شیخ ابو النّجیب سُہروردی، حضرت شیخ شہاب الدّین عمر سُہروردی کو ساتھ لے کر حضرت غوث الثقلین کی صحبت میں حاضر ہُوا کرتے تھے۔ شیخ ابو النجیب جب کبھی شیخ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے تو اپنے اصحاب سے کہتے کہ وضو کر لو، دلوں پر نظر رکھو اور خبردار رہو کہ میں ایسے شخص کی خدمت میں جا رہا ہوں، جس کا دل خدائے تعالیٰ کی خبر دیتا ہے۔ ایک دن شیخ ابو النّجیب نے غوث الاعظم کی خدمت میں عرض کی۔ کہ یا سیدی! میرا یہ بھتیجا عمر، علمِ کلام میں ایسا مشغول ہے کہ ہر چند میں اسے منع کرتا ہوں لیکن یہ باز نہیں آتا۔ حضرت غوث الاعظم نے فرمایا: "اے عمر! کون سی کتاب تم نے پڑھ لی ہے؟" اس نے عرض کی: "فلاں فلاں کتاب"! آپ نے اپنا دستِ مبارک شیخ شہاب الدّین عمر کے سینے پر رکھا۔ شیخ عمر فرماتے ہیں: "بخدا! یہ سب کتابیں میرے حافظے سے اتر گئیں۔ خدائے تعالیٰ نے علمِ کلام کے تمام مسائل میرے دل سے محو کر دیے اور علمِ لدُنّی سے میرے سینے کو معمُور کر دیا"۔ حضرت غوث الاعظم نے فرمایا "یَا عُمَرُ اَنْتَ آخِرُ الْمَشْهُوْرِیْنَ بِالْعِرَاقِ" (اے عمر! تو عراق میں متاخّرین میں

مشہور ہوگا) شیخ الشیوخ بھی ہمیشہ فرماتے تھے کہ میں نے جو کچھ پایا ہے، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی برکت سے پایا ہے۔

سلسلۂ کبرویہ کے بھی شیخ ابوالنجیب سُہروردی، جن کی حضرت غوث الاعظم سے نسبت اوپر بیان کی گئی ہے، شیخ عمار یاسر کے پیر ہیں اور شیخ عمار، نجم الدین کبریٰ کے پیر ہیں قَدَّسَ اللہُ اَرْوَاحَہُم

پس ان چار سلسلوں کے مشائخ کو حضرت محبوب سبحانی، غوثِ صمدانی کے خوانِ نعمت سے بہرۂ وافر ملا ہے اور مذکورہ سلسلوں کے مشائخ کے لیے یہ امر باعثِ فخر ہے کہ انھیں مشائخ کے دیدار کا رتبۂ بلند اور نسبتِ بزرگ حاصل ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ میں نے فلاں پیر کو دیکھا ہے اور فلاں شیخ کی صحبت سے فیض یاب ہوں۔ یہ نسبت گویا باعثِ افتخار سمجھی جاتی ہے۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں: پیروں کا دیدار کرنا اس گروہ کے فرائض میں داخل ہے۔ کیونکہ پیر کے دیدار سے وہ کچھ حاصل ہو جاتا ہے جو کسی اور ذریعے سے میسر نہیں آسکتا جس شخص نے شیخ کو دیکھا اس نے شیخ کو نہیں بلکہ حق تعالیٰ کو دیکھا، کیونکہ شیخ اصل ہیں وہ خود نہیں۔

امام عبداللہ یافعی فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر کا قول ہے کہ جس مسلمان نے میرا چہرہ دیکھا یا جو مدرسے میں آیا، اسے قبر اور قیامت کے عذاب سے نجات حاصل ہو جائیگی۔

شعر

خوش آنکہ وصالِ تو میسر شدہ باشد چشمی بجمالِ تو منور شدہ باشد

(خوش قسمت ہے وہ جسے تیرا وصال نصیب ہوا اور جس کی آنکھ تیرے جمال سے منور ہوئی)

سلسلۂ متبرکۂ قادریہ کی بنا طریق "صحو"، کثرتِ فتوح اور عدمِ تفرس پر ہے۔ "صحو" سے حصولِ مقصد اور صحبتِ حال مراد ہے۔ حضرت غوث اللہ تین نے وعدہ فرمایا ہے کہ "جو شخص میرے مُریدوں میں ہوگا، اس کے گھوڑے کے پاؤں میں بھی لغزش نہیں ہوگی"۔

بیشک میں قیامت تک اس کی حفاظت کرونگا۔

امید ہے کہ حق تعالیٰ سلسلۂ مبترکۂ قادریہ کے اس کم ترین مُریدکو شیخ کی برکت سے تمام لغزشوں سے محفوظ رکھے گا اور حضرت غوث الاعظم کی بدولت اس کی روحانیت کی تربیت روز بروز اور ساعت بہ ساعت زیادہ ہوگی۔

باب سوم

حضرت میانمیرؒ کے احوال، فضائل اور خوارق

اور ان کے

خلفاء قدّس اللہ اسرارھم ودوام برکاتھم کے حالات

جس طرح حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے سلسلے کو تمام سلسلوں پر فضیلت ہے، اسی طرح ہمارے شیخ کا طریقہ صلاح، تقویٰ، زہد، ورع، ترک، تجرید و تفرید، سیر و سلوک، فتوح و کشایش، اوضاع و افعال، اطوار و اقوال اور اشغال میں دوسرے مشائخ قادریہ سے مستثنیٰ اور ممتاز ہے۔ ہر امر میں ان کے طریقے کی بناء احادیثِ صحیحہ اور کلامِ مجید پر ہے۔ ان سے نسبت رکھنے والے تمام لوگ شریعت، حقیقت اور معرفت سے آراستہ ہیں۔ میں نے عارفِ محقق سیّد قطب سے سنا کہ شیخ (میاں) میرؒ زمانے کے مقتداء اور غوث الثقلین ثانی تھے مجھے خود اپنے شیخ (مُلا شاہ بدخشیؒ) نے فرمایا تھا کہ ہمارے شیخ (حضرت میاں میرؒ) تصوّف میں بحرِ ناپیدا کنار تھے۔ میں جب ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو حقائق و معارف کے ایسے نکات بیان فرماتے کہ کبھی میرے سننے میں نہیں آئے تھے۔

شیخ محمد نے فرمایا کہ ہمارے شیخ کو متعدد دوسرے مشائخ پر فوقیت حاصل ہے۔ میرا اپنا یہ خیال ہے کہ تفرید و تجرید، فنا و ہمّت، استغنا و استغراق، حفاظتِ وقت،

سترِ احوال، توحید و معرفت، دلی کشادگی بخشنے اور مُریدوں پر مہربانی کرنے میں حضرت میانجیو رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ حضرت میاں میرؒ جیسا کوئی اور نہیں۔ ان کے طریقے کو میں نے سیّد الطائفہ امام الائمہ شیخ جنید بغدادی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کے طریقے جیسا اور ان کے اصحاب کو شیخ جنیدؒ بغدادی جیسا پایا کیونکہ مختلف سِلسلوں میں سے جو سِلسلہ سیّد الطائفہ تک نہیں پہنچتا، مشائخ اسے مُعتبر نہیں سمجھتے۔

باوجودیکہ حضرت ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ شہر لاہور میں رہے۔ آپ کی خدمت میں آنے جانے والے کسی عالِم' زاہد یا دنیا دار نے آپ کے طریقے پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔ حق کے وہ طالب جو آپ کی خدمت سے وابستہ رہے، تھوڑی ہی مدّت میں ان کے دلوں کو ایسی کشائش ہوئی کہ کہیں اور مدّتِ مدید میں ریاضت ہائے شاقّہ کے بعد بھی میسّر نہ آسکتی تھی۔ حضرت کی تجرید اس مرتبے کی تھی کہ ایک دن آپ کا خادم میرے لیے ایک عصا لایا اور کہا: "یہ حضرت میانجیوؒ کا ہے۔" میں نے پوچھا کہ حضرت عصا بھی ہاتھ میں لیا کرتے ہیں؟ اس نے کہا "نہیں! البتہ ایک دو مرتبہ۔" ایک دن ایک شخص یہی عصا لے کر حضرت کے پاس آیا اور پیش کیا۔ آپ اسے ہاتھ میں لے کر اُٹھے اور گھر میں تھوڑی ہی دُور چلے تھے کہ عصا کو پھینک دیا۔ اور فرمایا: "جس شخص نے خدا پر بھروسا کیا ہو وہ عصا پر بھروسا کیونکر کرسکتا ہے۔" بعد میں کبھی عصا ہاتھ میں نہ لیا۔

اشعار

پائے استدلالیان چوبین بود | پائے چوبین سخت بے تمکین بود
پائے نابینا عصا باشد، عصا | تا نیفتد سرنگون او در حصا
دامنِ او گیرکُو دادت عصا | در نگر کآدم چہا دید از عصا

(منطقی لوگوں کے پاؤں لکڑی کے ہوتے ہیں یعنی ان کی دلیلیں انھیں سہارا نہیں دے سکتیں۔ وہ بے حقیقت اور بے توقیر ہوتی ہیں۔ نابینا شخص کا پاؤں اس کا عصا ہوتا ہے تاکہ وہ کنکریوں میں سر کے بل نہ گر جائے۔ اس کا دامن تھام لے جس نے تجھے عصا دیا اور اس پر بھی غور کر کہ حضرت آدم کو عطلے (نافرمانی) کی وجہ سے کیا کچھ پیش آیا ؟)

عصا پھینک دینے کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو اس وقت حَقّ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالیٰ کا یہ فرمان یاد آیا ہو :

"اَلْقِهَا يَا مُوْسٰی"[1]

(اے موسیٰ اسے پھینک دے)

یہ اس وقت ارشاد ہوا جب حضرت موسیٰ عَلَیۡہِ السَّلَام نے خدائے تعالیٰ کے حضور یہ عرض کی تھی

"اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِیْ"[2]

(اس پر میں تکیہ لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں پر پتّے جھاڑتا)

حق تعالیٰ کو حضرت موسیٰؑ کا یہ کہنا پسند نہ آیا، کہ یہ میرا عصا ہے اور میں اس پر بھروسا کرتا ہوں کیونکہ غیرِ حق پر بھروسا کرنا روا نہیں۔ نیز صوفیوں کی کوئی ملکیت نہیں ہوتی اور وہ کبھی نہیں کہتے، کہ یہ میرا عصا ہے یا میرا کپڑا ہے۔ لہٰذا عصا پھینک دینے کا حکم ہوا تاکہ اہلِ عالم سمجھ جائیں کہ جو چیز غیر ہے، وہ درحقیقت اژدہا ہے اور اس پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔ اس بات سے مطلع کرنے کے بعد فرمایا کہ جب تم نے جان لیا کہ غیر پر بھروسا نہیں کرنا چاہیئے تو اب عصا لے لو اور ڈرو نہیں۔

---

[1] قرآن کریم ۱۶/ طٰہٰ، ۱۹

[2] قرآن کریم ۱۶/ طٰہٰ، ۱۸

"خُذْهَا وَلَا تَخَفْ" [1]

(اس کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں)

یہ جو حضرت موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام اور جملہ انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام کے لیے حکم ہُوا وہ از رُوئے تعلیم ہوا نہ از رُوئے تعریض۔

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ [2]

(جوتا اتار دو)

یعنی ہر دو عالم کے جُوتے کو عزم و ہمّت کے پاؤں سے الگ کر دو اور ہمارے حضور دونوں جہانوں سے فارغ اور بے تعلّق ہو کر آؤ لیکن ہمارے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو، جن کی ہمّت کی نظر میں ابتدا سے انتہا تک دنیا و ما فیہا ہیچ تھی، جب معراج ہوا، تو ارشاد ہُوا:

"لَا تَخْلَعْ نَعْلَيْكَ"

(اپنا جوتا نہ اُتارو)

آپ جوتے سمیت تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی تعریف میں فرمایا:

"مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى" [3]

(نہ نگاہ ٹیڑھی ہُوئی نہ چُوکی)

شیخ الاسلام نے فرمایا کہ جب تجرید درست ہو جاتی ہے تو صاحبِ تجرید کے نزدیک ملکِ سلیمان بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اور جب تجرید درست نہ ہو تو ہاتھ

---

[1] قرآن مجید: ۱۶/طٰہٰ، ۲۱ [2] قرآن مجید: ۱۶/طٰہٰ، ۱۲ [3] قرآن مجید: ۲۷/النّجم، ۱۷

کے چھونے سے بڑھی ہوئی آستین بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ اس گروہ کے تمام احوال، نکات، اشارات اور ہمّت کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس سلسلۂ عالیہ کے متعلق کہا گیا ہے:

سلسلۂ زلفِ یار، سلسلۂ ما بوَد　　　طالبِ این روی را خوشتر ازین جا بوَد؟

(ہمارا سلسلہ زلفِ یار کا سلسلہ ہے۔ اس چہرے کے طالب کے لیے اور کون سی جگہ اس سے بہتر ہے)

ہر کہ دلِ خویش را بست بایں سلسلہ　　　ہر دم و ہر ساعتش کار بہ بالا بوَد

(جس نے اس سلسلے سے دل لگایا ہر آن اور ہر گھڑی اس کے کام میں ترقی ہوئی)

دست بدست آمدہ، سلسلۂ پیرِ ما　　　تا بہ قیامت ہمیش سلسلہ برپا بوَد

(ہمارے پیر کا یہ سلسلہ ہاتھوں ہاتھ چلا آرہا ہے یہ سلسلہ قیامت تک یونہی چلتا رہے گا)

پیرِ ہمہ اولیاء میر محمّد بعصر　　　از ہمہ افضل بود سلسلہ اش تا بوَد

(اس زمانے میں سب اولیا کے رہبر حضرت میاں میرؒ ہیں۔ جب تک دنیا قائم ہے ان کا یہ سلسلہ سب سے افضل رہے گا)

مظہرِ او شاہِ من بہترِ اہلِ زمان　　　ذاتِ عزیزش یقین، ذاتِ معلّیٰ بوَد

(اس کا مظہر ہمارا شاہ (پیر) ہے جو اہلِ عالم سے بہتر ہے یقیناً اس کی محترم ذات، ذاتِ عالی ہے)

دست درین سلسلہ ہر کہ زند قلبِ او　　　نرم شود ہمچو موم گرچہ چو خارا بوَد

(جو شخص اس سلسلے میں بیعت کرتا ہے اس کا دل خواہ پتھر کی طرح سخت ہی کیوں نہ ہو موم کی طرح نرم ہو جاتا ہے)

سلسلۂ قادریست آنکہ بحکمِ خدای　　　بر ہمہ قادر بوَد تا ہمہ دُنیا بوَد

(قادری سلسلہ ایسا ہے کہ خدا کے حکم سے جب تک دُنیا قائم ہے یہ سب سلسلوں پر فائق رہے گا)

بیان اسم ولقب شریف و مولد و منشا

اسرارِ غیبی کے مخزن، انوارِ لاریبی کے مطلع، ظاہری خوارق اور واضح کرامات ظہور میں لانے والے،

مثنوی

لُجّۂ بحرِ احدیت دلش صورتِ کثرت صدفِ ساحلش

(اُن کا دل احدیت کے سمندر کی گہرائی ہے۔ کثرت کی صورت تو ساحل کی سیپیوں کی طرح ہیں)

باشد از آن لُجّۂ نا قعر یاب قبۂ نُہ توی فلک یک حباب

(اس بحرِ احدیت کی اتھاہ گہرائی کا حباب نو تہوں والے آسمان کے قبہ کی مانند ہے)

مشائخ زمان کے قبلہ، اہلِ جہاں کے سردار، معرفت کے رُموز جاننے والے، وجدانی بھیدوں سے آگاہ، اہلِ شریعت کے پیش رو، طریقت کے سالکوں کے رہنما، اربابِ یقین میں ممتاز، راہِ حق و دین پر چلنے والے۔

نظم

پیرِ خرد پرورِ عرفان پناہ دوختہ از ترکِ دو عالم کلاہ

(وہ ایسے پیر ہیں جو سراپا معرفت ہیں۔ دونوں جہان ترک کرکے انھوں نے کلاہِ درویشی تیار کی ہے)

سیرتِ میمونش بدین سروری نسخۂ دیباچۂ پیغمبری

(اس روحانی سرداری میں آپ کی مبارک سیرت دیباچۂ پیغمبری کا ایک نسخہ ہے)

چوں بہوا بُردہ دو دستِ دُعا گشتہ ہر انگشت، کلیدِ سما

(جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو آپ کی ہر انگشت آسمان کی کلید ہو جاتی ہے)

حریمِ جلال کے محرم، بزمِ وصال کے محبُوب، قطب الاقطاب، غوث الآفاق،

اولیائے ربانی کے مقتدا، جنید ثانی بلکہ پیرِ دستگیر شاہ محی الدین جیلانی ثانی، کا اسمِ مبارک میر محمدؒ
اور لقب حضرت میاں میر ہے آپ کو شاہ میر بھی کہتے ہیں اور جیوؒ کلمۂ تعظیم ہے۔ حضرت کو چونکہ
سب اپنا صاحب سمجھتے تھے اور ان کی تعظیم کو لازم قرار دیتے تھے اس لیے آپ کو "میاں جیوؒ" کہتے
تھے۔ جہاں جہاں اس کتاب میں میاں جیوؒ آیا ہے وہاں اس سے حضرت کا نام نامی ہی مراد ہے۔

حضرت میاں میرؒ کا وطن اور ولادتِ باسعادت

حضرت میاں جیوؒ رح کی ولادت باسعادت (سندھ کے شہر) سیوستان میں ۹۳۸ھ
(۱۵۳۱ء) میں ہوئی یہ شہر ٹھٹھہ اور بھکّر کے مابین واقع ہے اور آپ کے آبا و اجداد کا وطن ہے
ولادت باسعادت کی یہ تاریخ میں نے حضرت کے بھتیجے، جو اسے سیوستان سے تحریر کر کے لائے تھے،
سُنی اور لکھ لی۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔ اسی شہر میں آپ سنِ تمیز کو پہنچے چنانچہ اکثر اوقات آپ
سندھی زبان میں گفتگو فرماتے تھے۔ آپ کے والدِ ماجد کا نام قاضی سائیں دتا بن قاضی قلندر فاروقی ہے
بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کا سلسلۂ نسب ۲۸ واسطوں سے حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ
تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد بھی صاحبِ کرامت بزرگ اور بلند مقام صوفی تھے۔ جب حضرت
میاں جیوؒ سات سال کے ہوئے تو ان کے والدِ بزرگوار رحلت فرما گئے۔ حضرت کی والدۂ ماجدہ کا
اسمِ مبارک بی بی فاطمہ رَحِمَہُمَا اللّٰہ ہے۔ آپ قاضی قادن کی دخترِ نیک اختر تھیں جن کا شمار
زمانے کے علمأ و فضلأ میں ہوتا تھا۔ انھوں نے ترک و تجرید اختیار کر کے گوشہ نشینی اختیار کی، اور
ریاضت و مجاہدہ کے بعد ولایت کے مرتبے پر پہنچے حضرت کی والدۂ ماجدہ نے طریقۂ شغل اپنے والدِ بزرگوار
سے سیکھا تھا وہ اپنے وقت کی رابعہ تھیں۔ حضرت میاں جیوؒ اپنی والدۂ ماجدہ کے بارے میں فرماتے
تھے کہ جب میرا بڑا بھائی پیدا ہوا تو انھوں نے، جو خود صاحبۂ کشف و کرامت تھیں، جان لیا کہ
اس بیٹے میں ولایت و معرفت کی استعداد نہیں۔ ایک رات تہجد کے وقت غسل کر کے بارگاہِ الٰہی

میں دعا مانگی کہ خداوندا! مجھے ایسا فرزند عطا کر جو عارف و تارک ہو اور روز و شب تیری یاد میں محو رہے۔ ہاتفِ غیب نے صدا دی، خدائے تعالیٰ تجھے اس خوبی کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی دے گا اور ایسا ہی ہُوا۔ بڑے بیٹے کے بعد حضرت میاں جیوٗ پیدا ہوئے گویا آپ ان کے پسرِ دوم تھے۔ حضرت میاں جیوٗ کے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ بھائیوں کے نام یہ ہیں:

قاضی بولن، قاضی عثمان، قاضی طاہر اور قاضی محمد۔

آپ کے سب بھائیوں نے حضرت میاں جیوٗ کے باسعادت ہاتھ پر بیعت کی، ان میں سے قاضی محمد، تصوّف اور ولایت میں مرتبۂ کمال کو پہنچے لیکن وہ حضرت میاں جیوٗ کی زندگی میں ہی رحمتِ حق سے جا ملے۔ آپ کی ہمشیرہ کا نام، جس کی بشارت آپ کی والدہ کو ہوئی تھی، بی بی جمال خاتون مَدّ ظِلّہا ہیں۔ آپ اور آپ کے بھائی لطف اللہ، جو پیدائش کے چند ہی روز بعد فوت ہو گئے، توام پیدا ہوئے تھے۔ حضرت بی بی جمال خاتون سے بہت سی کرامات اور خوارق عادات ظہور میں آتی ہیں۔ آج کل وہ بقیدِ حیات ہیں۔ ان کی کرامات کا ذکر اپنی جگہ پر آئے گا، انشاء اللہ۔ آپ کی دوسری بہن بی بی بادی ہیں۔

علمِ باطن کی اوّلیں تحصیل

حضرت میاں جیوٗ بارہ سال کے ہُوئے تو والدۂ ماجدہ سے علمِ باطن سیکھنے میں مشغول ہُوئے تھوڑی ہی مدّت میں یہ علم حاصل کر لیا اور عالمِ ملکوت ان پر منکشف ہو گیا۔

شیخ خضر سے بیعت

بعد میں دنیاوی تعلّقات چھوڑ کر والدہ سے رخصت حاصل کر کے سیاحت اور ریاضت و مجاہدہ کی غرض سے نکلے، اس وقت آپ سنِ بلوغ کو نہیں پہنچے تھے۔ پہلے آپ کو سیوستان کے پہاڑ میں قطبِ اولیاء، عارفِ کامل، تختِ معرفت کے جلیس، اہلِ سعادت کے تاج، اہلِ حقائق

کے شیخ، جملہ علائق سے بے نیاز، متوکلوں کے امام، صدیقوں کے رہنما، اہلِ عالم کے برگزیدہ حضرت شیخ خضر قَدَّسَ اللہُ تَعَالٰی سِرَّہٗ، جو سلسلۂ قادریہ میں یگانۂ آفاق اور ترک و تجرید میں یکتا تھے، کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت میاں جیوؒ انھیں "غوثِ وقت" کہا کرتے تھے حضرت شیخ خضرؒ کا طریقہ یہ تھا کہ مالِ دنیا کی ہر چیز خواہ زکوٰۃ ہو، جس میں علائق کا شائبہ بھی ہو، قبول نہ کرتے۔ موسمِ سرما لوگوں سے الگ اور پوشیدہ رہ کر کوہستان میں بسر کرتے تھے۔ جنگلی پھل ان کی خوراک تھی۔ لباس ایسا ہوتا تھا جو آپ کے جسم کو زانو سے ناف تک ڈھانپتا تھا۔ سردیوں کے موسم کے لیے انھوں نے تنور بنا رکھا تھا۔ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور انھیں جلا کر تنور گرم کر لیتے۔ راتیں تنور ہی میں بسر کرتے۔ شہر کا رُخ نہیں کرتے تھے، ہاں مگر سال میں ایک دو بار اور وہ بھی گھومنے پھرنے کے لیے۔ حق سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی کے سوائے کسی سے آشنائی نہ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ سیوستان کا حاکم حضرت شیخ خضرؒ کی خدمت میں آیا تو دیکھا کہ حضرت دھوپ میں ایک پتھر پر عالمِ محویت میں بیٹھے ہیں۔ وہ ان کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کا سایہ آپ پر پڑا تو اس کی موجودگی کا احساس ہُوا۔ سر اٹھا کر فرمایا، کہ کیسے آنا ہُوا؟ اس نے جواب میں کہا "میری التماس ہے کوئی خدمت فرمائیے کہ مَیں اسے بجا لاؤں"۔ بہت کچھ اصرار بھی کیا۔ حضرت نے فرمایا: "پہلی خدمت جو مَیں چاہتا ہوں، یہ ہے کہ اپنا سایہ ہٹا لو"۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اور پھر حضرت کی خدمت میں استدعا کی کہ میرے لیے دعائے خیر کریں۔ فرمایا: "حق تعالیٰ وہ وقت نصیب نہ کرے کہ غیر کا خیال تمھارے دل میں آئے"۔ یہ سُن کر حاکم شرمسار ہُوا اور واپس چلا گیا۔

حضرت میاں جیوؒ نے شیخ خضرؒ سے اپنی ملاقات کا اس طرح ذکر کیا ہے: "جب مَیں والدہ سے رخصت ہو کر غلبۂ شوق میں گھر سے نکلا تو جنگل کا رُخ کیے بے اختیار چلا جاتا تھا، یہاں تک کہ کوہ سیوستان پہنچا، وہاں دیکھا کہ ایک طرف کو تنور ہے جو اوپر سے ڈھکا ہُوا ہے۔ تنور کھولا تو

اس میں ایک بڑا سا پتھر نظر پڑا۔ تنور گرم تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ کسی بزرگ نے اپنے لیے یہ جگہ بنائی ہے کہ سردی سے اپنا بچاؤ کر سکیں۔ تنور دیکھ کر مجھے اس بزرگ سے ملنے کی خواہش ہوئی اور فیصلہ کر لیا کہ جب تک انھیں دیکھ نہ لوں گا، واپس نہیں جاؤں گا۔ تین دن وہاں بھوکے پیاسے اور حیرانی کے عالم میں گزارے۔ ہوا بڑی سرد تھی، جی چاہتا تھا، تنور میں بیٹھ جاؤں لیکن یہ بھی اپنے آپ سے کہتا کہ یہ کسی بزرگ کی جگہ ہے اس لیے یہاں بیٹھنا خلافِ ادب ہوگا۔ تین دن رات کے بعد حضرت شیخ کا وہاں آنا ہوا۔ میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ آپ نے فرمایا "وعلیکم السلام یا میر محمد"! ان کی زبان سے اپنا نام سنا تو میرا اعتقاد ان کی نسبت اور بھی زیادہ ہوا۔ آپ نے فرمایا "کہو کب آئے"؟ عرض کی "تین دن رات سے آپ کی تشریف آوری کا منتظر ہوں"۔ فرمایا: "میں تو یہاں سے آج ہی گیا تھا لیکن تمھیں کہیں دیکھا نہیں"! عرض کی کہ میں نے غلط نہیں کہا۔ اس پر فرمانے لگے "ایسا ہی ہوگا"۔ یہ جو بات انھوں نے کہی، محویت کی وجہ سے کہی تھی۔ زیادہ محویت کی وجہ سے وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ یہاں سے آج گئے تھے یا تین روز پہلے۔ اس کے بعد انھوں نے مجھے اپنی مریدی کی سعادت بخشی اور ذکرِ الٰہی میں مشغول کر دیا۔ حضرت شیخ کی صحبت میسر آئی۔ ارادت کے ہاتھ سے ان کا دامن تھاما اور ریاضت میں مشغول ہو گیا۔ تھوڑی ہی مدت میں میں درجاتِ بلند اور مقاماتِ عالیہ کو پہنچا اور ماسوائے اللہ سے دل ہٹ گیا۔

اگرچہ حضرت میاں جیوؒ نے بظاہر حضرت شیخ خضرؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی لیکن وہ خود بھی بمنزلۂ اویس تھے۔ اور بلا واسطہ آسمانِ ولایت کے قطب فلکِ سعادت کے ماہتاب، فضائے لاہوت کے شاہباز، میدانِ جبروت کے شاہسوار، جہانِ ملکوت کے سمندر کے غوّاص، عالمِ ناسوت کے سیّاح، اولیائے کامل کے سلسلے کے منتظم، مشائخِ کامل میں برگزیدہ، علم و کمال کے سورج کے مطلع، حلم، جمال اور جلال کے خورشید کے مشرق، اکابرِ زمین و زماں کے پیشوا، یقین

کی بلندیوں کے مبارک فال ہُما، عالی جاہ عارفوں کے بادشاہ، صاحبِ قول "قَدَمِی هٰذِہٖ رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہ" اولیائے نامدار کے سلطان، عالی مقام پرہیزگاروں کے امام، قطبِ ربّانی، محبوبِ سبحانی پیرِ دستگیر عالمگیر، غوث الثقلین شاہ محی الدین سید عبدالقادر جیلانی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی روحانیت نے ان کی تربیت کی اور مرتبۂ کمال کو پہنچایا۔

حضرت میاں جیو ؒ فرماتے تھے کہ حضرت غوث الثقلین ؒ کی تربیت سید المرسلین، خاتم النبیین، یومِ قیامت کے شفاعت کنندہ، سرورِ کونین، قاب قوسین کے مرتبے کے مالک، بہترین موجودات اشرف المخلوقات : سَلِّمُوْا یَا قَوْمِ بَلْ صَلُّوْا عَلَی الصَّدْرِ الْاَمِیْنِ۔ مُصْطَفٰی مَاجَاءَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ، صَلٰوۃُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ (اے قوم! صدر امین پر سلام بھیجو بلکہ درود بھیجو مصطفیٰ صرف رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْن بن کر تشریف لائے ہیں) نے بصورت جسمانی و روحانی تربیت فرمائی۔ جیسا کہ اویسیوں کی تربیت کے سلسلے میں "نفحات الانس" میں ذکر آیا ہے : پیرِ طریقت شیخ فریدالدین عطار قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ فرماتے ہیں کہ بعض اولیاء اللہ ایسے ہیں۔ جنھیں مشائخ طریقت اور اکابرِ حقیقت " اویسی " کہتے ہیں۔ انھیں بظاہر کسی پیرِ طریقت کی ضرورت نہیں چونکہ حضرت رسالت پناہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ بغیر کسی واسطے کے ان کی تربیت اپنی حمایت اور عنایت سے فرماتے تھے جیسا کہ حضرت اویس ؓ کی تربیت ہوئی تھی۔ یہ بہت بلند مقام ہے یہ رتبۂ عالی ہر کسی کو نہیں ملتا اور یہ سعادت ہر کسی کو میسر نہیں آتی۔

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ[1]

(یہ محض خدا کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحبِ فضلِ عظیم ہے)

اسی طرح آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی پیروی کرنے والے بعض اولیاء اللہ نے اپنے

---

[1] قرآن کریم ۲۷/الحدید، ۲۱

بعض طالبوں کی خود اپنی رُوحانیت کے ذریعے تربیت کی ہے بغیر اس کے کہ بظاہر وہ ان کے مرید ہوں۔ یہ جماعت بھی اویسیوں میں داخل ہے پس اس اعتبار سے حضرت میاں جیوؒ ایک واسطے سے آنحضرتؐ کے اویسی ہیں اور آپ کی ارادت کی نسبت دو طرف سے حضرت غوث الثقلینؒ تک پہنچتی ہے۔ آپ نے حضرت شیخ خضرؒ کی باسعادت صحبت سے اِدراک پاکر اور ریاضت اور مُجاہدہ کرکے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنا کام مکمل کرلیا تو شیخ خضرؒ نے فرمایا کہ اب تمھیں کوئی ضرورت نہیں جہاں چاہو جاؤ اور جہاں خواہش ہو، وہاں قیام کرو۔ حضرت میاں جیوؒ نے اجازت اور رخصت پا کر تجرید کے طریقے کے مطابق سفر اختیار کیا اور علومِ ظاہری کی تحصیل کے لیے عازمِ لاہور ہوئے وَاللہُ عَلَم

درُودِ لاہور

لاہور تشریف لاتے وقت آپ کی عمر پچیس برس کے لگ بھگ تھی۔ دورانِ سفر جس منزل پر پہنچتے اور جس گھر میں آتے، چند روز ٹھہرتے، پھر وہاں سے چل پڑتے۔ لاہور پہنچ کر مساجد میں وقت گزارنے لگے۔ کچھ عرصہ مولانا سعد اللہ کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے جو اکبرِ اعظم کے زمانے کے مشہور علماء و فضلاء میں سے تھے اور ظاہری و باطنی علم سے آراستہ تھے۔ تھوڑے ہی عرصے میں حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ علوم معقول و منقول میں درجۂ کمال کو پہنچے۔ اور آپ کو دوسرے ہمدرسوں میں امتیاز حاصل ہوا۔

میں نے حضرت اخوند جیوؒ سے سُنا تھا کہ حضرت میاں جیوؒ نے ہمارے اخوند مولانا سعد اللہ کے شاگرد مولانا نعمت اللہ سے بھی تحصیلِ علم کی جو ظاہری و باطنی فضائل سے آراستہ تھے۔ نعمت اللہ کہا کرتے تھے کہ حضرت میاں میرؒ میرے درس میں رہے۔ کئی سال میں نے انھیں پڑھایا اور ان کی رہنمائی کی انھوں نے میرے تمام علوم حاصل کیے لیکن اس عرصے میں ان کی حقیقتِ حال مجھ پر ظاہر

لے ملا میرک شیخ ہروی معلم دارا شکوہ

نہ ہوسکی اور یہ حضرت کا کمالِ ستر ہے۔

ذکرِ حق تعالیٰ میں مشغولیت

حضرت میاں جیو رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کا طریق کار یہ تھا کہ روزانہ مشائخ لاہور کی قبروں کی زیارت کرتے، پھر جنگل یا باغوں میں جا کر جمعیتِ خاطر اور رفعِ خطرات کی غرض سے کسی ایسی جگہ مشغولِ ریاضت ہو جاتے جہاں لوگوں کا گزر نہ ہوتا تھا۔ کچھ رُفقاء بھی ساتھ ہوتے، وہ بھی الگ الگ درختوں کے سائے میں مصروفِ ریاضت ہو جاتے۔ نماز کا وقت آتا تو سب اکٹھے ہو کر نماز باجماعت ادا کرتے۔ باغوں میں جا کر گویا وہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے طریقے کی پیروی کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کے طریقے کی روایت "صحیح مسلم" میں اور "مشکوٰۃ" کی فصل سوم "کتاب الایمان" میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم ایک دن اپنے اصحابِ کرام کے درمیان میں سے اُٹھے اور کسی ایک طرف کو تشریف لے گئے۔ ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے بہت تلاش کے بعد آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو بنی نجار کے ایک باغ میں پایا۔ آنحضرتؐ نے اپنا نعلینِ مبارک انھیں دیا اور فرمایا: "اے ابو ہریرہ! جس کو تو ملے، اسے بشارت دے کہ از روئے یقین لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہنے والا بہشت میں داخل ہوگا۔" اس حدیث سے صریحاً یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم مشغولیت اور جمعیتِ خاطر کے لیے باغوں میں جاتے تھے۔ ان مقامات میں آنحضرتؐ کو کیفیت و ذوق اور کُشادگی میسر آتی تھی لہٰذا اس قسم کی بشارت خوشی اور کُشادگی کی غرض سے مومنوں کو بھیجی اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے ذکر کی تلقین فرمائی جو ہر فضیلت کی کلید ہے۔

مُلا سعید نے مجھے بتایا کہ حضرت میاں جیو رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے یہ فرمایا تھا کہ میں مشغولِ حق ہونے کی غرض سے چند روز ایک خاص سمت میں جاتا رہا۔ شہر سے باہر ایک پرانا مکان تھا، جو خالی پڑا تھا۔ تقریباً پندرہ دن وہاں جا کر بیٹھتا اور مشغولِ حق رہتا۔ چند دن مشغولیت میں گزرے،

لیکن آخر میں کچھ بے اطمینانی ہوئی۔ جی میں آیا کہ یہاں سے چلنا چاہیے۔ نزدیک ہی ایک کنواں تھا اس کے قریب ایک سقہ رہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ چند روز سے میں یہاں بیٹھتا ہوں۔ جونہی میں وہاں سے چلا، سقہ میرے راستے پر آکھڑا ہوا اور واپس جانے کا سبب پوچھا۔ میں نے جواب دیا، آج مجھے یہاں اطمینان نصیب نہیں۔ معلوم نہیں، وجہ کیا ہے؟۔ سقے نے کہا کہ کل کچھ لوگ کسی شادی میں شہر جا رہے تھے۔ یہاں پہنچے تو رات ہو گئی۔ اس گھر میں انھوں نے تمام رات لہو ولعب میں گزاری۔ میں سمجھ گیا کہ ان کے لہو ولعب نے اس ویرانے پر بھی اپنا اثر کیا ہے جو میری پریشانی اور بے اطمینانی کا باعث بنا ہے اس لیے میں نے اس جگہ کو چھوڑا اور کسی دوسری جگہ جانا شروع کیا۔

حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ لوگوں کی صحبت اور میل جول سے پرہیز کرتے تھے۔ حجرہ بند کر کے شب بیداری کرتے۔ اپنے خاص اصحاب میں سے کبھی کبھی دو ایک کو اپنے پاس رکھتے، ورنہ تنہا قبلہ رو ہو کر بیٹھے رہتے ان کے بعض اصحاب نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہوا ہے یہ شعر اکثر حضرت کی زبانِ حق بیان پر رہتا تھا۔

کسی کو غافل از حق یک زمانست　　　　در آندم کافرست اما نہانست

(جو شخص حق تعالیٰ سے گھڑی بھر کو غافل ہے اس وقت وہ کافر ہوتا ہے، لیکن پوشیدہ)

حضرت کئی سال نہ دن کو سوئے نہ رات کو۔ میں نے عارف باللہ شیخ قطبؒ سے سنا کہ حضرت میاں جیوؒ کو نیند نہیں آتی تھی۔ میاں محمد مراد مفتی کہتے ہیں کہ حضرت میاں جیوؒ کئی سال تک تمام رات ایک نفس میں گزارتے تھے۔ پھر جب آپ کی عمر اسّی سال سے زائد ہوئی تو ضعف اور بڑھاپے کے باوجود ایک رات چار نفس میں گزارنے لگے۔ حضرت کا توکّل بدرجۂ کمال تھا۔ چنانچہ راتوں کو پانی جو کوزے میں ہوتا، اسے گرا دیتے۔ کسی وقت اور کسی وجہ سے ان کے دل میں کوئی ایسی بات نہ آتی جس سے خطرۂ ایمان لاحق ہو آپ کے صحاب کو بھی کسی قسم کا خطرہ لاحق نہیں ہوتا تھا۔ حضرت میاں جیوؒ

خطرات رفع کرنے کے متعدد طریقے جانتے تھے اور اکثر رفعِ خطرات پر متوجہ رہتے تھے۔

مشائخ رحمہم اللہ نے رفعِ خطرات کے لیے بہت سی باتیں بتائی ہیں لیکن یہ فقیر (دار اشکوہ) اس سلسلے میں مختصراً یہ دو کلمے عرض کرتا ہے۔ خطرہ ذاتی مفاد کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جب ذاتی مفاد کا خیال نہ ہو تو خطرہ کیسا، اور چونکہ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کا کوئی ذاتی مفاد نہیں اس لیے انھیں کوئی خطرۂ ایمان بھی نہیں۔

سرہند میں قیام اور علالت

لاہور میں رہتے ہوئے کچھ عرصہ گزر گیا اور لوگ حضرت کے نیک انجام حالات سے کچھ آگاہ بھی ہوئے کہ اسی اثنا میں کچھ عرصے کے لیے آپ عازمِ سرہند ہوئے۔ وہاں پہنچنے کے بعد گھٹنے میں درد ہونے لگا۔ اس کے علاوہ بعض اور عارضے بھی لاحق ہوئے۔ کافی عرصہ جسمانی تکلیفوں میں مبتلا رہے آپ فرماتے ہیں "میں نے ایک رات حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کی روحانیت کی طرف توجہ کی۔ اس حالت میں کیا دیکھتا ہوں کہ آپ حضرت خضر علیہ السلام کے ہمراہ عیادت کو تشریف لائے ہیں۔ حضرت غوث الاعظمؒ سے میں نے صحت کی دعا کے لیے عرض کی۔ غوث الاعظمؒ نے دستِ مبارک میرے جسم پر پھیرا اور ایک کشتی نما برتن جس میں پانی تھا، مجھے دیا اور فرمایا: "اس میں سے پانی پی لو۔" میں نے پانی پی لیا۔ مجھ پر استغراق کا عالم طاری ہوا پھر یہ کیفیت ختم ہوئی تو تکلیف کا کوئی اثر باقی نہ رہا تھا۔" سرہند میں کیفیت یہ ہوئی تھی کہ جب آپ کی بیماری نے طول پکڑا تو ان دنوں آپ کی خدمت اور دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ تھا۔ حاجی نعمت اللہ سرہندی کو آپ کی لاچاری اور تنہائی کی اطلاع ہوئی تو بڑے خلوص اور سعادت مندی سے حضرت کی خدمت کرنے کو اپنی نجات کا وسیلہ سمجھا چنانچہ انھوں نے تیمارداری اور خدمت کی انتہا کر دی۔ یہاں تک کہ مہتر کا ادنیٰ کام بھی خود بجا لاتے تھے حضرت غوث الاعظمؒ اور حضرت خضر علیہ السلام کی دعا کی برکت سے جب آپ کو صحتِ کامل ہو گئی تو حضرت میاں جیوؒ نے

حاجی نعمت اللہ کو فرمایا: "آپ نے ہماری بہت خدمت کی ہے۔ ہمارے پاس مال و دولت نہیں کہ آپ کو دیں مگر ہاں اگر آپ چاہیں تو میں کچھ عرصے میں آپ کو خدا تعالیٰ کی راہ دکھا سکتا ہوں"۔ حاجی نعمت اللہ اپنی فطرتِ سعید کی وجہ سے اس دولتِ عظمیٰ کا طلب گار ہوا۔ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ نے توجہ فرمائی اور حاجی ہفتہ بھر میں مطلبِ اعلیٰ اور درجۂ کمال کو پہنچ گیا۔ سرہند میں حضرت کا پہلا طالب جیسا کہ آپ نے خود ارشاد فرمایا، حاجی نعمت اللہ ہی تھا۔

لاہور کو واپسی

سرہند میں آپ نے سال بھر اس طرح گزارا کہ کسی کو آپ کے حالات کی خبر نہ ہوئی۔ آخر لاہور واپس آئے اور محلۂ باغباناں میں قیام کیا جو اب خانی پورہ کے نام سے مشہور ہے۔ زندگی کے آخری دنوں تک یہیں رہے۔ اب کی دفعہ آپ کی بزرگی کا بہت چرچا ہوا۔ چنانچہ اکثر لوگوں نے آپ کی طرف رجوع کیا اور متعدد طالب آپ کی تربیت کی برکت سے مقصدِ اعلیٰ کو پہنچے اور شہرت پائی۔

کہتے ہیں، حاجی نعمت اللہ کو جب آپ نے مشغولِ ریاضت فرمایا، ان پر عالمِ ملکوت منکشف ہو گیا۔ آخر ایک دن وہ رخصت لے کر سرہند گئے، شیخ جمیل الدین نامی درویش سے ملے، جو شیخ وجیہہ الدین کے خلیفہ تھے اور سرہند میں مقیم تھے۔ ان سے ذکر کیا کہ مجھے ایک ایسا عالَم دکھائی دیتا ہے جس کی وجہ سے مجھے بہت حظ نصیب ہوتا ہے۔ یہ سن کر درویش بولا: "اس عالَم کو تیرے پیر نے کیا نام دیا ہے"؟ حاجی نے جواب میں کہا: "عالَمِ ملکوت"! درویش نے کہا: "یہ عالَمِ ملکوت نہیں بلکہ عالَمِ جنات ہے۔ یہ حال تمھیں نقصان پہنچانے کا باعث ہو گا"۔ اور پھر اس نے اپنی بات پر اس حد تک زور دیا کہ حاجی کا اعتقاد متزلزل ہو گیا اور اس نے ریاضت کا شغل ترک دیا۔ ترکِ شغل کے بعد جب وہ روحانی حظ سے بے نصیب ہو گیا تو مکّہ معظّمہ جانے کا ارادہ کیا اور

حضرت میاں جیوؒ سے اجازت حاصل کرنے کے لیے لاہور آیا۔ حاجی کو دیکھتے ہی حضرت نے اس سے شغل کو ترک کرنے اور یادِ حق سے رُوگردانی کرنے کا سبب دریافت کیا اور فرمایا "حاجی! یہ کیسی افتاد پڑی تم پر؟ حاجی نے حقیقتِ حال عرض کر دی۔ آپ نے سُن کر فرمایا: "اس درویش نے تمھیں بھٹکا دیا ہے۔ اسے عالمِ ملکُوت کی خبر نہیں"۔ حاجی کے دل میں انکاری کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ اس لیے عرض کی کہ میں نے حج کو جانے کا ارادہ کیا ہے۔ مجھے رخصت فرمائیے آپ نے فرمایا: "حاجی! اگر حج کی سعادت تمھیں یہاں مل سکے اور مکہ معظمہ کا مشاہدہ ہو جائے تو پھر کہو"! اس نے عرض کی کہ اگر ایسا ہو جائے تو مجھے اپنی مراد حاصل ہو جائے گی اور میں آپ کی خدمت میں یہیں رہ جاؤں گا۔ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ نے حاجی کے لیے ایک جگہ مقرر کر دی اور فرمایا: "آج رات کو یہ اسم پڑھنا"۔ حاجی نے ویسا ہی کیا۔ دوسرے ہی دن آ کر اس نے حضرت کے پائے مبارک پر سر رکھا اور معذرت چاہی۔ آپ نے فرمایا: "کہو حج کیا"؟ اس نے جواب دیا حضرت کی توجہ سے میں مسنُونہ طریقے کے مطابق منزل بمنزل چل کر مکہ معظمہ پہنچا، مناسکِ حج بجا لایا اور مجھے حج کی سعادت یہیں حاصل ہو گئی۔ حضرت نے حاجی کو پھر مشغولِ حق کر دیا اور بالآخر وہ کاملوں میں ہو گیا۔ اسی وجہ سے مشائخ سلف رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ مریدوں کے لیے تنہا رہنے سے بڑھ کر کوئی آفت نہیں۔

سیدالکونین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشاد ہے۔

"اَلشَّیطٰنُ مَعَ الْوَاحِدِ وَھُوَ مِنَ الْاِثْنَیْنِ اَبْعَدُ"

(اکیلے کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور دو ہوں تو وہ دور رہتا ہے)

خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ وَلَا خَمْسَۃٍ اِلَّا ھُوَ سَادِسُھُمْ[1]

(کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ (اللہ) نہ ہو یا پانچ کی سرگوشی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو)

---

[1] قرآنِ کریم: ۲۸/المجادلۃ ۷

کہا جاتا ہے کہ حضرت سید الطائفہ، امام الائمہ، شیخ المشائخ حضرت جنید بغدادیؒ کے ایک مرید کے دل میں خیال آیا کہ میں مرتبۂ کمال کو پہنچ گیا ہوں اور تنہا رہنا ہی میرے لیے مناسب ہے۔ اس لیے شیخ کی خدمت چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کرلی اور احباب کی صحبت بھی ترک کر دی۔ اس حالت میں اس کے لیے ایک اُونٹ لایا گیا اور کہا گیا کہ آپ بہشت میں جانا چاہیں تو یہ اونٹ حاضر ہے۔ وہ اونٹ پر بیٹھ کر چل پڑا۔ یہاں تک کہ ایک سرسبز و شاداب مقام پر پہنچا۔ وہاں خوبصورت لوگوں کا جمگھٹا دیکھا۔ خوش مزہ کھانے میسّر آئے اور وہاں کے چشموں کو دیکھ کر محظوظ ہُوا۔ صبح تک وہیں ٹھہرا جب وہ سو کر بیدار ہُوا تو اپنے آپ کو پھر اپنی خانقاہ کے دروازے پر پایا۔ اس طرح یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس سے اس کے دل میں رعُونت اور نخوت پیدا ہو گئی اور جنّت کی سیر کرنے کا دعویٰ کرنے لگا۔ یہ خبر لوگوں نے حضرت جنیدؒ تک پہنچائی تو حضرت اس کی خانقاہ میں گئے اور دیکھا کہ تکبّر اس کے سر میں سمایا ہُوا ہے آپ نے حال پوچھا تو اس نے سب ماجرا کہہ سنایا۔ حضرت شیخ نے فرمایا: "جب آج رات تُو اس مقام پر پہنچے تو تین بار" لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ" پڑھنا۔" رات آئی تو وہی لوگ پھر آئے اور اونٹ پر سوار کر کے اسے لے گئے۔ اسے حضرت جنیدؒ کی بات پر تعجب تو ہُوا تھا لیکن جب کچھ وقت گزرا تو اس نے آزمائش کے طور پر تین بار لَاحَوْل پڑھا اس پر لوگ شور و غل کرتے ہوئے وہاں سے چل دیے۔ اب وہ کیا دیکھتا ہے کہ کوڑے کا ڈھیر ہے۔ وہ اس پر بیٹھا ہے اور مُرداروں کی ہڈیاں اس کے اردگرد جمع ہیں۔ یہ مشاہدہ کر کے اس پر حقیقتِ حال واضح ہو گئی اور حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کی اور پھر آپ کی صحبت اختیار کرلی۔

سلسلۂ بیعت اور ترک و تجرید

حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کم ہی لوگوں کو مریدی کا شرف بخشتے تھے کیونکہ ایسے مرید جو دراصل خدا طلب ہوں، کم ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حضرت کا بابرکت دامن تھامیں

اور درجۂ کمال حاصل کریں۔ آپ کی تربیت اور ارشاد کا قاعدہ یہ تھا کہ طالب کو مطلوب تک پہنچا دیتے تھے۔ آپ ہمارے زمانے کے ان مشائخ کی طرح نہ تھے جو نذر و نیاز اور شہرت و جاہ کی خاطر بہت سے مرید بنا لیتے ہیں۔ ان پر اپنا دعویٰ ظاہر کرتے ہیں اور اہلِ دل اور مستعدِ کار بزرگوں سے برسرِ پیکار رہ کر ان پر کفر کا فتویٰ صادر کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے قتل کا فتویٰ بھی دے دیتے ہیں۔ چنانچہ اسی سلسلے میں حضرت مُلّا شاہ نے فرمایا ہے

رباعی

شیخا! مارا مُریدگیری ہُنر است　　　بسیار مریدی و راسیم و زر است

مشغول بتوبہ دادن گاؤ خر است　　　معلوم نہ کرد کارِ مردان دگر است

(اے شیخ ہمارے لیے مرید بنانا ایک ہُنر ہے۔ بہت سے مرید سیم و زر سے بھی زیادہ نفع بخش ہوتے ہیں توبہ میں مشغول کرنا تو گاوخر ہے (افسوس ہے) یہ معلوم نہ ہوا کہ جوانمردوں کا کام یہ نہیں بلکہ اور ہی کچھ ہے۔)

نیز فرمایا:

نظم

کسانی کہ حضرت بنام اندر اند　　　چہ حضرت کہ حسرت ز پا تا سر اند

(وہ لوگ جو نام کے حضرت ہیں وہ دراصل از سرتاپا حسرت ہیں)

ہمہ خضرِ وقت اند در رنگ و بُو　　　ازین خضرہا خود حذر ہا نکو

(ظاہراً طور پر وہ سب وقت کے خضر بنے ہوئے ہیں اس قسم کے خضروں سے پرہیز بہتر ہے)

سرِ بوریائے کہ دارند جا　　　کجا بوریا جملہ بُوی ریا

(جس بوریے پر وہ بیٹھتے ہیں، وہ بوریا نہیں بلکہ سب بُوئے ریا ہے۔)

چہ پُرسی کہ طفلی بود کارِ شان　　　خنک رُو مریدانِ مُردارِ شان

کہا جاتا ہے کہ حضرت سید الطائفہ، امام الائمہ، شیخ المشائخ حضرت جنید بغدادیؒ کے ایک مرید کے دل میں خیال آیا کہ میں مرتبۂ کمال کو پہنچ گیا ہوں اور تنہا رہنا ہی میرے لیے مناسب ہے۔ اس لیے شیخ کی خدمت چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کرلی اور احباب کی صحبت بھی ترک کر دی۔ اس حالت میں اس کے لیے ایک اُونٹ لایا گیا اور کہا گیا کہ آپ بہشت میں جانا چاہیں تو یہ اونٹ حاضر ہے۔ وہ اونٹ پر بیٹھ کر چل پڑا۔ یہاں تک کہ ایک سرسبز و شاداب مقام پر پہنچا۔ وہاں خوبصورت لوگوں کا جمگھٹا دیکھا۔ خوش مزہ کھانے میسر آئے اور وہاں کے چشموں کو دیکھ کر محظوظ ہوا۔ صبح تک وہیں ٹھہرا جب وہ سو کر بیدار ہُوا تو اپنے آپ کو پھر اپنی خانقاہ کے دروازے پر پایا۔ اس طرح یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس سے اس کے دل میں رُعونت اور نخوت پیدا ہو گئی اور جنّت کی سیر کرنے کا دعویٰ کرنے لگا۔ یہ خبر لوگوں نے حضرت جنیدؒ تک پہنچائی تو حضرت اس کی خانقاہ میں گئے اور دیکھا کہ تکبر اس کے سر میں سمایا ہُوا ہے آپ نے حال پوچھا تو اس نے سب ماجرا کہہ سنایا۔ حضرت شیخ نے فرمایا: "جب آج رات تُو اس مقام پر پہنچے تو تین بار "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ" پڑھنا۔" رات آئی تو وہی لوگ پھر آئے اور اونٹ پر سوار کر کے اسے لے گئے۔ اسے حضرت جنیدؒ کی بات پر تعجب تو ہُوا تھا لیکن جب کچھ وقت گزرا تو اس نے آزمائش کے طور پر تین بار لَاحَوْل پڑھا اس پر لوگ شور و غل کرتے ہوئے وہاں سے چل دیے۔ اب وہ کیا دیکھتا ہے کہ کوڑے کا ڈھیر ہے۔ وہ اس پر بیٹھا ہے اور مُرداروں کی ہڈیاں اس کے اردگرد جمع ہیں۔ یہ مشاہدہ کر کے اس پر حقیقتِ حال واضح ہو گئی اور حضرتِ شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کی اور پھر آپ کی صحبت اختیار کرلی۔

سلسلۂ بیعت اور ترک و تجرید

حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کم ہی لوگوں کو مریدی کا شرف بخشتے تھے کیونکہ ایسے مرید جو دراصل خدا طلب ہوں، کم ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حضرت کا بابرکت دامن تھامیں

اور درجۂ کمال حاصل کریں۔ آپ کی تربیت اور ارشاد کا قاعدہ یہ تھا کہ طالب کو مطلوب تک پہنچا دیتے تھے۔ آپ ہمارے زمانے کے ان مشائخ کی طرح نہ تھے جو نذر و نیاز اور شہرت وجاہ کی خاطر بہت سے مرید بنا لیتے ہیں۔ ان پر اپنا دعویٰ ظاہر کرتے ہیں اور اہلِ دل اور مستعدِ کار بزرگوں سے برسرِ پیکار رہ کر ان پر کفر کا فتویٰ صادر کرتے ہیں، یہاں تک کہ ان کے قتل کا فتویٰ بھی دے دیتے ہیں۔ چنانچہ اسی سلسلے میں حضرت مُلّا شاہ نے فرمایا ہے

رباعی

شیخا! ما را مُرید گیری ہُنر است　　بسیار مریدی و را سیم و زر است
مشغول بتوبہ دادن گاؤ خر است　　معلوم نہ کرد کارِ مردان دگر است

(اے شیخ ہمارے لیے مرید بنانا ایک ہُنر ہے۔ بہت سے مرید سیم و زر سے بھی زیادہ نفع بخش ہوتے ہیں توبہ میں مشغول کرنا تو گاؤ خر ہے (افسوس ہے) یہ معلوم نہ ہوا کہ جوانمردوں کا کام یہ نہیں بلکہ اور ہی کچھ ہے۔)

نیز فرمایا:

نظم

کسانی کہ حضرت بنام اندراند　　چہ حضرت کہ حسرت ز پا تا سرند
(وہ لوگ جو نام کے حضرت ہیں وہ دراصل از سرتاپا حسرت ہیں)

ہمہ خضرِ وقت اند در رنگ و بُو　　ازین خضرہا خود حذر ہا نکو
(ظاہرا طور پر وہ سب وقت کے خضر بنے ہوئے ہیں اس قسم کے خضروں سے پرہیز بہتر ہے)

سر بوریائے کہ دارند جا　　کجا بوریا جملہ بُوی ریا
(جس بوریے پر وہ بیٹھتے ہیں، وہ بوریا نہیں بلکہ سب بوئے ریا ہے۔)

چہ پُرسی کہ طفلی بود کارِ شان　　خنک رُو مریدانِ مُردارِ شان

(تو کیا پوچھتا ہے کہ ان کا کام طفلانہ ہے، ان کے خشک دو مُریدان کے لیے بمنزلۂ مُردار ہیں)

مریدان فزون تر ز دیو و دد اند　　　چہ دانم مریداند یا مُرتداند

(یہ مرید دیو و دد سے بھی بڑھ کر ہیں۔ میں کیا جانوں یہ مُرید ہیں یا مُرتد)

بخروار خروار خوردہ طعام　　　سر سُفرہ بر صبحدم تا بشام

(صبح سے شام تک دستر خوان پر بیٹھے گدھے کے بوجھ کے برابر خوراک کھاتے ہیں)

رہِ خانۂ دل نیاید بدست　　　شکم در بِرُوی دِل خواجہ بست

(خانۂ دل کا راستہ ہاتھ نہیں آتا۔ بس مرشد کے سامنے اپنا پیٹ باندھنا چاہیے)

چونکہ ہر شخص میں اتنی استعداد نہیں ہوتی، لہٰذا جس میں سعادت کی استعداد دیکھتے اس کو مریدی کے لیے قبول فرماتے۔

"نفحات الانس" میں مذکور ہے کہ مُرید اور ہے اور مُراد اور۔ شیخ الاسلام نے فرمایا ہے: "مُرید سیکڑوں ہزاروں نیازوں کے ساتھ مُراد مانگتا ہے اور مُراد اس سے سیکڑوں ہزاروں ناز و انداز سے کنارہ کرتی ہے۔"

حضرت میاں جیئوؒ کا طریقہ بہت دشوار ہے۔ ہر کسی میں اتنی استعداد اور طاقت نہیں کہ اسے اختیار کر سکے۔ چنانچہ کوئی شخص جب مُریدی کا ارادہ ظاہر کرتا تو یہ شعر پڑھتے:

شرطِ اوّل در طریقِ معرفت دانی کہ چیست؟　　　ترک کردن ہر دو عالم را و پشتِ پا زدن

(معرفت کے طریقے کی پہلی شرط جانتے ہو کیا ہے؟　　　دونوں جہانوں کو ترک کرنا اور پشتِ پا سے ٹھکرانا)

آخر جب طالب ترک و تجرید اختیار کرنے کے لیے مصمم ارادہ ظاہر کرتا اور قطعِ علائق کر لیتا، تو اس حالت میں اسے ریاضتِ شاقہ یعنی کم خوری، کم خوابی اور کم گوئی وغیرہ کی تلقین فرماتے اور وہ اس لیے کہ جو شخص ریاضت اختیار کرتا ہے، اس کے لیے کوئی آفت نہیں ہوتی۔

سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ علیہ کا طریقہ بھی یہی تھا۔ مُرید کی استعداد اور اخلاص کے مطابق کچھ عرصہ تلقین فرما کر قلیل عرصے میں اسے مرتبۂ کمال کو پہنچا دیتے اور طالب کے باطن کو تھوڑی ہی مدت میں ماسوائے اللہ سے پاک کر دیتے چنانچہ مُلّا سعید خان کہتے ہیں: " ایک دن میں نے "نفحات الاُنس" میں دیکھا کہ حضرت سید الطائفہ کا ایک خلیفہ، جو بعد میں ان کا جانشین بنا، ہر روز کہا کرتا کہ میں نے تیس سال حضرت شیخ جنیدؒ کے لیے مہتر کی ادنیٰ خدمت بجا لائی ہے۔ خیال آیا کہ کتنا انکسار اور کس قدر نفس کشی ہے کہ وہ اس قسم کی خدمت بجا لایا۔ اور شیخ کی مسند پر بیٹھنے کے بعد بھی یہ بات ہر روز کہتا رہا۔" یہ کیفیت میں نے حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کی آپ نے فرمایا: " یہ کوئی ایسا بڑا کام نہیں جو اس نے کیا، یہ کام تو بہت آسان ہے اور ہر کوئی کر سکتا ہے۔ بڑا کام تو وہ ہے جو سید الطائفہ نے کیا کہ اس کے باطن کو ماسوا اللہ سے پاک کر دیا۔"

حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے میں تجرید و تفرید اس لیے ہے کہ جو شخص تجرید میں کامل ہو جائے وہ جلد مُراد کو پہنچ جاتا ہے خواجگان بزرگوار رحمہم اللہ کے طریقے میں اسے " کندن اور پیوستن" یعنی چھوڑنا اور ملنا کہتے ہیں۔

حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: " جیسا کہ ظاہر ہے کہ اگر کسی شخص کے سر کا ایک بال ناپاک ہو اور جسم کے تمام اعضا دھو دیے جائیں، ناپاکی باقی رہتی ہے اور وہ پاک نہیں ہو سکتا، اسی طرح اگر کسی نے ترکِ علائق کیا ہو اور ایک بھی دنیاوی اندیشہ اس کے دل میں باقی رہے تو وہ تعلقات سے بَری نہیں ہوتا نہ وہ مجرّد کہلا سکتا ہے۔ اس کی باطنی ناپاکی برقرار رہتی ہے۔

زتو گر ہست مُوی مانع برجا بدان یک مُوی مانی بند برپای
تو تا یکبارگی جان درنبازی جُنب دانم ترا و نا نمازی

(اگر ایک ناپاک بال بھی سر پر باقی ہے تو اس ایک بال کی وجہ سے تو پابہ زنجیر رہے گا
تاوقتیکہ تو ایک ہی بار اپنی جان نثار نہیں کر دیتا میں تمھیں ناپاک اور بے نماز سمجھوں گا)

(تو کیا پوچھتا ہے کہ ان کا کام طفلانہ ہے، ان کے نخنکِ رُو مُریدان کے لیے بمنزلۂ مُردار ہیں)

مریدانِ فزون تر ز دیو و دد اند　　　چہ دانم مرید اند یا مُرتد اند

(یہ مرید دیو و دد سے بھی بڑھ کر ہیں - میں کیا جانوں یہ مُرید ہیں یا مُرتد)

بخروار خروار خوردہ طعام　　　سرِ سُفرہ ہر صبح دم تا بشام

(صبح سے شام تک دسترخوان پر بیٹھے گدھے کے بوجھ کے برابر خوراک کھاتے ہیں)

رہِ خانۂ دل نیاید بدست　　　شکم در بُرُوئی دِل خواجہ بست

(خانۂ دل کا راستہ ہاتھ نہیں آتا۔ بس مرشد کے سامنے اپنا پیٹ باندھنا چاہیے)

چونکہ ہر شخص میں اتنی استعداد نہیں ہوتی، لہٰذا جس میں سعادت کی استعداد دیکھتے اس کو مریدی کے لیے قبول فرماتے۔

"نفحات الانس" میں مذکور ہے کہ مُرید اور ہے اور مُراد اور۔ شیخ الاسلام نے فرمایا ہے: "مُرید سیکڑوں ہزاروں نیازوں کے ساتھ مُراد مانگتا ہے اور مُراد اس سے سیکڑوں ہزاروں ناز و انداز سے کنارہ کرتی ہے۔"

حضرت میاں جیوؒ کا طریقہ بہت دشوار ہے۔ ہر کسی میں اتنی استعداد اور طاقت نہیں کہ اسے اختیار کر سکے۔ چنانچہ کوئی شخص جب مُریدی کا ارادہ ظاہر کرتا تو یہ شعر پڑھتے:

شرطِ اوّل در طریقِ معرفت دانی کہ چیست؟　　　ترک کردن ہر دو عالم را و پشتِ پا زدن

(معرفت کے طریقے کی پہلی شرط جانتے ہو کیا ہے؟　　　دونوں جہانوں کو ترک کرنا اور پشتِ پا سے ٹھکرانا)

آخر جب طالب ترک و تجرید اختیار کرنے کے لیے مصمم ارادہ ظاہر کرتا اور قطعِ علائق کر لیتا، تو اس حالت میں اسے ریاضتِ شاقہ یعنی کم خوری، کم خوابی اور کم گوئی وغیرہ کی تلقین فرماتے اور وہ اس لیے کہ جو شخص ریاضت اختیار کرتا ہے، اس کے لیے کوئی آفت نہیں ہوتی۔

سہل بن عبداللہ تستری رَضِیَ اللہُ عَلَیْہِ کا طریقہ بھی یہی تھا۔ مُرید کی استعداد اور اخلاص کے مطابق کچھ عرصہ تلقین فرماکر قلیل عرصے میں اسے مرتبۂ کمال کو پہنچا دیتے اور طالب کے باطن کو تھوڑی ہی مدت میں ماسوائے اللہ سے پاک کر دیتے چنانچہ مُلّا سعید خان کہتے ہیں: ''ایک دن میں نے ''نفحات الاُنس'' میں دیکھا کہ حضرت سیّدالطائفہ کا ایک خلیفہ، جو بعد میں ان کا جانشین بنا، ہر روز کہا کرتا کہ میں نے تیس سال حضرت شیخ جنیدؒ کے لیے مہتر کی ادنیٰ خدمت بجالائی ہے۔ خیال آیا کہ کتنا انکسار اور کس قدر نفس کشی ہے کہ وہ اس قسم کی خدمت بجالایا۔ اور شیخ کی مسند پر بیٹھنے کے بعد بھی یہ بات ہر روز کہتا رہا''۔ یہ کیفیت میں نے حضرت میاںجیو رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کی آپ نے فرمایا: ''یہ کوئی ایسا بڑا کام نہیں جو اس نے کیا، یہ کام تو بہت آسان ہے اور ہر کوئی کر سکتا ہے۔ بڑا کام تو وہ ہے جو سیّدالطائفہ نے کیا کہ اس کے باطن کو ماسوأ اللہ سے پاک کر دیا''۔

حضرت میاںجیو رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے میں تجرید و تفرید اس لیے ہے کہ جو شخص تجرید میں کامل ہو جائے وہ جلد مُراد کو پہنچ جاتا ہے خواجگان بزرگوار رحمہم اللہ کے طریقے میں اسے ''کندن اور پیوستن'' یعنی چھوڑنا اور ملنا کہتے ہیں۔

حضرت میاںجیو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جیسا کہ ظاہر ہے کہ اگر کسی شخص کے سر کا ایک بال ناپاک ہو اور جسم کے تمام اعضا دھو دیے جائیں، ناپاکی باقی رہتی ہے اور وہ پاک نہیں ہو سکتا، اسی طرح اگر کسی نے ترکِ علائق کیا ہو اور ایک بھی دنیاوی اندیشہ اس کے دل میں باقی رہے تو وہ تعلقات سے بَری نہیں ہوتا نہ وہ مجرّد کہلا سکتا ہے۔ اس کی باطنی ناپاکی برقرار رہتی ہے۔

زنو گر ہست مُوی مانع بر جا ... بدان یک مُوی مانی بند بر پای

تو تا یکبارگی جان در نبازی ... جُنب دانم ترا و نا نمازی

(اگر ایک ناپاک بال بھی سر پر باقی ہے تو اس ایک بال کی وجہ سے تو پابہ زنجیر رہے گا
تا وقتیکہ تو ایک ہی بار اپنی جان نثار نہیں کر دیتا میں تمھیں ناپاک اور بے نماز سمجھوں گا)

اِستغنا بغرضِ آزمائش

حضرت میاں جیوؒ کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی شخص خدمت میں حاضر ہوتا تو دریافت فرماتے کہ کیسے آیا ہے؛ اور کیا کام ہے؛ اگر وہ کہتا کہ حضرت کی مُلاقات کے لیے حاضر ہوا ہوں تو اس کی دِلجوئی کرتے اور فرماتے: "آؤ، بیٹھو! کچھ وقت کے بعد ہاتھ اٹھا کر کہتے کہ دعا کرو اور جاؤ" لیکن اگر وہ کہتا کہ طلبِ حق کے خیال سے حاضر ہوا ہوں تو اس کی طرف سے منہ پھیر لیتے، اسے پاس نہ بٹھاتے، واپس چلے جانے کو کہتے اور فرماتے "بابا! حق تعالیٰ کی طلب آسان نہیں۔ یہ بہت جان جوکھوں کا کام ہے۔ جب تک اس کی طلب وجستجو میں یگانہ نہ ہو جاؤ، اسے نہیں پا سکتے"۔

یک خانہ دو مہمان نگنجد

(ایک گھر میں دو مہمان نہیں سما سکتے)

اس کے لیے مجرّد ہونا اور علائق کو چھوڑنا پڑتا ہے

حضرت شاہ (مُلّا شاہ بدخشیؒ) نے فرمایا: "شروع میں جب میں بدخشان سے لاہور آیا اور حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کا اسمِ گرامی سنا تو میرے دل میں ان کے لیے ذوق وشوق پیدا ہُوا اور ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے بہت بے اعتنائی برتی۔ تین سال ان کی خدمت میں حاضری دیتا رہا لیکن انھوں نے کوئی توجہ نہ فرمائی۔ طویل مدّت کی آزمائش کے بعد آخر مجھے مشغولِ حق کیا"۔ یہ خاص طریقہ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ اور اب میرے شاہ (مُلّا شاہ بدخشی) کا ہے کہ شروع میں محبوبانہ شیوہ اختیار کرتے ہیں اور طالب سے عاشق کی سی توقع رکھتے ہیں۔ کچھ مدّت بعد جب اسے عشق میں ثابت قدم پاتے ہیں، تو خود اس کے عاشق ہو جاتے ہیں اور طالب ان کا محبُوب بن جاتا ہے۔ یہ استغنا محض آزمائش کے لیے ہوتا ہے کیونکہ بعض ہوس پیشہ لوگوں کے دل میں طلب گاری تو پیدا ہوتی ہے لیکن کچھ ہی عرصے بعد یہ زائل بھی ہو جاتی ہے چنانچہ حق سبحانہٗ تعالیٰ

اِس قسم کے طالبوں کے متعلق فرماتے ہیں :

وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا [۱]

(اور جو خراب ہے اس کی پیداوار سے بہت کم نکلتا ہے ۔)

یعنی وہ دل کہ متاثر نہیں ہوتا اور قابل نہیں ہوتا ۔ اس میں طلب نہیں ہوتی مگر تھوڑی سی ۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا ۔ اس لیے ضروری ہے کہ طالب کی طلب کامل ہو، طلب میں وہ ثابت قدم رہے اور اپنے آپ کو بھول جائے ۔ شیخ جس قدر استغنا کرے وہ اور زیادہ فریفتہ ہو جائے اور اس کے دل میں ذوق و وجدان بڑھتا جائے ۔

عشوۂ محبوب بس دلکش بود

(محبوب کے ناز و ادا بہت دلکش ہوتے ہیں)

جو لوگ بوالہوس ہیں ، بہت جلد ہمت ہار دیتے ہیں اور ان کی ہوس کی آگ خس کے شعلے کی مانند سرد پڑ جاتی ہے ۔

کاش خُوبان ہمہ از عاشقِ خود جان طلبند
تا بہر بوالہوسے عاشقی آسان نشود

(کاش سب محبوب اپنے عاشقوں سے جان کا مطالبہ کریں تاکہ ہر بوالہوس کے لیے عاشقی آسان نہ رہے)

حضرت میاں بیوؒ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے :

کسے را امتحان ناکردہ صدبار — نگر دانی تو اُو را صاحبِ اَسرار

(جس کا سو بار امتحان نہ کر لیا جائے اسے تو صاحبِ اَسرار مت سمجھ)

شیخ الاسلام رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کو محض خواہش سے حاصل نہیں کیا

---

[۱] قرآن کریم : ۷/ اَلْاَعْرَاف ، ۵۸

جاسکتا لیکن ہاں جو حقیقی طالب ہوتا ہے اسے پالیتا ہے۔

سیّد علاء الدّین اودھی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے فرمایا ہے:

بجست وجوُئے نیابد کسے مُرادِ دلی کسے مُراد بیابد کہ جستجو دارد

اس سے مراد یہ ہے کہ "جو شخص کمالِ طلب اور انتہائی جستجو رکھتا ہے وہ مقصود کو پالیتا ہے محض دل کی طلب سے اسے نہیں پاسکتے"۔ مشائخ سلف رَحِمَهُمُ اللہ اپنے مریدوں کی اسی طرح آزمائش کیا کرتے تھے۔

مرید کے لیے لازم ہے کہ وہ ہمّت نہ ہار بیٹھے بلکہ ثابت قدم رہے۔ مُرید کے ساتھ مُرشد کی جو نسبت ظاہر ہو، خواہ بظاہر اس کی صورت کچھ ہی ہو، باطن میں وہ عینِ حکمت ہوتی ہے۔ جیسے والدین کی تنبیہہ بیٹے کے حق میں اس کی بھلائی کے لیے ہی ہوتی ہے۔ ہر شیخ اپنے مُرید کے حق میں والدین سے بہتر اور مہربان تر ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ شیخ مجدالدّین بغدادی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے حالتِ سُکر میں فرمایا:

"ہم دریا کے کنارے بطخ کے انڈے کی طرح تھے اور ہمارے شیخ نجم الدّین بطخ کی طرح انھوں نے تربیت کے پروں کا ہمیں سایہ دیا، یہاں تک کہ ہم انڈے سے باہر آئے اور دریا میں تیرنا شروع کیا اور شیخ کنارے پر دیکھتے رہے۔ شیخ اپنی کرامت سے حقیقتِ حال سمجھ گئے اور فرمایا کہ "تم دریا ہی میں مرو"۔ لوگ سمجھے شیخ نے مجدالدین کے حق میں بد دعا کی ہے لیکن میں کہتا ہوں، یہ بد دُعا نہیں۔ اگر حضرت شیخ کی زبان سے یہ نہ نکلتا کہ "دریا ہی میں مرو" تو شیخ مجدّالدین کے لیے ایمان و عرفان کا خطرہ تھا (کہ کہیں وہ کبرِ نفس کا شکار ہو جائیں) دریا سے مُراد بحرِ حقیقت ہے اور جو عارف بحرِ حقیقت میں مَرتا ہے وہ دراصل فنا فی الذّات ہو جاتا ہے۔ پس اس اعتبار سے حضرت شیخ نجم الدین کی بات شیخ مجدالدّین کے حق میں بطور دعا تھی چونکہ انھوں نے اپنے وجود کو بحر سے جدا سمجھا تھا اور پھر شیخ نے جو یہ کہا کہ" دریا ہی میں مرو" اس سے مُراد یہ تھی کہ ان کی ہستی دریائے حقیقت

میں فنا ہو جائے۔

رزق من جانب اللہ ہے

کہا جاتا ہے کہ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ ہفتہ دو ہفتہ تک بھی بھوکے رہتے تھے اور اپنا حال کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتے۔ فرماتے تھے کہ تیس سال تک میرے گھر میں کوئی چیز نہیں پکائی گئی۔ ان کا رزق اس آیۂ کریمہ کے مطابق تھا۔

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ[1]

(تمہارا رزق اور جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، آسمان میں ہے)

آپ نے فرمایا، ایک دن میرا بھائی طویل عرصے بعد وطن سے یہاں میرے پاس آیا اسے دیکھ کر میں فکر مند ہوا، کہ میرے پاس اس وقت کوئی مُرید یا مُعتقد نہیں کہ اسے بھائی کے لیے کھانا لانے کو کہوں، نہ میرے پاس ہی کھانے کی کوئی چیز ہے جو اسے کھلا کر مہمان داری کا فرض بجا لاؤں۔ میں نے بھائی سے کہا، آپ حُجرے میں بیٹھیے تو میں آپ کے کھانے کا انتظام کروں۔ میں اٹھ کر باغ میں گیا۔ اور وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی اور دعا کی کہ خدایا! گھر میں مہمان آیا ہے اور میں نے تیری اُمید میں اسے بٹھایا ہے۔ ترے سوائے کوئی مددگار اور مہربان نہیں۔ اتنے میں غیب سے آواز آئی کہ تیری دُعا سے پہلے ہی تیری خواہش پوری کر دی گئی ہے۔ اسی اثناء میں میرا بھائی آیا اور کہنے لگا۔ آپ کے جانے کے بعد ایک شخص کھانا لایا ہے اور آپ کا انتظار کر رہا ہے۔ مجھے بھیجا ہے کہ آپ کو بُلا لاؤں۔ مَیں جب حُجرے میں پہنچا تو ایک خوش وضع جوان کو دیکھا۔ اس نے مجھے سلام کیا اور آہستہ سے کہا کہ حق سُبحانہٗ تعالےٰ نے اپنے کرم سے یہ طعام اور نقدی بھیجی ہے اور فرمایا ہے کہ اس کے بعد جو ضرورت ہو ہم سے مانگنا، ہم قبول کریں گے۔ مَیں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ اس نے جواب میں کہا، مَیں خدا

---

[1] قرآن کریم: ۲۶/الذّٰریٰت، ۲۲

کا ایک بندہ ہوں۔ میں اور میرا بھائی کھانے میں مشغول ہوئے، اسے بھی کھانے کو کہا لیکن اُس نے معذرت کی اور کہا میں روزے سے ہوں۔ ہم کھانا کھا چکے تو اس نے خالی برتن اٹھائے اور سلام کر کے رخصت ہُوا۔ اس کے چلے جانے کے بعد میں سوچتا رہا۔ آخر معلوم ہُوا کہ یہ فرشتہ ہے۔

اِسی قسم کی ایک روایت حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے متعلق ان کے ایک خادم نے بیان کی ہے کہ مہمانداری کی وجہ سے آپ پر دو سو پچاس دینار قرضہ ہو گیا۔ ایک دِن ایک شخص آیا جسے میں نہیں پہچانتا تھا، اجازت مانگے بغیر شیخ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور بیٹھ کر باتیں کرنے لگا۔ پھر کچھ نقدی آگے بڑھا کے کہا: "یہ آپ کے قرض خواہوں کے لیے ہے۔ اس کے بعد وہ چلا گیا۔" شیخ نے مجھے فرمایا: "یہ رقم قرض خواہوں کو ادا کر دو۔" پھر فرمایا "یہ قدرت کا صیرفی (ساہوکار) تھا۔" میں نے عرض کی، قدرت کے صیرفی سے کیا مراد ہے؟ فرمایا "یہ فرشتہ تھا۔ جسے خدا تعالیٰ اولیا کے پاس بھیجتا ہے کہ ان کے قرض چُکا دے۔"

دسترخوان پر مُریدوں کی شمولیت

شروع شروع میں حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی گُزران اس طرح ہوتی تھی جیسا کہ اُوپر ذکر آیا ہے لیکن ایک خادم کے بیان کے مطابق آخر میں اسے صرف ایک قسم کا کھانا پکانے کے لیے ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ خادم برتنوں میں کھانا لے آتا اور آپ سب مریدوں کے ساتھ مِل کر تناول فرماتے۔ اگر کوئی مُرید موجود نہ ہوتا تو اس کا حصہ الگ کر دیتے، خاص طور سے شیخ محمد لاہوری کے لیے۔ فرمایا کرتے تھے "یہ عیال دار آدمی ہے۔"

حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ اکثر اِستغراق میں رہتے تھے۔ دن اور رات میں بہت کم کھاتے تھے۔ جو تھوڑا بہت کھاتے، اس کی بھی خبر نہ ہوتی کہ کیا کھایا ہے۔ آپ باکمال جمالِ ایزدی کے مشاہدے میں اس طرح مُستغرق رہتے کہ اس کے بیان سے زبانِ قلم قاصر ہے، حالتِ استغراق

ہیں کبھی یہ بھی فرماتے کہ آج کیا دن ہے ؛ اور کونسا مہینا ہے ؟

میں نے اپنے شیخ حضرت مُلّا شاہ بدخشی سَلَّمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سے سُنا ہے کہ حضرت میاں جیوءُ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نہایت استغراق میں ہوتے تھے یہاں تک کہ کبھی کبھی اس لُقمے کی بھی خبر نہ ہوتی جو ان کے ہاتھ میں ہوتا۔ اس گروہ کے لوگوں کی رُوحانی غذا اور پرورش عالمِ غیب سے ہوتی ہے۔ ظاہری غذا کے یہ محتاج نہیں۔ ان کی غذا یادِ حق ہے۔ حضرت جب کبھی کچھ کھاتے، حاضرین کا ساتھ دینے کے لیے کھاتے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا کہ ابوالحسن خرقانی ایک بات میں میرے پیر ہیں اور وہ یہ کہ وہ کھاتے اور سوتے تو ہیں لیکن ان کا کھانا اور سونا کچھ اور ہی رنگ کا ہے۔

حضرت میاں جیوءُ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ قلیل مقدار میں فُتوح قبول کر لیا کرتے تھے۔ اس کا کچھ حصہ اپنے لیے صرف کرتے، باقی حاجت مندوں کو دے دیتے اگر کوئی مُعتقد یا کوئی مُتموّل شخص اپنے رزقِ حلال کا کچھ حصہ اعتقاد اور نیازمندی کی بنا پر لے کر آتا تو قبول فرما لیتے اور پکا ہُوا کھانا جہاں سے آتا تناول فرما لیتے۔ کبھی کبھی یہ شعر زبان پر آتا۔

گر شود عالم پُر از خون مال مال   کَے خُورد مردِ خدا اِلّا حلال

(اگر جہاں خون سے پُر اور مالا مال ہو جائے تو بھی مردِ خدا حلال کے سوا اور کچھ نہیں کھاتا)

ایک دن مُلّا عصمت اللہ نے حضرت میاں جیوءُ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کی خدمت میں عرض کی کہ یہی مضمون اس حدیث کا ہے۔

"لَوِامْتَلَأَ الْاَرْضُ دَمًا عَبِیْطًا فَمَا کَانَ رِزْقُ الْاَوْلِیَاءِ اِلَّا الْحَلَالَ الْمُطْلَقَ اَوِالْخَالِصَ"

(اگر رُوئے زمین خون سے پُر اور مالا مال ہو جائے تو بھی مردِ خدا حلال کے سوا کچھ نہیں کھاتا)

مُلّا معصوم اس وقت موجود تھے انھوں نے کلامِ مجید کی یہ آیت پڑھی :

لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ [۱]

جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال کیے ان کے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں جو انھوں نے کھا لیا جب کہ وہ تقویٰ سے کام لیں اور ایمان لائیں اور اچھے عمل کریں پھر تقوے سے کام لیں اور ایمان لائیں پھر تقوے سے کام لیں اور اچھے کام کریں اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں سے محبت کرتا ہے

کوئی شخص اگر لگاتار کھانا لاتا تو اسے منع فرما دیتے۔ منع کرنے کا سبب ایک خادم نے پوچھا تو فرمایا، جو شخص لگاتار کوئی چیز بھیجتا ہے تو دل کو اس سے امید لگ جاتی ہے۔ توکل ہاتھ سے جاتا رہتا ہے اور خطرۂ نفس پیدا ہو جاتا ہے۔

یہ جو حضرت نے فرمایا کہ خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، یہ اس وجہ سے نہیں کہ حضرت کی خاطرِ مبارک کو خطرہ پیدا ہو سکتا تھا بلکہ یہ کلمہ یاروں اور طالبوں کی تعلیم کے لیے فرمایا۔ حضرت کی خاطرِ مبارک خطرے سے پاک تھی۔ بلکہ یہ کہا جا سکتا تھا کہ حضرت کی ذات خطراتِ نفس سے بالاتر تھی۔ آپ کے سب اصحاب اس طریقے پر عمل پیرا تھے۔

نذرانوں سے پرہیز

زمانے بھر کے سلاطین، اُمرا، خواص اور عوام آپ سے عقیدت رکھتے تھے۔ لوگ ہمیشہ نذر نیاز لے کر حضرت کی بابرکت خدمت میں چلے آتے تھے۔ سلاطین اور اُمرا کی کوئی نذر قبول نہ فرماتے۔ اگر ان میں سے کوئی نقدی لاتا تو فرماتے: "مجھے فقیر سمجھا ہے کہ یہ نقدی لائے ہو؟ میں فقیر اور مُستحق نہیں، غنی ہوں۔ جس کا خدا ہو، وہ فقیر نہیں۔ یہ لے جاؤ اور کسی مُستحق کو دے دو۔"

دنیا کو جس قدر حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ حقیر سمجھتے تھے اتنا حقیر اور کوئی نہیں سمجھتا آپ کا طریقہ یہ تھا کہ عام لوگوں کے لیے ان کا دروازہ بند تھا اور دنیا داروں سے پرہیز کرتے تھے۔ جوانی کے ایّام میں تمام دن باغوں اور جنگلوں میں گزارتے۔ نمازِ مغرب کے بعد جب حُجرے میں تشریف

---

[۱] قرآن کریم ۵/۹۳

فرما ہوتے تو دروازے کو اندر سے زنجیر لگا دیتے۔ بڑھاپے میں جب گھٹنے کے درد کی وجہ سے باہر جانے اور چلنے پھرنے میں تکلیف ہوتی تو دن کے وقت بھی حُجرے ہی میں ہوتے اور دروازہ اندر سے بند رہتا۔

فرد

در بروئے غیر او بربستہ بود　　　زین جہت از جملہ عالم رستہ بود

(انھوں نے غیر کے لیے دروازہ بند کر دیا تھا گویا اس طرح انھوں نے سب دنیا سے چھٹکارا پا لیا)

اگر کوئی شخص خدمت میں حاضر ہونے پر اصرار کرتا تو بموجب حدیث نبویؐ:

"مَنْ قَرَعَ بَابَ الْكَرِيْمِ وَلَجَ وَلَجَ"

(جو شخص کسی کریم کا دروازہ برابر کھٹکھٹاتا رہیگا آخر اندر چلا جائے گا۔)

اسے خدمت میں آنے کی اجازت دے دیتے لیکن اسی وقت اس کے حق میں دعا کر کے اسے رخصت کر دیتے اور فرماتے: "یارو! تمھارے اپنے بھی شغل اور کام ہوں گے۔ اسی طرح ہمارے بھی کام ہیں اب جاؤ۔ اپنے کام میں مشغول ہو جاؤ اور ہم اپنے کام میں مشغول ہو جائیں"۔

حُضورِ قلب

آپ کے اوقاتِ گرامی اس طرح تھے کہ کوئی لمحہ حُضورِ قلب کے بغیر نہیں گزرتا تھا کبھی کبھی یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

یک نفس بی او برآوردن خطاست　　　چہ بہ کج رُو باز مانی چہ براست

چون ترا خود اندک آمد بند راہ　　　چہ بہ کوہی باز مانی چہ بہ بکاہ

(اُس کے بغیر سانس لینا بھی خطا ہے خواہ اس کی طرف سے منہ موڑو یا کہ اس کی طرف منہ کرو جب تمھارے لیے راستہ بند ہے تو خواہ پہاڑ کی وجہ سے بند ہے یا تنکے کی وجہ سے)

چنانچہ کہتے ہیں ایک دن کچھ عالم لوگ آپ کی خدمت میں موجود تھے۔ "اَلتَّعْظِيْمُ لِاَمْرِ اللّٰهِ

اَلشَّفْقَۃُ عَلیٰ خَلْقِ اللہِ" (امرِالٰہی کی تعظیم اور خلق اللہ پر شفقت ضروری ہے) کا ذکر آیا تو حضرت نے ایک عالم شخص سے اس کا مطلب دریافت فرمایا۔ انھوں نے کہا: "امرِ خدا کی تعظیم یہ ہے کہ جو امر ہو اسے بجا لایا جائے اور خدا کے بندوں پر مہربانی کی جائے"۔ فرمایا: "کیا اس سے کوئی اور بہتر مفہوم ہو سکتا ہے؟"۔ اُنھوں نے عرض کیا: "آپ اپنی زبان مبارک سے فرمائیے"۔ آپ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ کا امر روح ہے، چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے"

"قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ[۱]

(آپ فرما دیجیے کہ رُوح میرے رب کے حکم سے بنی ہے)

پس اس کی تعظیم یہ ہے کہ روح کو یادِ حق سے غافل نہ ہونے دیا جائے اور خطراتِ نفس کو رفع کیا جائے اور خلق سے مُراد خلقت یعنی اعضا و جوارح مُراد ہیں۔ پس اعضا و جوارح پر شفقت یہ ہے کہ شرع کے خلاف کوئی ناشائستہ فعل سرزد نہ ہو اور انسان لذّاتِ دنیا کا حریص نہ بنے تاکہ یہ خلقت عذابِ عاقبت میں گرفتار نہ ہو جائے اور اس آیۂ کریمہ کے بموجب:

قُلِ اللہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ فِیْ خَوْضِھِمْ یَلْعَبُوْنَ[۲]

(آپ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے پھر ان کو ان کے مشغلہ میں بیہودگی کے ساتھ لگا رہنے دیجیے)

حق سُبحانہٗ تعالیٰ اپنے پیغمبر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کو غیر کی طرف توجہ کرنے سے منع فرماتے ہیں تاکہ غیر کی توجہ سے فارغ ہو کر ہمیشہ اس اسم میں مشغول رہیں۔

اہلِ اسلام کے آخری غزوہ میں جب حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ عَنْہُ خرما کا چھلکا پہنے ہوئے آئے اور جو کچھ ان کے پاس تھا مسلمانوں کے مصارف کے لیے لے آئے تو نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ

---

[۱] قرآن کریم ۱۵/بَنِیْ اِسْرَاءِیْل، ۸۵

[۲] قرآنِ کریم: ۷/اَلْاَنْعَام، ۹۱

نے دریافت فرمایا "یا ابوبکر! اپنے لیے بھی کچھ چھوڑا ہے"؟ عرض کی: "اللہ"!

سید الطائفہ جنید قدس اللہ سرہٗ، تیس سال تک راتوں کو کھڑے ہو کر اَللّٰہ اَللّٰہ کا وِرد کرتے رہے! اور جب بغداد میں بدکرداری حد سے بڑھی تو شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں کہا گیا کہ اگر تم ان کے مابین نہ ہوتے اور اَللّٰہ اَللّٰہ کا وِرد نہ کرتے تو ایسی آفت آتی کہ بغداد کے تمام لوگ ہلاک ہو جاتے۔ جو شخص اَللّٰہ کہتا ہے یہ اسمِ اعظم اس کے لیے کافی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ امام الموحدین ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ لگاتار اَللّٰہ اَللّٰہ کا ورد کرتے تھے لوگوں نے پوچھا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کیوں نہیں کہتے؛ آپ نے جواب دیا مجھے اَللّٰہ کا کوئی غیر نظر نہیں آتا کہ اس کی نفی کروں۔

ایک دن شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالرحمٰن خراسانی سے دریافت کیا، کہ اے خراسانی! کیا تم نے شبلی کے بغیر کسی کو دیکھا ہے جو صرف اَللّٰہ اَللّٰہ کہے اور بس؛ عبدالرحمٰن بولے کہ میں نے تو شبلیؒ کو بھی اَللّٰہ اَللّٰہ کہتے نہیں دیکھا۔ شبلیؒ یہ سن کر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

شیخ ابوبکر نے یہ فرمایا:

"اِذَا قُلْتَ اللّٰہُ فَھُوَ اللّٰہُ وَاِذَا سَکَتَّ فَھُوَ اللّٰہُ یَا اَللّٰہُ یَا اَللّٰہُ یَا مَنْ ھُوَ وَلَا یَعْلَمُ مَا ھُوَ اِلَّا ھُوَ سُبْحَانَہٗ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ"

(جس وقت تو اَللّٰہ کہے اس وقت بھی وہ اَللّٰہ ہے اور جب تو چُپ رہے تو بھی وہ اَللّٰہ ہے یا اللہ یا اللہ اے وہ! کہ کون ہے وہ اور سوائے جس کے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے) اور غش کھا کر گر پڑے۔

کم گوئی کی تلقین

حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ بہت کم بولتے تھے۔ راہ چلتے ہوئے اگر اصحاب ایک دُوسرے سے باتیں کرتے تو آپ کو ناگوار گزرتا تھا۔ آپ انھیں منع کرتے اور فرماتے کہ آپس میں

باتیں کرنے سے دل شغلِ حق سے غافل ہو جاتا ہے۔ حرف و حکایت کی خاطر تم کیوں حق سُبحانَہٗ وَتعالیٰ کی یاد سے محروم ہوتے ہو۔ نیز اصحاب کو فرماتے کہ بازاروں اور گزرگاہوں میں دو اکٹھے مِل کر نہ چلو۔ اگر تنہا چلوگے تو یادِ الٰہی میں مشغول رہ سکوگے۔

آپ کسی کے گھر آتے جاتے نہ تھے۔ فرماتے تھے: "جو شخص اپنے گھر میں دوسروں کے آنے سے بیزار ہو، وہ خود دوسروں کے گھروں میں کیوں جائے گا!"

دنیا داروں کو حضرت کی نظرِ فیض اثر پر اعتقاد نہ تھا۔ چنانچہ جب وزرائے سلطنت میں سے ایک نے کہا کہ کبھی خوش وقتی میں مجھے بھی یاد فرمایئے۔ حضرت نے شیخ خضرؒ کا قول یاد کرتے ہوئے فرمایا: "ایسے وقت پر خاک پڑے کہ تیرا خیال میرے دل میں آئے۔"

جہانگیر بادشاہ کی آپ سے عقیدت

کہتے ہیں جہانگیر بادشاہ نے باوجودیکہ وہ اولیاء اور درویشوں پر اعتقاد نہ رکھتے تھے بلکہ ان کو تکلیف پہنچاتے اور ان سے اچھا سلوک بھی نہیں کرتے تھے، اپنے ایک خاص شخص کو حضرت میاں جیوؒ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی خدمت میں بھیجا اور اپنے ہاں تشریف لانے کی التماس کی۔ یہ عذر بھی کیا کہ لاہور کے قیام کے دوران اگر آپ کا اسمِ شریف سن پاتا، تو خود حاضری دیتا لیکن اب جو وہاں سے آگیا ہوں واپس لاہور آنا ممکن نہیں۔ آپ خود تشریف لاکر ممنون فرمائیں۔ حضرت میاں جیوؒ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے حدیث نبویؐ کے بموجب "مَنْ دُعِیَ فَلْیُجِبْ" (جو بلائے اسے قبول کرے) دعوت قبول کی اور بادشاہ کے ہاں گئے۔

درویش کی گفتگو کا اثر شاہ پر

بادشاہ نے خلافِ عادت حضرت کی بدرجۂ کمال تعظیم کی۔ کچھ عرصہ (شاہ و درویش) اکٹھے رہے اور باتیں ہوتی رہیں۔ حضرت نے انھیں پند و نصیحت کی۔ جس کا بادشاہ کے دِل پر ایسا اثر ہوا

کہ کہنے لگے سلطنت، جاہ و حشمت، مال و جواہر، جو کچھ میرے پاس موجود ہے، میری نظر میں سنگ و خس کے برابر ہے۔ اگر حضرت توجہ فرمائیں تو میں علائق دنیا کو ترک کر دوں۔

حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "صوفی کامل وہ ہوتا ہے جس کی نظر میں سنگ و خس برابر ہوں اب جو تم نے کہا کہ سنگ و خس تمھاری نظر میں یکساں ہیں، تو تم صوفی ہو"۔ بادشاہ نے کہا: "میاں جیو"! آپ کیوں ایسی دلیلیں پیش کر کے مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں"؟ آپ نے فرمایا: "تمھارا وجود خلق اللہ کی پاسبانی کے لیے لازم ہے۔ تمھارے عدل کی برکت سے فقراء بھی جمعیت خاطر سے اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں"۔

بادشاہ نے کہا: میاں جیو"! البتہ توجہ فرمائیے۔ حضرت نے کہا: "تم پاسبانِ خلق کے لیے اپنے جیسا کوئی اور مہیا کر لو تو میں تمھیں ساتھ لے جا کر مشغول کر دونگا"۔ بادشاہ کو یہ بات بہت پسند آئی اور کہا کچھ فرمائش بتائیے۔ حضرت نے فرمایا: "جو طلب کروں وہ دو گے"؟

بادشاہ نے کہا: "بسر و چشم"! آپ نے فرمایا: "بس یہ چاہتا ہوں کہ مجھے رخصت دے دو"۔ بادشاہ نے اسی وقت پورے پورے احترام سے آپ کو رخصت کیا اور آپ وداع ہو کر لاہور تشریف لے آئے۔

اس صحبت میں بادشاہ نے حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کی بابرکت پند و نصائح سے فیض پایا تھا اس لیے دوسری بار بھی حضرت کی ملاقات کی خواہش کی۔ انھوں نے دو نیاز نامے حضرت کی خدمت میں بھیجے تھے۔ ایک ملاقات سے پہلے اور دوسرا ملاقات کے بعد۔ پہلے نیاز نامے کا مضمون یہ تھا:

"یہ مخلصِ حقیقی عرضِ نیاز کے بعد اپنا خلوص حضرت تک پہنچانے کی سعادت
حاصل کر رہا ہے یہ بھی خواہش ہے کہ حضرت کی ملاقات نصیب ہو"

آخر میں یہ الفاظ تھے :

"نوشتہ جہانگیر بن اکبر شاہ حضرت پیر دستگیر شیخ میر کے حضور پہنچے۔"

دوسرے رقعے کا مضمون یہ ہے :

"حضرت پیر دستگیر شیخ میرؒ کی خدمت میں بارگاہِ الٰہی کے نیاز مند جہانگیر کی طرف سے بعد از دُعا التماس ہے کہ مجھے دعا کے وقت گاہے گاہے یاد فرما لیا کریں نیز عرض ہے کہ خدا کے بندوں کو ظالم، راہ گم کردہ کے ہاتھ سے نجات دلادیں۔ جو شخص بدعہدی کرتا ہے امید ہے وہ غضبِ الٰہی میں گرفتار ہوگا...... آمین"

یہ رقعہ اس وقت لکھا گیا جب والیٔ ایران نے قندھار پر چڑھائی کی تھی۔

شاہجہان بادشاہ درویش کے حُجرے میں

بادشاہِ اسلام حضرت جہانگیر کی وفات کے بعد ان کے جانشینِ برحق، شہابُ الدین محمد شاہجہان بادشاہ نے جب دو مرتبہ حضرت میاں جیوؒ رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ کے ہاں جا کر شرفِ ملاقات حاصل کیا تو دونوں صحبتوں میں یہ فقیر موجود تھا۔ ان صحبتوں میں بہت سی لطیف اور سُود مند باتیں ہوئیں۔ آپ نے کچھ نصیحتیں بھی کیں۔ حضرت میاں جیوؒ رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ کی صحبت نے ایسا اثر کیا کہ بادشاہ ہمیشہ کہتے تھے کہ ہم نے ترک و تجرید اور بے نیازی و بے تعلقی میں حضرت میاں جیو رح کی مانند کوئی درویش نہیں دیکھا۔

جس وقت بادشاہ حضرت کے حُجرے میں داخل ہُوئے تو چار آدمی ساتھ تھے۔ سب سے پہلے جو آپ نے فرمایا، یہ تھا کہ بادشاہانِ عادل کے لیے لازم ہے کہ رعیّت اور مملکت کی خبر گیری کریں اور اپنی ولایت کی آبادی اور خوش حالی میں تن دہی سے مصرُوف رہیں کیونکہ اگر رعیّت خوش حال اور ملک آباد ہوگا تو سپاہ آسُودہ اور خزانہ معمور ہوگا۔ ان باتوں کے بعد دین و ملّت کے مسئلے پر

گفتگو ہوتی رہی۔

ایک مرتبہ اس فقیر (دارا شکوہ) کو بیماری لاحق ہوئی۔ علاج کرنے سے طبیب عاجز آگئے۔ بیماری نے چار ماہ تک طول پکڑا۔ فقیر کو اب تک حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ سے نیاز حاصل نہیں ہوا تھا اور انھیں پہچانتا بھی نہ تھا۔ بادشاہ مجھے اپنے ساتھ حضرت کی خدمت میں لے گئے اور کمالِ اخلاص اور نیازمندی کے ساتھ التماس کی کہ اس فقیر کی شفا اور صحت کے لیے دعا فرمائیں۔ بادشاہ نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا: "حضرت میاں جیوؒ! میرا یہ بڑا بیٹا آپ کا معتقد ہے۔ طبیب اس کے علاج سے عاجز آگئے ہیں، حضور توجہ فرمائیں۔" حضرت نے میرا ہاتھ پکڑا۔ پھر مٹی کا پیالہ، جس میں خود پانی پیا کرتے تھے، پانی سے بھر کر ہاتھ میں لیا۔ اس پر دعا پڑھی اور پانی پینے کے لیے پیالہ اس فقیر کو دیا۔ پانی پینے کے ایک ہفتہ بعد میری سب بیماری جاتی رہی اور صحت ہوتی گئی۔ اسی ہفتے پھر میں نے حضرت کی خدمت میں کسی کو بھیج کر کامل صحت یابی کی دعا کے لیے التماس کی۔ حضرت نے فرمایا: "ان چار دنوں میں — فلاں وقت اور فلاں ساعت کامل شفا حاصل ہو جائے گی۔" آپ کے ارشاد کے مطابق اسی روز اور عین اسی وقت مجھے خدا نے شفائے کامل عطا کی۔

حضرتِ بادشاہ کچھ وقت حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ٹھہرتے۔ پھر حضرت دعا پڑھتے اور انھیں رخصت کرتے۔

دوسری مرتبہ جب بادشاہ حضرت کے ہاں گئے تو یہ فقیر اور وہی لوگ جو پہلی مرتبہ ساتھ آئے تھے، ہمراہ تھے۔ بہت لطیف اور خوشگوار باتیں ہوئیں۔ بادشاہ نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ توجہ فرمائیں کہ دنیا سے دل ہٹ جائے۔ آپ نے فرمایا کہ "جب آپ کوئی نیک عمل کریں جس سے مسلمانوں کا دل آسودہ ہو، اس وقت اپنے لیے خود دعا کریں اور خدا سے خدا کے سوا اور کچھ نہ مانگیں۔" پھر یہ شعر پڑھا:

ہم خدا خواہی وہم دُنیائے دُون　　　این خیال است ومحال است وجنون

(تم خدا کو بھی چاہتے ہو اور دنیائے دُوں کو بھی۔ ان کا اکٹھا ہونا محض خیال ہے محال ہے اور جنون ہے)

شیخ بلاول اکابرِ شہر میں سے تھے، شب بیدار اور صائم الدہر تھے اکثر ریاضت کیا کرتے تھے بادشاہ اِنھیں دنوں ان کے ہاں بھی گئے تھے۔ جب انھوں نے حضرت میاں جیو رح سے شیخ بلاول کے حالات دریافت کیے تو آپ نے فرمایا "میں نے ان کے پیر کو بھی دیکھا ہے۔ چار رکعت نماز جو وہ ادا کرتے، وہ بھی بے خطرہ نہیں ہوتی تھی بے خطرہ نماز وہ ہے کہ نماز کے دوران حق تعالیٰ کے سوائے دل میں اور کوئی خیال نہ آئے"۔ باخطرہ نماز کو حضرت نہ صرف یہ کہ قبول نہ کرتے تھے بلکہ اسے پسند بھی نہ کرتے تھے۔ بموجب حدیث نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ:

لَاصَلوٰۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ (کوئی نماز نہیں سوائے حضور قلب کے)

عبدالحکیم سیالکوٹیؒ کا اعتراض

ایک دن مُلّا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ حضرت میاں جیو رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ حضرت فرما رہے تھے کہ خداوند تعالیٰ کو پانے کے دو طریقے ہیں۔ پہلا جذبہ ہے کہ حق تعالیٰ یکبارگی بندے کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اسے اپنے میں واصل کر لیتا ہے۔ دوسرا طریقہ سلوک ہے۔ اس سے مراد ریاضت و مُجاہدہ ہے یعنی کسی بزرگ کا دامن پکڑنے سے بھی حق تعالیٰ تک پہنچا جا سکتا ہے۔ اس طریقے میں پہلا مقام "ملکُوت" ہے جب سالک ریاضت و مُجاہدہ کر کے اس مقام پر یعنی عالمِ ملکُوت کے کشف کے مقام پر پہنچتا ہے تو اس کا پیر، جس نے اسے شغل کا طریقہ بتایا ہے، اسے جنگلوں میں بھیج دیتا ہے کہ جنگل یا باغ میں تنہا مشغولِ ریاضت رہے تاکہ مخلوقات سے بے تعلق ہو جائے اور ان سے اجتناب کرنے لگے اور خالق کا اسے قُرب حاصل ہو جائے۔ مُلّا عبدالحکیم یہ سن کر کہنے لگے کہ اس طریقے سے نماز باجماعت تو ادا نہیں ہو سکتی۔ آپ نے فرمایا: "تعجّب ہے

کہ تم ایسی بات کہہ رہے ہو! مسلمان کے لیے لازم ہے کہ اوّل نماز کی تحقیق کرے اور حضورِ قلب حاصل کرے تاکہ اس کی نماز درست ہو جائے کیونکہ حدیث نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ میں ہے کہ جب تک حضورِ قلب نہ ہوگا اور نماز کی حقیقت کو نہ سمجھے گا، نماز باجماعت سے اسے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اگر نماز کے طریقے واقعی جان لے اور اُسے حضورِ قلب حاصل ہو جائے تو وہ نماز باجماعت نماز سے بہتر ہے ہم جب جنگل میں مشغولِ ذکر ہوتے ہیں تو کبھی ایسا نہیں ہُوا کہ نمازِ باجماعت ادا نہ ہو۔ ہمارے اصحاب جو اِدھر اُدھر جاکر درختوں کے نیچے یا گوشوں میں مشغولِ ذکر ہوتے ہیں، نماز کے وقت سب ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ اور نمازِ باجماعت ادا کرتے ہیں۔"

بادشاہ ایک بار اور آکر حضرت میاں جیو رَحمۃُ اللّٰہ عَلَیہ کی خدمت میں بیٹھے اور پھر رخصت ہو آئے۔ میاں شیخ محمد لاہوری کہتے ہیں کہ جب بادشاہ حضرت کے حجرے سے نکلے تو مَیں نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ صحبت کیسی رہی؟ فرمایا، بادشاہ اپنی ذات میں کامل اور مظہرِ خاص ہوتے ہیں لیکن ان کے یہاں آنے، ان سے ملنے اور ان کے ساتھ باتیں کرنے سے مجھ میں کوئی فرق نہیں آتا، جس کام میں مصروف ہوں، بدستور مصرُوف رہتا ہوں۔ صوفی کامِل ہو جائے تو اس کا دل خطرات سے پاک ہو جاتا ہے۔ کوئی چیز اسے ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ وہ خود بادشاہ ہوتا ہے۔ (دنیاوی) بادشاہ اس کی نظر میں کیونکر آسکتا ہے۔ سب بادشاہ اس سے مسخّر ہو جاتے ہیں۔

مَنْ لَہُ الْمَوْلٰی فَلَہُ الْکُلُّ

(جس کا خدا ہے اس کا سب کوئی ہے)

حضرت کی خدمت میں شاہجہان کا نذرانۂ عقیدت

اب کی دفعہ بادشاہ نے حضرت کو شال کی ایک دستار اور خُرما کی ایک تسبیح بطورِ نذر پیش کی اور یہ عرض کی کہ آپ مالِ دنیا قبول نہیں فرماتے، یہ نذر تو میری طرف سے قبول فرمالیجیے۔ حضرت نے

ہم خدا خواہی و ہم دُنیائے دُون   این خیال است و محال است و جنون

(تم خدا کو بھی چاہتے ہو اور دنیائے دُوں کو بھی۔ ان کا اکٹھا ہونا محض خیال ہے محال ہے اور جنون ہے)

شیخ بلاول اکابر شہر میں سے تھے، شب بیدار اور صائم الدہر تھے اکثر ریاضت کیا کرتے تھے۔ بادشاہ اِنھیں دنوں ان کے ہاں بھی گئے تھے۔ جب انھوں نے حضرت میاں جیُوؒ سے شیخ بلاول کے حالات دریافت کیے تو آپ نے فرمایا "میں نے ان کے پیر کو بھی دیکھا ہے۔ چار رکعت نماز جو وہ ادا کرتے، وہ بھی بے خطرہ نہیں ہوتی تھی۔ بے خطرہ نماز وہ ہے کہ نماز کے دوران حق تعالیٰ کے سوائے دل میں اور کوئی خیال نہ آئے"۔ باخطرہ نماز کو حضرت نہ صرف یہ کہ قبول نہ کرتے تھے بلکہ اسے پسند بھی نہ کرتے تھے۔ بموجب حدیث نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ:

لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ (کوئی نماز نہیں سوائے حضور قلب کے)

عبدالحکیم سیالکوٹیؒ کا اعتراض

ایک دن مُلّا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ حضرت میاں جیُو رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ حضرت فرما رہے تھے کہ خداوند تعالیٰ کو پانے کے دو طریقے ہیں۔ پہلا جذبہ ہے کہ حق تعالیٰ یکبارگی بندے کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اسے اپنے میں واصل کر لیتا ہے۔ دوسرا طریقہ سلوک ہے۔ اس سے مراد ریاضت و مُجاہدہ ہے یعنی کسی بزرگ کا دامن پکڑنے سے بھی حق تعالیٰ تک پہنچا جا سکتا ہے۔ اس طریقے میں پہلا مقام "ملکُوت" ہے جب سالک ریاضت و مُجاہدہ کر کے اس مقام پر یعنی عالمِ ملکُوت کے کشف کے مقام پر پہنچتا ہے تو اس کا پیر جس نے اسے شغل کا طریقہ بتایا ہے، اسے جنگلوں میں بھیج دیتا ہے کہ جنگل یا باغ میں تنہا مشغولِ ریاضت رہے تاکہ مخلوقات سے بے تعلق ہو جائے اور ان سے اجتناب کرنے لگے اور خالق کا اسے قُرب حاصل ہو جائے۔ مُلّا عبدالحکیم یہ سن کر کہنے لگے کہ اس طریقے سے نماز باجماعت تو ادا نہیں ہو سکتی۔ آپ نے فرمایا: "تعجّب ہے

کہ تم ایسی بات کہہ رہے ہو! مسلمان کے لیے لازم ہے کہ اوّل نماز کی تحقیق کرے اور حضورِ قلب حاصل کرے تا کہ اس کی نماز درست ہو جائے کیونکہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ہے کہ جب تک حضورِ قلب نہ ہوگا اور نماز کی حقیقت کو نہ سمجھے گا، نماز باجماعت سے اسے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اگر نماز کے طریقے واقعی جان لے اور اُسے حضورِ قلب حاصل ہو جائے تو وہ نماز باجماعت نماز سے بہتر ہے ہم جب جنگل میں مشغولِ ذکر ہوتے ہیں تو کبھی ایسا نہیں ہُوا کہ نمازِ باجماعت ادا نہ ہو۔ ہمارے صحاب جو اِدھر اُدھر جا کر درختوں کے نیچے یا گوشوں میں مشغولِ ذکر ہوتے ہیں، نماز کے وقت سب ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ اور نمازِ باجماعت ادا کرتے ہیں۔"

بادشاہ ایک بار اور آ کر حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھے اور پھر رخصت ہو آئے۔ میاں شیخ محمد لاہوری کہتے ہیں کہ جب بادشاہ حضرت کے حجرے سے نکلے تو میں نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ صحبت کیسی رہی؟ فرمایا، بادشاہ اپنی ذات میں کامل اور مظہرِ خاص ہوتے ہیں لیکن ان کے یہاں آنے، ان سے ملنے اور ان کے ساتھ باتیں کرنے سے مجھ میں کوئی فرق نہیں آتا، جس کام میں مصروف ہوں، بدستور مصروف رہتا ہوں۔ صوفی کامل ہو جائے تو اس کا دل خطرات سے پاک ہو جاتا ہے۔ کوئی چیز اسے ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ وہ خود بادشاہ ہوتا ہے۔ (دنیاوی) بادشاہ اس کی نظر میں کیونکر آ سکتا ہے۔ سب بادشاہ اس سے مسخر ہو جاتے ہیں۔

مَنْ لَہُ الْمَوْلٰی فَلَہُ الْکُلُّ

(جس کا خدا ہے اس کا سب کوئی ہے)

حضرت کی خدمت میں شاہجہان کا نذرانۂ عقیدت

اب کی دفعہ بادشاہ نے حضرت کو شال کی ایک دستار اور خرما کی ایک تسبیح بطور نذر پیش کی اور یہ عرض کی کہ آپ مالِ دنیا قبول نہیں فرماتے، یہ نذر تو میری طرف سے قبول فرمالیجیے۔ حضرت نے

دستار لوٹادی مگر تسبیح قبول کرلی اور پھر وہ تسبیح اس با اخلاص مُرید کو عنایت فرمائی۔

اس مرتبہ اس فقیر کو حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اخلاص و اعتقاد حاصل ہو چکا تھا جب بادشاہ اور ان کے ہمراہی حضرت کے بالاخانے کی طرف آئے تو اس فقیر نے جوتا اتار لیا اور اس خانۂ مبارک کو وادیٔ مقدس سمجھ کر برہنہ پا آیا۔ بادشاہ سے باتیں کرتے ہوئے حضرت لونگ چباتے اور پھینک دیتے۔ حاضرین میں سے بعض پر یہ بات گراں گزرتی لیکن یہ فقیر کمالِ اخلاص و ارادت سے انھیں جمع کر کے کھا لیتا۔ اس وقت سے اس فقیر کے دل میں دُنیا سے بے تعلقی اور حضرت میاں جیوؒ رحمۃ کے اس گروہ کے ساتھ اخلاص بڑھتا گیا۔ ان کی برکت سے دل میں عظیم اثرات پیدا ہُوئے اور جو کچھ مجھے پانا تھا، پالیا۔ اسی برکت سے زبان کو قوتِ بیان حاصل ہوئی اور طبیعت موزوں ہوگئی۔ میں امیدوار ہوں کہ قیامت کے دن ان کے گداؤں میں شمار کیا جاؤں۔

شاہزادہ داراشکوہ کی طرف التفات

جب بادشاہ ہمراہیوں کے ساتھ حضرت سے رخصت ہو کر باہر آئے تو یہ فقیر تنہا حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا اور اپنا سر ان کے پائے مبارک پر رکھ دیا۔ آپ کمالِ بشاشت اور خوشحالی سے دستِ مبارک میرے سر پر پھیرتے رہے گویا فقیر کے سر کو عرشِ معلّٰی تک پہنچا دیا اور بہت مہربانی فرما کر رخصت کیا۔

آپ کے بعض اصحاب نے مجھے بتایا کہ جب حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ نے سنا کہ میں برہنہ پا آیا تھا تو بہت خوش ہُوئے۔

میاں حاجی نے مجھے بتایا کہ جب بادشاہ حضرت سے رخصت لے کر چلے گئے تو حضرت نے تمھارا نام لے کر فرمایا، ہمیں بھول ہی گیا ورنہ فلاں شخص کی سفارش بادشاہ سے کر لیتے لیکن پھر خود ہی فرمایا: "اس کی کیا حاجت ہے! اس کی سفارش ہم نے خدا کے حضور میں کی ہے۔ یہی

کافی ہے۔"

گر برتنِ من زبان شود ہر موئے　　یک شکرِ تو از ہزار نتوانم

(اگر میرے جسم کا ہر رونگٹا زبان بن جائے تو ہزاروں شکروں میں سے ایک بھی ادا نہ کر سکوں)

حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ اس با اخلاص، عقیدت مند مُرید (دارا شکوہ) کے حق میں بے حد شفقت اور بے نہایت عنایت فرماتے تھے چنانچہ ایک دن اپنے خاص یاروں اور مُریدوں، مُلا صالح، شفیع احمد، میاں حاجی بنیانی وغیرہم سے فرمایا کہ فلاں کے حق میں ہمیشہ میری توجہ رہتی ہے، تم بھی ہمیشہ اس کی طرف توجہ رکھا کرو اگر اس سے رُوگردانی کرو گے تو اپنے خدا سے رُوگردانی کرو گے۔

ایک دن اس فقیر کے مُتعلّقین میں سے ایک شخص حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت کا طریقہ یہ تھا کہ جو بھی خدمت میں حاضر ہوتا، اس کا نام دریافت فرماتے، پھر دُعا کر کے اسے رخصت کر دیتے۔ اس شخص نے کہا: میں فلاں (دارا شکوہ) کا ملازم ہوں۔ اگر وہ مجھ سے پوچھیں کہ حضرت نے کیا فرمایا، تو میں کیا جواب عرض کروں؟ فرمایا "خُوب! تم اس کے ملازم ہو، تو بیٹھ جاؤ" اسے اپنے قریب جگہ دے کر یہ مصرع پڑھا:

اے گُل بتو خرسندم تو بُوئے کسے داری

(اے پھول تجھے دیکھ کر خوش ہوں کہ تو کسی کی خوشبو لیے ہوئے ہے)

اور پھر اس پر کمال مہربانی فرمائی۔ اس نے عرض کیا: "مجھے کچھ سکھائیے!" حضرت نے فرمایا: "ہمیشہ اپنے آقا کی صورت سامنے رکھ کر مُراقبہ کیا کرو۔"

میاں خواجہ بہاری نے فرمایا کہ میں نے کبھی حضرت کے ہاتھ میں تسبیح نہیں دیکھی تھی۔ ایک دن دیکھا کہ آپ کے ہاتھ میں تسبیح ہے اور کچھ ورد فرما رہے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ آج تک حضرت کے

ہاتھ میں کبھی تسبیح نہیں دیکھی۔ یہ کس لیے ہے اور کس کے لیے ہے؟ حضرت نے اس کمترین مُرید کا نام لیا اور فرمایا کہ وہ بیمار ہے اس کے لیے تسبیح پڑھ رہا ہوں۔

میاں حاجی محمد بنیانی نے فرمایا کہ ایک شخص نے اس فقیر کا نام لے کر حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا، کیا آپ اس پر عنایت فرماتے ہیں؟ فرمایا: "وہ ہماری جان اور ہمارا نورِ بصر ہے"

میاں شیخ عبدالواحد نے فرمایا کہ حضرت اپنے یاروں کو کبھی کبھی حکم دیتے کہ فلاں (داراشکوہ) کی صورت کے تصور میں متوجہ ہو کر بیٹھو، چنانچہ مجھے بھی یہی ارشاد ہوا اور سب یاروں سے اس کمترین کی سفارش بھی کی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے تمام اصحاب اب تک اس فقیر پر عنایت کرتے ہیں۔

جب تک حضرت میاں جیوؒ بقیدِ حیات رہے، ہمیشہ آپ کی توجہ سے اس فقیر کو فائدہ پہنچا اور اب بھی حضرت کی روحِ پُرفتوح سے فیوض و برکات کا لامتناہی سلسلہ مجھے میسر ہے۔ اکثر ان کی وفات کے بعد ان کے حضور سے مشرف ہوتا ہوں اور عنایات حاصل کرتا ہوں اور خود کو حضرت کا اویسی سمجھتا ہوں، چنانچہ ایک رات میں نے حضرت میاں جیوؒ کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا: "آ تجھے مشاہدے کا درس دوں"۔ خود مُراقبے میں بیٹھے، مجھے پاس بٹھایا اور باتیں سمجھائیں۔

ہفتم ماہ ذی الحجہ دوشنبہ کی رات صبح کے وقت میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ گھر سے باہر استراحت فرما رہے ہیں۔ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ آپ نے میرا ہاتھ تھام کر فرمایا: "میرے قریب آ!" آپ نے میرے سینے کو ننگا کیا اور اپنے سینے پر سے کرتا ہٹایا سینے سے مقامِ قلب کو میرے سینے کے مقامِ قلب سے ملایا اور فرمایا: "لے یہ اپنی امانت!" ان کے سینۂ مبارک سے بے نہایت انوار میرے سینے میں اُتر آئے۔ یہاں تک کہ میں سمجھا، یہ انوار میرے لیے کافی ہیں۔ میرا قلب ان سے معمور ہو رہا تھا۔ ان کی اور زیادہ تاب نہ تھی۔ سینہ پھٹنے والا تھا۔ اس وقت سے میں اپنے سینے کو نُورانی، پُرذوق اور پُرکیف پاتا ہوں۔

۱۰۵۱ھ میں ہفتم ماہ رمضان المبارک دوشنبے کی رات اللہ تعالیٰ کی عنایت اور حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ سے مجھے یوں محسوس ہوا کہ یہ لیلۃ القدر ہے۔ پہر رات باقی تھی اور میں حالتِ مشغولی میں رُو بقبلہ بیٹھا تھا کہ دفعتہً گھبراہٹ سی ہوئی۔ میں اٹھا اور اپنے میں لرزہ کی سی کیفیت محسوس کی۔ دل بیدار اور بے قرار تھا۔ صبح کے قریب میں نے ایک روضہ دیکھا جو بہت بلند و بالا اور خوشنما تھا۔ اس کے گرداگرد باغ تھا۔ میں نے سمجھا کہ یہ حضرت میاں جیوؒ کا روضۂ مبارک ہے۔ یہ روضے کے اندر گیا، دیکھا کہ یہ بہت آراستہ و پیراستہ ہے۔ درمیان میں قبر ہے۔ حضرت قبر سے باہر آئے ہیں اور گنبد سے باہر آکر کرسی پر بیٹھے ہیں۔ پاکیزہ کپڑے زیبِ تن ہیں۔ جب حضرت کی چشم مبارک مجھ پر پڑی تو کمال بشاشت سے مجھے بلا کر پاس بٹھایا اور عنایت فرمائی۔ میں حضرت کے ہاتھ اور پاؤں کو لحظہ بہ لحظہ پکڑتا اور بوسہ دیتا اور آنکھوں سے ملتا تھا۔ عنایت فرمائی کے بعد آپ نے مجھے بہت سی شیرینی دی اور میرا ہاتھ تھام کر فرمایا: "آ کہ تجھے کچھ سکھاؤں"۔ پھر خود ہی میرے چہرے سے پردہ اٹھایا اور خود بھی اپنے چہرے سے چادر ہٹائی اور میری دونوں شہادت کی انگلیوں کو میرے دونوں کانوں پر اس زور سے رکھا کہ میں ہمہ تن سلطان اللہؔ ہو گیا۔ آواز نے مجھ پر غلبہ کیا۔ آپ نے مجھے سینے سے لپٹا کر گرا دیا۔ میں از خود رفتہ ہو گیا پھر مجھے ذوقِ روحانی عطا کیا جس سے مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ تقریر و تحریر اور عبارت و اشارات میں نہیں سما سکتی۔ مجھے میری مراد حاصل ہو گئی، لذت پر لذت کا اضافہ ہوا، کُشائش پر کُشائش نصیب ہوئی اور نزدیکی و دُوری کا سب امتیاز اُٹھ گیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ [۱]

(اللہ کا شکر۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ وہ اپنا فضل جس کو چاہیں عنایت کریں اور اللہ بڑے فضل والے ہیں)

قیافۂ مبارک

حضرت اکمل الاولیاء کا قیافۂ مبارک جو بھی دیکھتا، اس کی آنکھیں پُرنور اور دل پُرسرور ہو جاتا

---

[۱] قرآن کریم: ۲۷/الحدید، ۲۱

آپ کا رنگِ مبارک گندمی اور بہت ملیح تھا۔ ناک اُونچی اور پیشانی کھلی تھی، جس سے سعادت و کرامت کے آثار صبحِ صادق کی طرح روشن تھے۔ ابرو ایک دوسرے سے پیوستہ تھے۔ حق بین آنکھیں، نہ چھوٹی تھیں نہ بہت بڑی۔ تمام اعضاء متناسب اور متوسّط تھے۔ ریشِ مبارک اتنی تھی کہ مٹھی میں آسکے ان دنوں آپ کے بال سفید ہو گئے تھے۔ کثرتِ ریاضت سے جسم بہت نحیف ہو گیا تھا آپ کا قدِ مبارک بمصداق "خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا" میانہ تھا آخری ایام میں جب آپ کا سِن شریف قریباً سو سال تھا، ضُعف اور آزار کی وجہ سے جوان کے پاؤں کو لاحق تھا، نماز بیٹھ کر ادا کیا کرتے تھے۔ دائمی آزار اکثر اولیاء کو ہوتا ہی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک کنیز حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی خدمت میں آئی اور کہنے لگی: "حضرت! مجھے آپ آزاد کر دیجیے۔ آپ نے کہا، کیا بات ہوئی؟" اس نے عرض کی: حضرت رسُولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ سے سنا ہے کہ وہ جسم جسے کوئی آزار نہ ہو، رحمتِ الٰہی سے دور ہوتا ہے لیکن میں نے آپ میں کوئی آزار نہیں دیکھا" حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے آہ بھر کر کہا: "مجھے تو کئی سالوں سے دانتوں کا آزار ہے اور اتنا شدید کہ چین سے لحظہ بھر سو بھی نہیں سکتا لیکن میں اس کا اظہار نہیں کرتا۔"

امام الموحدین شیخ روزبہان بقلیؒ کو آخر عمر میں فالج ہو گیا تھا۔ ان کا ایک مُرید بغیر انھیں بتائے مصر چلا گیا اور وہاں کے سلاطین کے خزائن سے خالص روغنِ "بلسان" حاصل کر کے لے آیا۔ جب شیخ کے سامنے رکھا تو فرمایا: "جَزَاکَ اللّٰہُ عَنْ نِیَّتِکَ" (خدا تجھے تیری نیّت کی جزا دے) خانقاہ کے دروازے کے باہر ایک خارش کا مارا کتا لیٹا ہوا ہے یہ دوا اس کے مل دو لیکن یہ سمجھ لو کہ روزبہان کسی روغن سے اچھا نہیں ہو سکتا۔ یہ عشق کا ایک بند ہے جو خدائے تعالیٰ نے اس کے پاؤں میں ڈالا ہُوا ہے اور یہ اس وقت تک دور نہیں ہو گا جب تک حق تعالیٰ کے دیدار کی سعادت حاصل نہ ہو جائے ہمارے پیر کو ہمیشہ ہاتھ کی تکلیف رہی اور میرے گھٹنوں میں بھی درد ہے اس درد کو میں مبارک سمجھتا

ہوں کہ یہ مشائخ رَحِمَهُمُ اللہ کی میراث ہے۔

آخری عمر میں ضُعفِ بصر

آخری ایام میں حضرت میاں جیوؒ کی ظاہری بینائی کم ہوگئی تھی لیکن آنکھوں کی پُتلیاں اپنی اصل حالت میں تھیں۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے" اللہ کی حکمتیں ظاہر میں کچھ اور حقیقت میں کچھ ہیں۔ البتہ ان میں کئی فائدے پنہاں ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت ہر حال میں جمالِ حق دیکھتے تھے اور پہلے زمانے اور آخری زمانے کے ایام ان کے لیے یکساں تھے لیکن تقاضائے بشری کے مطابق چونکہ ظاہری آنکھوں کا مشاہدہ فی الجملہ حواس کے تفرقے کا باعث بنتا ہے اس لیے حضرت نے دیدۂ ظاہر کو ذاتِ مطلق تک کے جمال کے علاوہ کسی اور چیز کو دیکھنے سے بند کر لیا تھا۔

چشم بستہ از جہان چُون نُورِ بینائی تمام　　صرفِ یک نظارۂ آن حُسنِ بی اندازہ شد

(جب بینائی کے نور نے دنیا سے آنکھ بند کر لی تو اللہ تعالیٰ کے حسنِ بے اندازہ کی طرف محو ہو گئی)

دوسرے یہ کہ جب تک اصحابِ چشمِ ظاہری کو غیر کے نظارے سے بند نہ کریں، دوست کے مُشاہدے کا تصور نہیں کر سکتے۔ نیز یہ کہ ظاہری آنکھ جب تک ماسوائے اللہ سے بالکل بند نہ ہو جائے، دل کا دروازہ، جو عرشِ الٰہی ہے کھل نہیں سکتا، نہ آفتابِ وحدت کا نُور ہی دیکھا جا سکتا ہے:

شعر

دلا رامے کہ داری دل در و بند　　دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

(تیرا جو محبوب ہے اسی سے دل لگائے رکھ اور تمام دنیا سے آنکھ بند کر لے)

نیز یہ کہ جب دیدۂ ظاہر سے جمالِ حق کے مُشاہدے کی دولت دیکھنے والوں کو میسّر آجائے تو آنکھوں کو اس نعمتِ عظمیٰ کی نگہداشت کے لیے بقیہ عمر کے لیے بند کر دیں۔ اللہ کے جمالِ باکمال کو دیکھنے کے بعد چشمِ حق بین سے ماسوا اللہ کو دیکھنا معیُوب ہے۔

کند در ہستیٔ او خویش را گُم　　ببندم از دوئی چشمِ توہّم

(اس کی ہستی میں وہ اپنی ذات کو گُم کر دیتا ہے۔ اور دُوئی سے وہم پرست آنکھ کو بند کر دیتا ہے۔)

کہتے ہیں کہ سیدالطائفہ شیخ جنیدؒ کا آخری وقت قریب آیا تو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کہا اور آنکھیں بند کرلیں۔ غسّال نے جب غسل دیتے وقت چاہا کہ چشمِ مُبارک تک پانی پہنچائے تو غیب سے آواز آئی کہ میرے دوست سے ہاتھ اٹھالو کہ وہ آنکھ جو ہمارے نام پر بند ہوئی ہے، ہمارے دیدار کے سوا نہ کُھلے۔

حضرت سیدالطّائفہ نے فرمایا تھا کہ میری غیرت مجھے دیدار سے باز رکھتی ہے۔

غیرت از چشم برم رُوی تو دیدن ندہم　　گوش را نیز حدیثِ تو شنیدن ندہم

(غیرت کی وجہ سے میں آنکھ کو تیرا چہرہ دیکھنے نہیں دیتا کان کو بھی تیری آواز سُننے نہیں دیتا)

سیدالطّائفہ نے یہ بھی کہا ہے: "تصوّف یہ ہے کہ بے تیمار گھڑی بھر کے لیے اللہ کے ساتھ بیٹھے۔"

شیخ الاسلام نے دریافت فرمایا: بے تیمار سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا "بغیر تلاش کے پانا، اور بن دیکھے دیدار کرنا کہ دیکھنے والی آنکھ تو دیدار میں رکاوٹ کا مُوجب ہے۔"

اور پھر یہ کہ حدیثِ نبوی عَلَیۡہِ اَفۡضَلَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ میں وارد ہے کہ جس شخص کی بینائی اللہ تعالیٰ نے معطّل کر دی ہے، اسے آخرت میں اپنے نُور سے روشن اور پہلی مرتبہ اسے اپنے جمال سے مُنوّر اور بہرہ ور کرے گا اور اگر کسی کو خدا کے فضل سے یہ میسّر ہے کہ وہ لوگوں کی بے بصیرتی اور باطن کو ولایت و ہدایت کے نُور سے روشن کر دے تو اس کے نزدیک اس مقصد کا حاصل ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو کچھ ہُوا آپ کی خواہش اور اختیار سے ہُوا اور یہ کہ حضرت کی بصیرت، ظاہری بصارت کی محتاج نہیں کیونکہ جس وقت دل کی آنکھ بینا ہوتی ہے تو کوئی چیز اس پر پوشیدہ نہیں رہتی اور اگر دیدۂ ظاہر بھی ہو تو اس حالت میں وہ عینک کی مانند ہے جو چشمِ ظاہر کے اُوپر لگی ہوتی ہے، کہ دراصل وہ قوّتِ بینائی کو بڑھاتی ہے لیکن آنکھ کا کام نہیں دے سکتی۔

کیونکہ بینائی آنکھ ہی کا خاصہ ہے۔ چنانچہ ایک دن مجھے شیخ نے فرمایا کہ آنکھیں بند کرو اور فلاں چیز کا عالمِ غیب میں مُشاہدہ کرو۔ میں نے عرض کی کہ میں آنکھ بند کیے بغیر اسے دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے تحسین و آفرین کی اور کہا کہ تم درست کہتے ہو۔ دیدۂ دل صاف اور روشن ہو تو آنکھیں بند کرنے کی حاجت نہیں ہوتی اور یہ بھی ممکن ہے کہ دیدۂ ظاہر کو بند کیے بغیر ملکُوت کے تمام عجائبات کا مُشاہدہ ہو سکے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنکھ کا بند کرنا اطمینان اور رفعِ تفرقہ کے لیے ہے۔ ضروری نہیں کہ چشمِ دل سے دیکھنے کے لیے ظاہری آنکھ بند ہی ہو۔ عارف کا دل دونوں جہانوں کو، اور جو کچھ ان میں ہے، دیکھتا ہے۔ اور تمام جہان اس کی نظر میں پشتِ ناخن کی طرح ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت میاں میرؒ کی کرامات

ایک دن حضرت اخوند میرک شیخ نے، جو میرے علمِ ظاہر کے اُستاد اور عالم و عامل ہیں، اور زُہد و وَرع اور حق گوئی میں ثابت قدم ہیں، حضرت میاں جیوُ رَحمۃُ اللہ علَیہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی خواہش کی۔ میں نے عریضہ لکھ کر ان کے سپرد کیا کہ حضرت کی خدمت میں پیش کر دیں۔ حضرت اخوند نے مجھے بتایا کہ جب میں حضرت کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے مجھے اپنے پاس بٹھایا اور بڑی مہربانی سے پیش آئے۔ عریضہ میری دستار میں تھا لیکن خدمت میں پیش کرنا یاد نہ رہا۔ اسی لمحے خیال آیا کہ میں نے حضرت میاں جیوُ کی کوئی کرامت نہیں دیکھی۔ گفتگو کے دوران حضرت میاں جیوُ نے ہاتھ بڑھا کر میری دستار سے رُقعہ لے لیا اور شروع سے آخر تک لفظ بہ لفظ پڑھ دیا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب حضرت کی ظاہری بصارت میں خلل آچکا تھا۔ فرمایا: ”ہم یہ نہیں چاہتے تھے کہ کرامت کا اظہار کریں۔ اظہارِ کرامت تو اس طائفہ کے لیے سہل بات ہے۔“ اس موقع پر حضرت میاں جیوُ رَحمۃُ اللہ علَیہ سے یہ کرامتیں ظہور میں آئیں:

اوّل یہ کہ میں حضرت کی خدمت میں رُقعہ پہنچانا بھول گیا تھا لیکن انھوں نے خود یہ رُقعہ

لے لیا۔

دوم یہ کہ حضرت اخوند کے دل میں خیال آیا کہ انھوں نے حضرت کی کوئی کرامت نہیں دیکھی تو آپ نے اپنی فراست کے نُور سے جان لیا اور کرامت کا ظہور ہُوا۔

سوم یہ کہ بینائی نہ ہونے کے باوجود لفظ بہ لفظ رُقعہ پڑھا۔

حضرت کا لباس

حضرت میاں جیوؒ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا لباس فُقرا اور درویشوں کا سا نہ تھا۔ خِرقہ مُرقّع نہیں پہنتے تھے۔ کم قیمت کی سفید دستار سر پر اور خِرقہ کے بجائے کھدّر کا کُرتا زیبِ تن ہوتا تھا جب یہ قدرے میلا ہو جاتا تو دریا کے کنارے جا کر دستِ مبارک سے دھو لیتے۔ آپ اپنے اصحاب کو بھی کپڑوں کو پاک صاف رکھنے کی بہت تاکید فرماتے تھے۔ خادموں اور طالبوں کا لباس بھی آپ کی طرح کُرتا اور دستار ہے۔ طالبوں میں سے کوئی بھی گودڑی یا خِرقہ نہیں پہنتا۔ گودڑی پہننا آپ کے طریقے میں نہیں اور اگر کسی کو مشغول کرتے ہیں تو اسے گودڑی نہیں دیتے کیونکہ اصل بات تو بیعت ہے۔ آپ فرماتے تھے: "لباس اس قسم کا پہننا چاہیے کہ کوئی پہچان نہ لے کہ اس کا مسلک درویشی ہے" فقر کے لباس کی آپ ہمیشہ مذمت کرتے تھے کیونکہ بعض لوگ خرقہ یا گودڑی اس لیے پہنتے ہیں کہ خود نمائی کر سکیں لیکن ان کا باطن ظاہر کے موافق نہیں ہوتا۔

صاحبِ کشف المحجوب حضرت علی ہجویری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں "فقیر کا کام خِرقہ پہننا نہیں، بلکہ اس کا تعلق درویشی سے ہے۔ جب کوئی طریقت سے آشنا ہو جاتا ہے تو اس کے لیے قبا ہی عبا بن جاتی ہے اور جب کوئی طریقت سے بیگانہ ہوتا ہے تو اس کی گودڑی قیامت کی بدبختی کا موجب ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص گودڑی اس لیے پہنتا ہے کہ خداوند تعالیٰ اسے پہچان لے کہ وہ خاص اس کا بندہ ہے تو یہ درست نہیں کیونکہ وہ اپنے خاص بندوں کو لباس کے بغیر بھی پہچان

لیتا ہے اور اگر وہ اس لیے گودڑی پہنتا ہے کہ لوگوں پر یہ ظاہر کرے کہ وہ خدا کا خاص بندہ ہے، تو یہ مُنافقت اور ریاکاری ہے"۔

اس گروہ کے لوگ لباس کے ہونے نہ ہونے کا تکلف روا نہیں رکھتے۔ نہ کبھی یہ تکلف روا رکھا۔ اگر خداوند تعالیٰ انھیں عبا دے، تو زیبِ تن کر لیتے ہیں اور اگر قبا دے، تو اسے بھی پہن لیتے ہیں اور اگر برہنہ رکھے، تو راضی برضا رہتے ہیں۔ ظاہری لباس اہلِ طریقت کے نزدیک ہرگز اہم نہیں:

مصرع :- کمر بخدمتِ سلطان ببند و صوفی باش

(محبوب کی خدمت میں کمر بستہ رہ اور صوفی کا طریقہ اختیار کر)

اسی گروہ کے ایک فرد نے یہ شعر کہے ہیں:

بخرقہ گر کسے درویش بودی رئیسِ خرقہ پوشان میش بودی

(اگر خرقہ پہن کر کوئی درویش ہو سکتا تو خرقہ پوشوں کی رئیس بھیڑ ہوتی)

اگر کف بر دہن عرش است و معراج شتر بودی یقین منصورِ حلاج[1]

(اگر منہ میں جھاگ لانا ہی عرش اور معراج ہوتا تو یقیناً اونٹ منصور حلاج ہوتا)

اگر مردِ خدا آن مردِ چرخی است بتحقیق آشنا معروفِ کرخی است

(اگر چرخ چلانے والا مردِ خدا ہے تو حقیقت میں وہ معروف کرخی ہے)

نامور عارف ملا عبدالرحمٰن جامی فرماتے ہیں کہ محمد معشوق طوسیؒ قبا پوش تُرک بہت بزرگ شخص تھے۔ ظاہری نماز ادا نہیں کرتے تھے، نہ لباس ہی کا کوئی اہتمام کرتے تھے۔ امام محمد غزالی ان کے بارے میں فرماتے ہیں: "قیامت کے دن سب صدیقوں کی یہ خواہش ہو گی کہ کاش وہ خاک ہوتے اور کبھی محمد معشوق طوسیؒ اس خاک پر اپنا قدم رکھتے"۔

---

[1] حسین بن منصور

میاں حاجی بنیانی ؒ حضرت میاں جیوؒ رَحمۃُ اللہ عَلیہ کے اصحاب کبار میں سے تھے۔ بہت پُرتکلف لباس پہنتے تھے۔ میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے جواب میں کہا : ”میں نے یہ لباس حضرت میاں جیوؒ کے ارشاد کے مطابق اختیار کیا ہے۔ اس کی سرگزشت یہ ہے کہ فقیر جس وقت عالَمِ تجرید میں تھا، مجھے ہر چیز اچھی لگتی تھی۔ میرے تن پر گودڑی تھی، جو کافی عرصہ پہننے کے بعد پارہ پارہ ہو گئی۔ اسی حالت میں مَیں ایک دن بازار سے گزر رہا تھا۔ لوگ مجھے دیکھ کر میرے اردگرد آ جمع ہوئے میرے پاؤں میں گرنے لگے اور میرے ہاتھ چُومنے لگے۔ اتفاقاً حضرت میاں جیوؒ رَحمۃُ اللہ عَلیہ کا وہاں سے گزر ہُوا۔ آپ نے فرمایا : ”یہ کیا حالت بنائی ہے“؛ میں نے عرض کی ”اس میں میرا کوئی اختیار نہیں“۔ اس پر حضرت نے فرمایا: ”لباس تبدیل کر لو اور اس قسم کا لباس پہنو کہ کوئی بھی یہ نہ سمجھے کہ تم اس گروہ کے فرد ہو، نہ یہ جانے کہ ہمارے طریقے سے تمھارا کوئی تعلق ہے“۔ اسی وقت سے میں نے اپنا لباس بدل لیا ہے“۔

بعض مستند کتابوں میں ذکر آیا ہے کہ حضرت غوث الاعظم رَضِیَ اللہ عَنہُ خرقہ نہیں پہنتے تھے۔ علماؔ کی طرح کبھی طیلسان اور کبھی لباسِ فاخرہ زیبِ تن کرتے تھے۔

حضرت میاں جیوؒ رَحمۃُ اللہ عَلیہ کے گھر کا فرش پُرانے بوریے کا تھا۔ فقر و غنا کا یہ عالَم تھا کہ اس سے اور زیادہ ممکن نہیں۔ دنیا کی کسی چیز سے دِل بستگی نہ تھی۔ فُقرا کو صاحبِ ثروت لوگوں سے بہتر سمجھتے تھے! ور اس گروہ کے دولت مندوں پر اعتراض کرتے تھے چنانچہ فرماتے تھے: ”میں حیران ہوں کہ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کیسے فقیر ہیں! بہتر ہوتا کہ دنیا میں وہ پھر آتے اور مجھ سے فقیری سیکھتے انھیں معلوم ہو جاتا کہ درویشی اور فقیری سے کیا مراد ہے!“

فقر و غنا کا فرق

فقر و غنا کے بارے میں مشائخ رَحِمَہُمُ اللہ کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے کہ ان

دونوں میں سے برتری کس کو ہے۔ سید الطائفہ حضرت جُنید اور ابن عطا رحمہم اللہ کے مابین یہ مسئلہ زیر بحث آیا تھا۔ ابن عطا کا خیال تھا کہ اغنیا کو فُقرا پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ ان کا حساب قیامت کو ہوگا۔ اگر عتاب ہو تو یہ عتاب بے واسطہ ہوگا گویا عتاب دوست کی طرف سے دوست کو پہنچے گا۔ شیخ جنیدؒ نے فرمایا: "اغنیا سے تو حساب مانگا جائے گا لیکن فُقرا سے عُذر پیش کرنے کو کہا جائے گا۔ اور عُذر حساب کی نسبت بہتر ہے۔"

وہ مشائخ جو فقر کو غنا پر ترجیح دیتے ہیں، ان کا پلّہ بھاری ہے، بہ نسبت ان کے جو غنا کو فقر سے برتر سمجھتے ہیں۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: "اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ (فقر میرا فخر ہے) نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ میری امّت کے فقیر، اغنیا سے پانچ سو سال پہلے بہشت میں داخل ہونگے۔

سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام غنی تھے لیکن نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اور حضرت سلیمانؑ کے مرتبوں میں جو فرق ہے، اظہر من الشّمس ہے۔ اغنیا صاحبِ صَدقہ ہیں اور فُقرا صاحبِ صِدق۔ صدق، صدقہ سے افضل ہے، اس آیہ کریمہ کے بموجب:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ[۱]

(ہر چیز فانی ہے۔ صرف تیرے رب کی ذات باقی رہے گی جو صاحبِ جلال واکرام ہے)

وَكُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ[۲]

(اور اس کی ذات کے سوائے تمام چیزیں ہلاک ہونے والی ہیں)

حضرت میاں جیو رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ تمام ہستیٔ موہوم سے فارغ دل تھے اور حق تعالٰے کی ذات کے سوائے آپ کی نظر میں اور کوئی نہیں سماتا تھا کیونکہ عارفوں کی نظر میں خدا کے سوا اور کچھ

---

[۱] قرآن کریم: ۲۷/الرّحمٰن، ۲۶

[۲] قرآن کریم: ۲۰/القصص، ۸۸

نہیں سماتا بلکہ ان کی نظر خود ان کی نظر نہیں رہتی۔ دیکھنے والے اور دکھانے والے میں ان کے نزدیک کوئی دُوئی نہیں ہوتی۔ تصوف و توحید میں نزدیکی اور دُوری، میں اور وہ، عمل اور اس کی جزا، میری دعا اور اس کی مقبولیت سب دوئی اور شرک ہیں۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ عَنِ الشِّرْکِ الْخَفِیِّ وَالْجَلِیِّ

(اللہ تعالیٰ جلی اور خفی شرک سے محفوظ رکھے)

امام الموحدین شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں: ”قُرب کو اس وقت تک قرب نہیں کہا جاسکتا جب تک بُعد نہ ہو اور اگر بُعد ہو تو دوئی باقی رہتی ہے۔ پس قُرب بھی دراصل بُعد ہوتا ہے۔“

جامی مکن اندیشۂ نزدیکی و دُوری　　　لَا قُرْبَ وَلَا بُعْدَ وَلَا وَصْلَ وَلَا بَیْنَ

(جامی نزدیکی اور دُوری کا اندیشہ نہ کر کیونکہ کوئی قرب نہیں کوئی بُعد نہیں کوئی وصل نہیں اور کوئی جدائی نہیں)

وصل کے لیے دونوں اطراف کی کوئی اصل ہوتی ہے۔ بیشک یقین عدم سے وجود میں نہیں آتا۔ اس کے لیے وجود کے سبب کا ہونا بھی ضروری نہیں۔ اس کے لیے اصل کہاں ہوگی؛ چنانچہ موجود ہرگز کلیتہً معدوم نہیں ہوتا اور معدُوم بھی ہرگز عدم سے وجود میں نہیں آتا۔ موجود، موجود ہے اور معدُوم، معدُوم۔ جیسا تھا، اسی طرح ہے اور اسی طرح ہوگا ”اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ“ (وہ اب بھی ویسا ہے جیسا کہ پہلے تھا)

حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرماتے تھے کہ وفات کے بعد مجھے شور زمین میں دفن کرنا کہ میری ہڈیوں کا نشان باقی نہ رہے اور قبر کی صورت بھی نہ بنانا، اس شعر کے مطابق:

صورتِ قبرم ز بعدِ مرگ ویران خوشتر است　　　نیستی مانندِ من با خاک یکسان خوشتر است

(مرنے کے بعد میری قبر کی صورت ویران ہی رہے تو بہتر ہے میرے مرنے کے بعد میرے آثار بھی خاک کے برابر ہوجائیں تو اچھا ہے)

بعض اصحاب سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ میری ہڈیاں نہ بیچنا اور میری قبر پر دوسروں کی طرح دکان نہ لگانا۔ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی قدس اللہ سرہٗ کا یہ قول اکثر آپ کی

صدق بیان زبان پر ہوتا تھا کہ "صوفی وہ ہے جو نہ ہو" اس پر خود ہی اضافہ فرماتے تھے کہ "اگر ہو تو بھی نہ ہو"۔

ترکِ جاہ

جاہ و مرتبہ کا کوئی اثر آپ میں نہ تھا۔ اصحاب و احباب کو جاہ کا خیال ترک کرنے کے بارے میں بہت تلقین فرماتے تھے۔ اکثر یہ حدیث نبوی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ پڑھتے تھے:

"آخِرُ مَا يَخْرُجُ مِنْ رُؤُسِ الصِّدِّيقِينَ حُبُّ الْجَاهِ"

(سب سے آخری چیز جو صدیقوں کے سروں سے نکلتی ہے وہ حُبِ جاہ ہے)

فرماتے تھے: "دوستو! دل سے جاہ کی محبت نکال دینا بہت بڑی بات ہے جیسا کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ فرماتے ہیں: "آخری چیز جو صدیقوں کے سر سے نکلنی چاہیے وہ جاہ کی محبت ہے۔ اس گروہ کے نزدیک حُبِ جاہ بہت بڑی آفت ہے"۔

مُلّا خواجہ بہاری نے فرمایا ہے: "ایک دن میں چند اصحاب کے ساتھ گھر میں بیٹھا ہُوا تھا۔ اچانک گھر کی چھت کے گرنے کے آثار نظر آئے۔ اصحاب کو میں نے کہا، آپ اُٹھ کر باہر چلے جائیں کہ چھت گر رہی ہے۔ وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور میں وہیں رہا اور بلند آواز میں کلمہ طیبّہ پڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ چھت نیچے آگری۔ دو لکڑیاں ایک دوسری پر آگئیں اور ان کے درمیان میں سلامت رہا"۔ حضرت میاں جیو رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کو جب یہ بات بتائی گئی تو لوگوں کا خیال تھا کہ آپ مُلّا کی تعریف کریں گے لیکن آپ نے فرمایا: "ہائے جاہ! وائے جاہ! کہ اس کا خیال مرتے وقت بھی نہیں جاتا۔ کلمہ طیبّہ بلند آواز میں کیوں پڑھا؟" وہ دراصل یہ چاہتا تھا کہ لوگ سُن لیں اور کہیں کہ مرتے وقت بھی وہ خدا کو یاد کرتا تھا۔ اسے کلمہ طیبّہ (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ) دل میں پڑھنا چاہیے تھا"۔

شعر

آہ جاہ وآہ جاہ وآہ جاہ! دُور کن از دل بفگن زیر چاہ

(ہائے جاہ! ولئے جاہ! - اس کا خیال دل سے نکال دے اور کنوئیں میں پھینک دے)

ادائے نماز

حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ فرض اور مؤکدہ سنن پڑھتے اور تہجد گزارتے تھے۔ روزے بھی رکھتے تھے۔ آپ کے سب اصحاب کا یہی طریقہ ہے۔ حضرت یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے:

بر زُہد و ورع کوش و صدق و صفا ولیکن میفزای بر مصطفٰےؐ

(زہد، پرہیزگاری اور صدق و صفا میں کوشش کرتا رہ لیکن ان اوصاف میں کوئی رسول اللہؐ سے بڑھ نہیں سکتا)

عثمان عمارہؒ نے فرمایا: میں شہر حجرؑ میں تھا۔ ابراہیم ادھم، محمد بن ثوبان اور عبان منقری سے باتیں ہو رہی تھیں۔ ایک نوجوان کچھ دور بیٹھا تھا۔ اس نے خلوص و نیاز سے کہا "اے جوانمردو! مجھے بھی آپ ہی کی طرح جستجو ہے۔ نہ رات کو سوتا ہوں، نہ دن کو کچھ کھاتا ہوں۔ زندگی اس طرح گزرتی ہے کہ ایک سال حج کرتا ہوں اور ایک سال غزا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مجھے کچھ پتہ نہیں چلتا، نہ دل ہی میں کچھ دکھائی دیتا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں"! ہم میں سے کسی نے اسے جواب نہ دیا اور اپنی باتوں میں مصروف رہے۔ آخر حاضرین میں سے ایک نے بطور ہمدردی اس کی طرف توجہ کی اور کہا: "اے جوانمرد! جو لوگ کام کے لیے جستجو کرتے ہیں ان کے دلوں میں طلب اور محبت ہوتی ہے۔ وہ طاعت اور خدمت کی زیادتی کی کوشش نہیں کرتے۔ البتہ وہ گہری نظر سے مشاہدہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا ہے کہ درویشی زیادہ نمازیں پڑھنے اور زیادہ روزے رکھنے کا نام نہیں۔

ؑ دیارِ ثمود جو مدینہ اور شام کے مابین وادی القرا میں واقع ہے۔

شیخ ابو عبداللہ بنیانی نے فرمایا ہے کہ درویشی نہ نماز سے ہے، نہ روزے سے اور نہ شب بیداری سے، کیونکہ یہ سب تو بندگی کا جزو ہیں۔ درویشی یہ ہے کہ رنجیدہ نہ ہو اگر یہ تمہیں حاصل ہو جائے تو واصل اللہ ہو جاؤ گے۔

شیخ ابو الخیرؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟:

تَفَکُّرُ سَاعَۃٍ خَیْرٌ مِنْ عِبَادَۃِ سَنَۃٍ

(ایک گھڑی کی سوچ سال بھر کی عبادت سے بڑھ کر ہے)

آپ نے فرمایا: اپنی فنا کے لیے گھڑی بھر کی سوچ، اپنی ہستی کی فکر میں سال بھر عبادت کرنے سے بہتر ہے۔ بعد ازاں فرمایا:

تا رُوی ترا بدیدم اے شمع طراز　　نے کار کنم نہ روزہ دارم نہ نماز

چوں با تو بوَم مجازِ من جملہ نماز　　چوں بے تو بوم نمازِ من جملہ مجاز

(ای شمعِ طراز جب سے میں نے تیرا دیدار کیا ہے نہ کوئی کام ہوتا ہے نہ روزہ رکھتا ہوں نہ نماز ادا کرتا ہوں جب تیرے ساتھ ہوتا ہوں تو میرا عالم مجاز بھی سراسر نماز ہوتا ہے تیرے بغیر ہوتا ہوں تو میری نماز بھی مجاز بن کر رہ جاتی ہے)

شیخ ابو القاسم نصیر آبادی نے کہا ہے:

جَذْبَۃٌ مِنْ جَذَبَاتِ الْحَقِّ تَوَازِیْ عَمَلَ الثَّقَلَیْنِ

(جذبات حق کی ایک کشش ہے جو دونوں جہانوں کے عملوں سے بڑھ کر ہے)

محبت، معرفت اور صحبت کی کشش سے اگر تیرا دل اسے دیکھ لے تو تُو آدمی اور جن و پری سے افضل ہے۔

حضرت میاں جیوؒ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اور آپ کے اصحاب تسبیح ہاتھ میں نہیں رکھتے تھے۔ اگر کسی کے ہاتھ میں حضرت میاں جیوؒ تسبیح دیکھتے تو ہندی زبان کا شعر پڑھتے جس کا مضمون اس

رباعی میں آیا ہے۔

تسبیح من عجب در آمد بہ زبان گفتا کہ مرا چرا کنی سرگردان؟
گر دل بعوض ہمین بگردانی تو دانی کہ برائی چیست خلق الانسان

(تسبیح کو تعجب ہُوا اور کہنے لگی، مجھے کیوں سرگرداں کرتے ہوؤ اگر تم دل کو بھی اسی طرح بدلتے رہتے ہو تو تم یہ نہیں جانتے کہ انسان کو کس لیے پیدا کیا گیا ہے)

آخری عمر میں حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ نے کئی سال استغراق اور مشغولِ ذکر رہنے کی غرض سے اپنے متبرک حجرے سے قدم باہر نہ نکالا :

شعر

آنرا کہ در سرای نگاریست فارغ است از باغ و بوستاں و تماشائے لالہ زار

(جسے محبوب کی سرائے نصیب ہے وہ باغ، گلزار اور تماشائے لالہ زار سے بے نیاز ہے)

حضرت میاں میرؒ کے بیٹھنے کے انداز

حضرت کے بیٹھنے کے دو طریقے تھے، ایک یہ کہ اکثر رُو بقبلہ دونوں گھٹنوں کو اٹھا کر کمر اور گھٹنوں پر پٹکا لپیٹ کر بیٹھتے تھے۔ اس طریقے کو حُبوۃ کہتے ہیں۔

شعر

چو بنشیند مراقب دیدہ برہم ببندد دیدۂ دل از دو عالم

(جب مراقبہ کرنے والا آنکھیں بند کرتا ہے تو وہ دونوں جہانوں سے دل کی آنکھ بھی بند کر لیتا ہے)

احادیث کی کتابوں میں آیا ہے کہ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسی طرح جلوس فرمایا کرتے تھے۔

دوسرا طریقہ آپ کے بیٹھنے کا یہ تھا کہ گاہے گاہے آلتی پالتی مار کر بیٹھتے۔ جب حضرت

میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ مشغولِ حق ہوتے تو آپ کے سب اصحاب انہیں دو طریقوں کے مطابق بیٹھتے اور اب بھی وہ انھیں طریقوں کے مطابق بیٹھتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہٗ بھی مرتبع ہو کر بیٹھتے تھے۔ اس طرح بیٹھنے کو "جلسۃ الوقار" کہتے ہیں لیکن جب مُراقبہ میں ہوتے تو مرتبع ہو کر نہیں بیٹھتے تھے۔ حضرت میاں جیوؒ کھٹکا (چارپائی) پر کبھی دائیں ہاتھ اور کبھی بائیں ہاتھ کو ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر چہرہ کو اوپر کیے ہوئے بیٹھتے تھے۔ اکثر ان کے بیٹھنے کا انداز یہی تھا لیکن کبھی چار زانو ہو کر بھی بیٹھتے اور پاؤں کی دو بڑی انگلیوں کو دونوں زانوؤں کے اندر دبائے رکھتے۔

حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ حضرت سید الطائفہ شیخ جنید قدس اللہ سرّہٗ اور حضرت غوث الثقلین قطبِ ربانی، محبوبِ سبحانی شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کے طریقے کے مطابق شرعِ شریف کی پیروی کرتے تھے۔ جس بات کا سمجھنا دوسروں کے لیے مشکل ہو، وہ کبھی آپ کی زبان سے نہیں نکلتی تھی۔ حوصلہ آپ کا بڑا تھا۔ یاروں کو کچھ کہنا ہوتا تو اشارے سے کہتے۔ دوسرے لوگوں کو اشارہ بھی نہیں کرتے تھے، فرماتے تھے: "اگر کام کیا جائے تو پوشیدہ باتیں خود بخود عیاں ہو جاتی ہیں۔ کام نہ کیا جائے تو معمولی بات کا سمجھنا بھی مشکل ہوتا ہے"۔ وہ لوگ جنھوں نے کتابوں میں اسرار بیان کیے ہیں، ان پر آپ کو یہ اعتراض تھا کہ جو چیز حال کے مطابق ہے اس کے لکھنے اور پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس سے یہ ہوتا ہے کہ لکھنے والے کو ملامت اور انکار کا نشانہ بننا پڑتا ہے اور طالبِ حق طلب و کوشش سے باز رہ جاتے ہیں۔ تحریر میں وہ جو عمر صرف کرتے ہیں، اپنے شغل میں کیوں کوشش نہیں کرتے، اور اپنے اصل کام کی طرف کیوں متوجہ نہیں ہوتے۔

حضرت کمال و فضیلت کے باوجود اپنے اقوال کو احاطۂ تحریر میں نہیں لائے، نہ شعر کہے آپ جس وقت بعض آیات، احادیث اور اکابر کے مشکل اشعار کے معنی سمجھاتے تو تمام علماء و فضلاء

اور حاضرین حیران رہ جاتے۔ حضرت میاں جیوؒ یہ نہیں پسند کرتے تھے کہ کوئی انھیں خط لکھے۔

عمرو بن عثمان مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے فرمایا ہے:

لَایَقَعُ عَلٰی کَیْفِیَّۃِ الْوَجْدِ عِبَارَۃٌ لِاَنَّہٗ سِرُّ اللہِ عِنْدَ الْمُؤْمِنِیْنَ

(دوستانِ الٰہی کے وجد کی کیفیت کو عبارت میں بیان نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ مومنین کے پاس اللہ کا راز ہے)

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مومنوں کے نزدیک اللہ کا راز ہے۔ اگر لکھنے والا اس میں کچھ اپنی طرف سے تصرف کرے تو وہ اللہ کا راز نہیں رہتا۔ اس لیے کہ انسانی تصرف کو اسرارِ ربانی میں دخل نہیں ہوتا یہ

حضرت میاں جیو رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ توحید کے مسائل کو عام آدمیوں سے پوشیدہ رکھتے تھے بلکہ ان کا آپ کی زبان پر آنا محال تھا۔ اس سلسلے میں وہ یہ دو شعر پڑھا کرتے تھے:

سخنِ وحدت است ہمچو سراب — از سراب اے پسر کہ شد سیراب؟

(وحدت کی بات تو سراب کی مانند ہے اے فرزند سراب سے کون سیراب ہوتا ہے)

سخنِ وحدت آنکہ از عامی — زآنچہ خیزد بغیرِ بدنامی؟

(وحدت کی بات اگر کوئی عامی کرتا ہے تو سوائے بدنامی کے اس سے کیا حاصل ہوگا)

پہلے مصرعے میں وحدت کے متعلق بات چیت کو سراب سے تشبیہ دی ہے۔ یہ اشارہ دراصل ان لوگوں کی طرف ہے جن کو حق تعالیٰ نے سمجھنے اور قبول کرنے کی اہلیت نہیں بخشی۔ پس ان کے لیے یہ باتیں بمنزلہ سراب کے ہیں جن سے وہ سیر نہیں ہو سکتے۔ اور "از سراب اے پسر کہ شد سیراب" سے مراد یہ ہے کہ جو شخص سن کر انھیں قبول نہیں کرتا وہ ہرگز ان سے بہرہ مند نہیں ہوتا نہ اسے کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ وہ ان کے لیے سراب ہے اور "عامی" سے مراد وہ لوگ ہیں جن میں انھیں قبول کرنے کی اہلیت نہیں ہوتی خواہ وہ عالم ہی کیوں نہ ہوں۔ حق تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا[۵]

(جن لوگوں کو توراۃ پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انھوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی حالت اس گدھے کی سی ہے جس پر بہت سی کتابیں لدی ہوئی ہیں)

بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ[۶]

(غرض ان لوگوں کی بُری مثال ہے جنھوں نے خدا کی آیتوں کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو (توفیق) ہدایت نہیں دیا کرتا)

نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے:

اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ وَقَلْبٍ لَّا يَخْشَعُ وَنَفْسٍ لَّا يَشْبَعُ

(میں ایسے علم سے، جو نفع دینے والا نہ ہو اور ایسے دل سے، جو ڈرنے والا نہ ہو اور ایسے نفس سے، جو دنیا سے سیر ہونے والا نہ ہو، پناہ مانگتا ہوں)

شعر

علم اگر بر دل زند یارے بود علم اگر بر تن زند مارے بود

(علم اگر دل پر ضرب لگائے تو وہ دوست (مفید) ہوتا ہے لیکن اگر اس کی ضرب جسم تک رہے تو وہ سانپ (ضرر رساں) ہوتا ہے)

سہل بن تستریؒ سے کسی نے پوچھا کہ بدبختی کی علامت کیا ہے؟ آپ نے کہا کہ علم تو حاصل ہو جائے لیکن اس پر عمل کرنے کی توفیق نہ ہو، اور عمل کی قوت تو ہو لیکن خلوص نہ ہو۔

اور مذکورہ بالا مصرع چہارم "زاں چہ خیزد لغیرِ بدنامی" میں اس بات کی طرف اشارہ

---

۵ قرآن کریم: ۲۸ / اَلْجُمُعَة، ۵

۶ قرآن کریم: ۲۸ / اَلْجُمُعَة، ۵

ہے کہ اگر ناجنس کو اَسرار و معارف بتائے جائیں تو فتویٰ کفر، قتل اور حبس کے سوائے کچھ حاصل نہیں ہوتا جیسا کہ حسین بن منصور اور ابن عربی قَدَّسَ اللہُ سِرَّھُمَا کے حق میں ہُوا۔

شیخ الاسلام قَدَّسَ اللہُ سِرَّہٗ نے فرمایا ہے: "بات اس سے کرنی چاہیے جو بات کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہو تاکہ حق تعالیٰ کا بھید ظاہر نہ ہو اور اگر نااہل سے بات کرو گے، گویا اپنی بات اس پر ٹھونسو گے تو تمھیں تکلیف اور ضرر پہنچے گا۔"

حضرت سیّد الطائفہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے فرمایا ہے: "ہم یہ علم سرد آبوں اور گھروں میں پوشیدہ طور پر بتاتے ہیں۔ شبلیؒ آئے تو انھوں نے برسرِ منبر یہ باتیں کہیں اور عام لوگوں پر ظاہر کر دیں۔"

حضرت میاں جیوؒ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ فرماتے تھے کہ حسین بن منصور بے حوصلہ تھے کہ اونچی بات ان کی زبان سے نکلی۔ اس گروہ کے بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ اگر دریائے حقیقت کو پی بھی لیں تو خاموش رہیں اور کبھی جوش میں نہ آئیں۔

حضرت سماع سے بھی شغف رکھتے تھے

حضرت میاں جیوؒ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ سماع بھی فرماتے تھے۔ ہندی راگ کو خوب سمجھتے تھے اور اسے بہت پسند کرتے تھے۔ قوال آتے تو ان سے سماع فرماتے لیکن ایسا نہیں کہ قوال ہمیشہ ان کے پاس رہیں یا انھیں خود طلب فرمائیں۔ شریعت کی پیروی اور اپنے آپ پر ضبط ہونے کی وجہ سے وجد و رقص ہرگز نہیں کرتے تھے۔ سماع فرما کر جب کبھی خوش ہوتے تو خوشی ان کے رُوئے مبارک اور چہرۂ پُرنُور سے ظاہر ہوتی، ریشِ مبارک کے بال ایک ایک کر کے کھڑے ہو جاتے اور چہرہ تمتما اٹھتا لیکن تمکین و وقار کا یہ عالم تھا کہ نہ کوئی حرکت صادر ہوتی نہ ہاتھ اٹھاتے۔

ابو بکر مصری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ فرماتے ہیں کہ میں حضرت جُنیدؒ کے ساتھ تھا۔ قوالی

ہو رہی تھی۔ ابوالحسن نوریؒ اٹھا اور رقص کرنے لگا۔ حضرت جنیدؒ بیٹھے ہوئے تھے، نوری آپ کے سر کے قریب آیا اور کہا کہ اٹھو! اور یہ آیت پڑھی۔

اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ [۱]

جو سنتے ہیں وہ ضرور جواب دیتے ہیں

حضرت جنیدؒ نے یہ آیت پڑھی۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ [۲]

(تو پہاڑوں کو جامد سمجھتا ہے حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہیں)

وہ لوگ جو سماع کرتے ہیں لیکن خاموش رہتے ہیں اور وجد کی کیفیت ان میں ظاہر نہیں ہوتی، یہ لوگ وقار و تمکین میں پہاڑوں کی طرح ہیں لیکن درحقیقت یہ عین وجد و رقص کی حالت میں ہوتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ابوالحسین نوری قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ ایک مرتبہ تین دن رات گھر میں کھڑے شور کرتے رہے۔ سیدالطائفہ کو اطلاع ہوئی۔ وہ اٹھ کر ابوالحسین کے پاس گئے اور کہا: یا ابوالحسین! اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ اس شور سے تجھیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو شور کرتا رہ تاکہ مجھ میں بھی جوش و خروش کی کیفیت پیدا ہو اور اگر یہ شور کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے تو دل سے اللہ کی رضا کو تسلیم کر تاکہ تمہارا دل خوش ہو جائے"۔ یہ سن کر نوری کا جوش سرد پڑ گیا اور کہا: "یا ابوالقاسم! آپ بہت بڑے معلّم ہیں"۔

ایک شخص نے حضرت میاں جیو رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ سے سماع و وجد کے بارے میں دریافت کیا۔ جواب میں آپ نے سعدیؒ کے یہ شعر پڑھے:

---

[۱] قرآن کریم: ۷، الانعام، ۳۶
[۲] قرآن کریم: ۲۰/النمل، ۸۸

شعر

سماع ای برادر بگویم کہ چیست، اگر مستمع را بدانم کہ کیست،

گر از اوجِ معنی پَرد طیرِ او فرشتہ فرو ماند از سیرِ او

اگر مردِ لہواست بازی و لاغ قوی تر شود دیوش اندر دماغ

اگر میں سماع کرنے والے کو جان لوں کہ وہ کون ہے تو اے بھائی میں تمہیں بتاؤں کہ سماع کیا ہے

اگر اس کا طائرِ خیال حقیقت کی بلندی سے پرواز کرے تو اس کی پرواز سے فرشتہ بھی عاجز آ جاتا ہے

اور اگر اس کا مقصد محض لہو ولعب اور فریب کاری ہے تو اس کے دماغ کا شیطان قوی تر ہو جاتا ہے

حضرت کے تمام اصحاب سماع کرتے تھے رَحِمَهُمُ اللّٰه. لیکن وجد و رقص نہیں کرتے تھے۔ حضرتِ شاہ (ملا شاہ بدخشی) کو باغ یا جنگل کی طرف سیر کو جاتے ہوئے راستے میں کوئی قوال مل جاتا یا شہر سے اسے ہمراہ لے آتے تو سماع فرما کر بہت حظ اٹھاتے۔ خوش ہوتے تو کبھی کبھی اُٹھ کر ان کے پاس جاتے اور حقائق و معارف پر مبنی اپنی رباعیاں ولولہ انگیز طرز پر گاتے اور محظوظ ہوتے۔ ایسی حالت میں خوش حالی اور سرور آپ کے بشرہ مبارک سے ٹپکتا تھا۔ اپنے آپ پر خوب ہنستے۔ سینے پر ہاتھ رکھتے اور اپنے بازوؤں کو ملنے لگتے۔ درویش جو مجلس میں حاضر ہوتے، وہ بھی خوش ہوتے۔ حضرت کبھی کبھی رونے بھی لگتے۔ کبھی اپنے آپ کو زمین پر مارتے اور گرتے پڑتے عجیب کیفیت رونما ہوتی تھی۔

سماع کے بارے میں مشائخ رَحِمَهُمُ اللّٰه کے مابین اختلاف ہے۔ سماع سے مراد نغمہ سننا اور وجد سے مراد ہاتھ اٹھانا اور رقص کرنا ہے۔ اکثر مشائخ رَحِمَهُمُ اللّٰه سماع اور نغمہ و آواز کو پسند کرتے ہیں مثلاً حضرت سید الطائفہ شیخ جنیدؒ، حضرت غوث الثقلین شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ، شیخ الاسلام خواجہ عبد اللہ انصاریؒ اور متعدد دوسرے متقدمین۔ حضرت میاں جیو علیہ الرحمۃ

اور میرے شیخ ملا شاہ سلمہ اللہ تعالیٰ و ابقاہٗ لیکن سلسلۂ قادریہ اور طریقۂ میاں جیو میں رقص و وجد نہیں کرتے اور بعض مشائخ مثلاً امام العارفین ذوالنون مصری استاذ الموحدین ابو سعید خراز، ابوالحسین نوری، ابوبکر شبلی، ابوالحسین دراج اور خواجہ قطب الدین اوشی تو وجد میں اپنے آپ کو بھلا بیٹھتے تھے۔ ابوحمزہ خراسانی، ابو علی رودباری، ابو سعید ابوالخیر اور صاحبِ کشف المحجوب حضرت علی ہجویری، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہم اللہ اور دوسرے متقدمین و متاخرین مشائخ چشت مثلاً حضرت شیخ فریدالدین شکر گنج اور سلطان المشائخ شیخ نظام الدین دہلوی سماع فرماتے اور وجد و رقص کرتے تھے اور اسے جائز قرار دیتے تھے لیکن سلسلۂ نقشبندیہ میں یہ معمول نہیں۔

حضرت خواجہ نقشبند سے لوگوں نے سماع کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: "میں سماع نہیں کرتا لیکن اس سے منع بھی نہیں کرتا۔ مشائخ میں سے ایک کا کہنا ہے کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر کے وجد و رقص کرنے کی وجہ سے مجھے ان پر اعتقاد نہ تھا لیکن ایک مرتبہ عالمِ خیال میں دیکھا کہ میں ابوسعید ابوالخیرؒ کی مجلس میں موجود ہوں اور ابوسعیدؒ کچھ لوگوں کے ساتھ محوِ رقص ہیں اور ملائکہ کی آواز آتی ہے: "قُوْمُوْا وَارْقُصُوْا لِلّٰہِ" (اٹھو اور اللہ کے لیے رقص کرو)

یہ کیفیت دیکھ کر میرا سب انکار جاتا رہا۔ یہ اس شخص کا حال ہے جس پر حق وارد ہوتا ہے اس سے اس کا حال متغیر ہو جاتا ہے۔ اس کا دل مسرور ہوتا ہے اور وہ بے اختیار ہو جاتا ہے۔ اب خواہ وہ سماع کرے یا وجد و رقص۔ یہ اس کے لیے مبارک ہے کیونکہ حال کی درستی اور مقامات کی بلندی اسے حاصل ہے۔ اس کے علاوہ جو شخص اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اس کے لیے قوالی نہ سننا اور وجد نہ کرنا ہی بہتر ہے تاکہ وہ شیطان کے شر سے محفوظ رہے۔

اور جو لوگ شیخانِ دہلی کی طرح ہوا و ہوس کی غرض سے اہلِ مجلس کا تماشا دیکھنے کے لیے وجد کرتے ہیں اور وجد و رقص ہی کے لیے دہلی سے چل کر لاہور آتے اور رقص کرتے ہیں اور اگر کوئی انہیں

منع کرے تو رنجیدہ ہو جاتے ہیں، ان کے لیے یہ شغل حرام محض ہے۔

حضرت میاں میرؒ کا خُلق

حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کا خُلق اس مرتبے کا تھا کہ جو شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، اگرچہ حضرت اسے تھوڑی دیر ہی پاس بٹھاتے، تاہم اس طرح توجہ اور مہربانی فرماتے کہ وہ سمجھتا جس قدر لطف و عنایت اس پر ہوئی، کسی دوسرے پر نہیں یہ بات میں نے اکثر لوگوں سے سُنی ہے کہ جس پر شفقت فرماتے اس کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے کر بات کرتے۔ حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ آیۂ رحمت تھے جو اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے لوگوں پر نازل کی۔

ابو جعفر حداد کہتے ہیں: "اگر عقل مرد کی صورت میں ہوتی، تو جُنیدؒ کی صورت میں ہوتی اور اگر خُلق مرد کی صورت میں ہوتا، تو حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں ہوتا۔ آپ جس پر عنایت فرماتے، اسے "یارِ عزیز" کہہ کر مخاطب کرتے۔ ملک کی خوشحالی اور لوگوں کی خبر گیری اور ان پر شفقت کرنے کی تلقین کرتے۔ نیز مستحق لوگوں کو صدقہ دینے کی نصیحت کرتے۔ مُریدوں کو وہ دوست سمجھتے تھے لفظِ مُرید آپ کی زبانِ مبارک پر کبھی نہ آتا تھا۔ فرماتے تھے کہ نبیؐ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے زمانے میں پیری مُریدی کا سلسلہ نہ تھا لیکن صحبت ہوتی تھی، جس کی پیروی میں ہماری صحبت ہوتی ہے۔ جو ہمارے ساتھ مل بیٹھتا ہے، وہ ہمارے دوستوں میں ہے۔

حضرت شیخ (مُلّا شاہ بدخشیؒ) فرماتے تھے کہ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے زمانے میں درس دینا اور لکھنا پڑھنا نہ تھا بس یہی صحبت ہوتی تھی۔ آنحضرتؐ اپنے صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ عَنہُم سے معرفت اور حقیقت کے بارے میں گفتگو فرمایا کرتے تھے۔

حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کی الہامی باتیں بجائے خود کرامت اور ترجمانِ وحی ہوتی تھیں۔ اگر کوئی شخص کسی سلسلے میں آپ سے سوال کرتا تو اس کا جواب کمالِ عرفان اور علمِ لدُنی سے اس

طرح دیتے کہ سوال کرنے والا مطمئن ہو جاتا اور اسے قبول کرنے کے سوا چارہ نہ ہوتا۔ حضرت میاں جیوؒ رَحمَۃُ اللہ عَلَیہ فرماتے تھے: "ایک دن شہر لاہور کے علماء نے جمع ہو کر کہا کہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

"یَشِیبُ ابنُ آدمَ وَیَشِبُّ فِیہِ خَصلَتَانِ الحِرصُ وَطُولُ الاَمَلِ"

(آدمی بوڑھا ہوتا جاتا ہے اور دو خصلتیں اس کی جوان ہوتی چلی جاتی ہیں، ایک حرص اور دوسری درازیٔ عمر)

اس حدیث میں ہمارے لیے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ انبیاء اور اولیاء کے حق میں حرص اور لمبی چوڑی اُمیدوں کا ہونا کس طرح درست ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہر کسی کو جوانی میں کوئی نہ کوئی حرص ہوتی ہے۔ بڑھاپے میں یہ حرص زیادہ تیز ہو جاتی ہے۔ انبیاء و اولیاء کو رضائے حق، اعمالِ نیک کی طلب اور معرفتِ توحید کی خواہش ہوتی ہے اور بڑھاپے میں یہ طلب و خواہش اور زیادہ ہو جاتی ہے جس طرح جوانی میں اگر کسی کو طلب دنیا ہو تو یہ بڑھاپے میں جوانی کی نسبت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ لمبی چوڑی اُمیدوں کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔

مسئلۂ رُویتِ حق

مُلّا سعد اللہ نے مجھے بتایا کہ ایک دن حضرت میاں جیوؒ رَحمَۃُ اللہ عَلَیہ کی خدمت میں میں نے عرض کی کہ مسئلۂ رُویت کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے؟ ہمارا نفس تو جسمانی صورت کو دیکھنے کا عادی ہے لیکن اللہ کی ذاتِ پاک بے مُقابل، بے جہت اور لامکاں ہے۔ حضرت نے فرمایا: "ایک صحیح حدیث ہے جس میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ اہلِ بہشت کی پنڈلیوں کا مغز ستر کپڑوں میں سے بھی نظر آ جائے گا۔ پس جب مغزِ اُستخواں اس طرح دکھائی دے سکتا ہے تو بصارت بصیرت کا کام کیوں نہیں دے گی؟ اور لطیف کو لطیف کا ادراک کیوں نہ ہو سکے گا؟

"وَھُوَ اللَّطِیفُ الخَبِیرُ" (وہ لطیف اور خبیر ہے)

یہ جواب حضرت نے ایک عالمِ ظاہر کو اس کے فہم کے مطابق دیا، ورنہ اس مسئلے پر حضرت میاں جیوؒ اور اکثر اکابر نے بہت تحقیقات کی ہے اور متعدد اشارات و نکات پیش کیے ہیں۔

حضرت میاں جیو رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کے یاروں میں سے ایک نے فقیر (دارا شکوہ) کو بتایا کہ میں نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ "نہایۂ جزری" میں ذکر آیا ہے کہ ابن شفیع تابعی نے حضرت ابوذر غفاری صحابیؓ کو کہا کہ اگر میں رسُولِ خدا صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو دیکھتا تو پوچھنے کی جسارت کرتا کہ حضورؐ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ ابوذر غفاریؓ نے فرمایا کہ میں نے رسُولِ خدا صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم سے یہ سوال کیا تھا۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا: "نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ" (وہ نور ہے میں اسے کیونکر دیکھ سکتا ہوں) یہ بات واضح رہے کہ اس عبارت میں تجنیس خطی ہے "نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ" یعنی وہ جسے میں دیکھتا ہوں۔ اس تجنیس کی بنا پر بعض نے اس کے آخری معنی مراد لیے ہیں اس کے معنی کے متعلق دو روائتیں ہیں جو ایک دوسری سے مختلف ہیں۔ حضرت میاں جیو رَحمۃُ اللہ عَلَیہ نے فرمایا کہ روایت اوّل کے مطابق وجودِ مطلق ایسی ذاتِ صرف ہے کہ انبیاءؑ کے لیے بھی اس کا دیکھنا محال ہے اور حدیث

"لَوْ کُشِفَ سُبُحَاتُ وَجْہِہٖ لَاَحْتَرَقَ کُلُّ مَا اَنْتَہٰی اِلَیْہِ بَصَرُہٗ"

(اگر حق تعالیٰ کا نور ظاہر ہو جائے تو بیشک ہر اس چیز کو جلا دے جس تک نگاہ پہنچے)

کا اشارہ بھی اسی طرف ہے یعنی اگر حق تعالیٰ کا نور ظاہر ہو جائے تو بیشک ہر اس چیز کو جلا دے جو نور کے مقابل میں ہو پس ذات مطلق کا دیکھنا ممکن نہیں۔ حضرت موسیٰ کَلِیمُ اللہ نے پروردگار سے التجا کی تھی رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ[1] یعنی میرے پروردگار مجھے ذاتِ مُعرّیٰ کو صفات سے بے پردہ کر کے دکھا۔ اس کا جواب انھیں "لَنْ تَرَانِیْ" ملا یعنی تو مجھے نہیں دیکھ سکتا:

---

[1] قرآن کریم: ۹/ اَلْاَعْرَاف، ۱۴۳

شعر

ترا تا کوہِ ہستی پیش باقی است — جوابِ رَبِّ اَرِنِی، لَنْ تَرَانِی است

(جب تک تمہاری ہستی کا پہاڑ باقی ہے۔ رَبِّ اَرِنِی کا جواب لَنْ تَرَانِی ہی ہو گا)

دوسری روایت کے مطابق ذاتِ باصفات جب صرف تنزّل کرے تو وہ پردۂ صفات اور لباس پوشی میں آجاتی ہے اس وقت اس کا دیکھنا ممکن ہے لیکن وہ بھی صرف انبیاء اور اولیاء کے لیے، جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے :

"وَرَاَیْتُ رَبِّیْ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ وَرَاَیْتُ رَبِّیْ فِیْ صُوْرَۃِ شَابٍ اَمْرَدَ قَطَطٍ"

(یعنی میں نے اپنے پروردگار کو ایک جوان لڑکے کی صورت میں دیکھا جو بے ریش تھا اور جس کے بال گھنگھریالے تھے)

شعر

بی پردۂ آب وگل، مارا بنما رُوی — خورشیدِ درخشاں را تاکے بگل اندازی

(جسمانی زندگی کے پردے کے بغیر تو مجھے اپنا دیدار دکھا اپنے تابناک سورج کو کب تک آب وگِل کے پردے میں رکھے گا)

فقیر کو ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو حضرت موسیٰؑ کو حق تعالیٰ کا جواب ملنے پر بھی دنیا و آخرت میں ذاتِ خداوندی کی بے جہت کیفیت کے بارے میں حیران ہوتے ہیں چونکہ وہ بے بصیرت ہیں اور انھیں دنیا میں دیدار کی سعادت نصیب نہیں ہوئی، اس لیے وہ آخرت میں بھی دیدارِ الٰہی کے منکر ہیں۔ ان کی قسمت میں انکار کی شامت کے سوا اور کچھ نہیں، چنانچہ جس طرح وہ دنیا میں نابینا ہیں، اسی طرح عاقبت میں بھی نابینا رہیں گے۔ لِقَوْلِہٖ تَعَالیٰ :

"مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا"[۱]

(جو شخص اس جہان میں نابینا رہے گا (خدا کو نہیں دیکھ سکے گا) اُس جہان میں بھی ہرگز نہ دیکھے گا)

---

[۱] قرآن کریم: ۱۵/ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْل، ۷۲

اور "وَاَضَلُّ سَبِیْلًا" جو ارشاد ہوا اس کا اشارہ اسی بات کی طرف ہے کہ جو اس جہان میں نابینا ہے اسے اس بات کی امید نہیں کہ وہ اِسی جہان میں ہے اُس جہان میں نہیں، کیونکہ اس جہان میں اِستعداد ختم ہو جاتی ہے۔ اس مضمون کی ایک رباعی ہے :

آنانکہ خدا در آن زمان می بینند — اوّل تو بدان درین جہان می بنیند

دیدارِ خدا درین و آن یکسانست — ہر لحظہ بظاہر و نہان می بینند

(وہ عارف لوگ جو خدا کو عاقبت میں دیکھیں گے تو جان لے کہ وہ اسے اس جہان میں بھی دیکھتے ہیں یہاں اور وہاں خدا کا دیدار یکساں ہے۔ وہ ہر لحظہ اسے ظاہر اور پوشیدہ دونوں صورتوں میں دیکھتے ہیں)

حضرت امیر المؤمنین علی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے فرمایا ہے :

"لَنْ اَعْبُدَ رَبًّا لَمْ اَرَہٗ"

(خدا کی پرستش نہیں کرتا ہوں جب تک اسے دیکھتا نہیں)

نیز یہ بھی فرمایا :

"لَوْ کُشِفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُ یَقِیْنًا"

(اگر اس جہان کا پردہ اُٹھ بھی جائے تو میرے یقین میں اضافہ نہ ہوگا)

پردے کا اٹھنا تو دوسروں کے لیے ہے۔ عارف کا پردہ اسی دن اٹھا دیا گیا تھا جب کہ اسے یقین عطا ہوا، لہٰذا اس کے یقین میں کوئی اِضافہ نہ ہو گا۔

شیخ ابو عبداللہ بلیانی فرماتے ہیں :

تا حق بدو چشم سر نہ بینم ہر دم — از پای طلب می ننشینم ہر دم

(جب تک میں حق تعالےٰ کو ان دو آنکھوں سے ہر آن نہیں دیکھ لیتا طلب و جستجو میں میرے پاؤں آگے بڑھتے رہتے ہیں)

گویند خدا بچشم سر نتوان دید — آن ایشانند و من چنینم ہر دم

(ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں خدا کو جسمانی آنکھوں سے نہیں دیکھا جاتا لیکن ہیں تو ایسا ہوں جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے)

مسئلہ رُویت کے بارے میں تمام عارف اور اولیاء اللہ متفق ہیں کہ دنیا میں اور آخرت میں بھی بصارت اور بصیرت کی مدد سے حق جلّ و عَلا کو دیکھا جا سکتا ہے کیونکہ ان کی بصارت اور بصیرت یکساں ہیں اور ان کے مابین کوئی فرق باقی نہیں۔ مگر جہاں تک عبارت کا تعلق ہے بعض نے بصارت کا ذکر کیا ہے اور بعض نے بصیرت کا۔

حضرت غوث الثقلین رَضِیَ اللہُ عَنۡہُ سے لوگوں نے کہا "آپ کا فلاں مُرید کہتا ہے کہ میں نے حق سُبحانہٗ وتعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے"۔ اسے بلا کر آپ نے منع فرمایا اور کہا کہ یہ بات لوگوں سے نہ کہو۔ حاضرین نے دریافت کیا کہ یہ بات کہنے میں وہ سچا ہے یا جھوٹا؟ فرمایا، "اس نے درست تو کہا ہے لیکن اس امر کی حقیقت اس سے پوشیدہ ہے کہ اس نے حق تعالیٰ کو دل کی آنکھ سے دیکھا ہے، درصل جسمانی آنکھ سے صرف دل کی آنکھ کا پرتو دیکھا ہے پس اسے گمان گزرا کہ ذاتِ حق کو اس نے جسمانی آنکھ سے دیکھا ہے۔

حضرت شیخ حسن بصری رَحۡمَۃُ اللہِ عَلَیۡہِ نے کہا:

"وَاللہِ لَقَدۡ رَاٰی مُحَمَّدٌ عَلَیۡہِ السَّلَامُ رَبَّہٗ"

(مجھے پروردگار کی قسم کہ بیشک نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے)

ابنِ عباس سے وَلَقَدۡ رَاٰہُ نَزۡلَۃً اُخۡرٰی[1] (اور حضورؐ نے اس فرشتہ کو ایک اور دفعہ بھی (صورت اصلیہ میں دیکھا ہے) کی تفسیر کے بارے میں روایت ہے کہ جب نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اپنے پروردگار سے شبِ معراج میں نماز کی رکعتوں کی تخفیف کے متعلق گفتگو کر رہے تھے تو شاید نزلات میں سے کسی نزلے میں رُویتِ حق بھی حاصل ہوئی ہو۔ اس بارے میں نامور مشائخ اور

---

[1] قرآن کریم: ۲۷ / اَلنَّجۡم، ۱۳

عالی مقام اکابر کے خیالات، جو مستند کتابوں اور مفید نسخوں میں ملتے ہیں، درج ذیل ہیں:

حضرت قطب الواصلین، سیّد العارفین، غوث الثقلین، امام الحافقین، شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہٗ وَاَفَاضَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ فُتُوْحَہٗ نے "غُنْیَۃُ الطَّالِبِیْنَ" میں فرمایا ہے کہ احادیث کی رُو سے میرا اس بات پر ایمان ہے کہ آنحضرت عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے اپنے پروردگار کو دل کی آنکھوں ہی سے نہیں، بلکہ جسمانی آنکھوں سے بھی دیکھا ہے۔ نیز بیداری کے عالم میں دیکھا ہے نہ کہ خواب میں۔ چنانچہ جابر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے آیہ کریمہ

"وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِیْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ"[۱]

کی تفسیر میں فرمایا کہ "رویا" سے مراد رب العزّت کا دیدار ہے جو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کو نصیب ہوا۔ جس طرح حضرت ابرہیم عَلَیْہِ السَّلَامُ کو "خُلّت" نصیب ہوئی اور حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ کو ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا اسی طرح "رُویت" مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کو حاصل ہوئی۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا سے روایت ہے کہ "رُویت" کی نفی و انکار میں جو مُبالغہ کیا جاتا ہے وہ احادیث کے خلاف نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ نفی ہے اور یہ اثبات اور اثبات نفی پر مقدم ہے۔

ابوبکر بن سلیمانؒ کا بیان ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے شبِ معراج میں پروردگار کو گیارہ مرتبہ دیکھا۔ ان میں سے دو بار کا ذکر قرآن پاک میں ہے اور نو بار کا دیدار احادیث سے ثابت ہے۔ احادیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ شبِ معراج رکعتوں کی تخفیف کے بارے میں حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ کے قریب سے مقامِ اعلیٰ کی طرف گئے اور واپس

---

[۱] قرآن کریم: ۱۵/ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْل، ۶۰

آئے اور ہر بار دیدارِ الٰہی نصیب ہُوا۔

قُدوۃُ الکاملین حکیم ابُو القاسم سمرقندیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ واسطیؒ نے اس آیۂ کریمہ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى[1] (قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی) کے متعلق کہا کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّم کو ان کے نفس سے واپس لے لیا گیا۔ پس فی الحقیقت آپ کی ذاتِ عالی نے خود اپنی ذات کا مشاہدہ کیا۔

ابن عطا فرماتے ہیں کہ رسُول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے پروردگار کو طُغیانِ خواہش میں نہیں بلکہ حالتِ اعتدال میں دیکھا۔

صاحبِ "بحر الحقائق" آیۂ کریمہ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی) کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ رسُول عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَام کی مُلکی اور مَلکُوتی بصارتیں مُشاہدہ حق میں ایک ہو گئی تھیں۔ پس بصارتِ مُلکی سے حق کے ظاہر کو دیکھا اور بصارتِ مَلکُوتی سے حق کے باطن کا مُشاہدہ کیا۔ نیز فرمایا ہے کہ الواحِ مُوسٰی عَلَیْہِ السَّلَام میں مفصّل ذکر آیا ہے کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَام اور اُن کی اُمّت کے بندگانِ خاص حق تعالیٰ کو اس دُنیا میں دیکھیں گے۔ یہ امر انہیں کے لیے مخصوص ہے "تفسیر سلمی" میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّم کو اپنے جمال کا نُور ان آنکھوں سے دکھایا جن میں ذات و صفات کا سُرمہ نہیں لگا تھا اور آپ کو اس قدر دیدار دکھایا جس قدر آپ نے چاہا۔ آپ کی آنکھ سراسر چشمِ رحمانی ہو کر واصِلِ ذات ہو گئی یہ دلی رُویت ہے اور جس طرح آنکھوں سے دیکھا، اسی طرح دل کی آنکھوں سے دیکھا رُویتِ چشم اور رُویتِ قلب میں کوئی فرق نہ رہا۔

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسُول عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَام نے فرمایا:

---

[1] قرآن کریم: ۲۷/ اَلنَّجْم، ۱۱

"رَاَیتُ رَبِّی بِعَینِی وَبِقَلبِی"

(میں نے اپنے رب کو جسمانی آنکھ اور قلبی آنکھ سے دیکھا ہے)

صاحبِ "تفسیرِ عرائس" "سُبحَانَ الَّذِی اَسرٰی بِعَبدِہٖ لَیلًا مِّنَ المَسجِدِ الحَرَامِ اِلَی المَسجِدِ الاَقصٰی"[۱] (رات کے وقت مسجد الحرام میں (یعنی مسجدِ کعبہ) سے مسجدِ اقصیٰ یعنی بیت المقدس تک) کی تفسیر میں بتاتے ہیں کہ حق تعالیٰ اپنے بندے کو افعال و آیات کی رُوئیت سے اپنی صفات کی رُویت میں لے گیا، پھر اپنی صفات کی رُویت سے اپنی ذات کی رُویت میں پہنچایا پس حق تعالیٰ نے انھیں دیکھا اور انھوں نے حق تعالیٰ کو دیکھا چونکہ آپ کا تمام تر وجود چشمِ خداوندی ہو گیا تھا۔ اللہ تعالےٰ کے ارشاد "لَن تَرَانِی" کے بارے میں کہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جسمانی آنکھ سے خدائے تعالےٰ کے دیدار کی التجا کی تھی۔ اُن کی آنکھ پر دل کا پردہ تھا، اس لیے وہ آنکھ محجوب رہی اور آنحضرتؐ کا دِل ان کی آنکھ میں تھا تو بیشک آنحضرتؐ نے حق تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے بھی دیکھا اور دل سے بھی۔

"تفسیر قشیری" کے مصنّف سُورۃ النّجم کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اپنے پروردگار کو دیکھا حالانکہ دیدار پانے کی صفت حق تعالیٰ کی رُویت سے پہلے بھی آنحضرتؐ میں موجود تھی۔

صاحبِ "تفسیرِ عرائس" اِس آیتِ کریمہ "وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰی لِمِیقَاتِنَا"[۲] (جب موسیٰؑ ہمارے وقت (موعود) پر آئے) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ موسیٰ عَلَیہِ السَّلَام میقات آئے اور محجوب ہوئے اور مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہِ عَلَیہِ السَّلَامُ وَالصَّلٰوۃُ میقات آئے اور حق تعالیٰ کی ذات میں واصل ہوئے۔ انھوں نے خداوند تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھا جو ان کے نزدیک عطیۂ عظمیٰ تھا۔ مصنّف نے تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ حق تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جنھیں نورِ جمال کے لباس سے ملبوس کیا گیا

---

[۱] قرآنِ کریم : ۱۵/ بَنِیٓ اِسرَآءِیل، ۱

[۲] قرآنِ کریم : ۹/ اَلاَعرَاف، ۱۴۳

ہے اور جن کی بصارت کو مَلکوُت و جَبرُوت کے سُرمے سے روشن کیا گیا ہے، ان کے دل ان کی آنکھوں میں آجاتے ہیں۔ بیشک عرش سے فرش تک اُنھیں جو کچھ نظر آتا ہے، وہ جمالِ الٰہی ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے کہا ہے:

"مَا نَظَرْتُ اِلیٰ شَیءٍ اِلَّا وَ رَاَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ"

(جس چیز کو میں نے دیکھا اس میں مجھے خدا نظر آیا)

اور روایت ہے کہ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام جب بیہوشی کے عالم میں تھے تو ان کے پاس فرشتے آئے اور کہا:

"یَا ابْنَ نِسَاءِ الْحَیْضِ اَطَمِعْتَ فِی رُؤْیَۃِ رَبِّ الْعِزَّۃِ"

(اے زنانِ حائضہ کے فرزند! کیا ربُّ العزّت کے دیدار کی طمع کی تھی)

یہ جو کچھ انھوں نے کہا اس میں وہ معذُور تھے کیونکہ حضرتِ موسیٰؑ کا اللہ تعالیٰ کی بساطِ قرُب تک جانا ممنوع تھا۔ وہ کیا جانیں کہ عاشقوں کو ایسے واقعات پیش آتے ہی ہیں، اس کا انھیں علم نہیں تھا کہ موسیٰؑ عینِ غیبت کی حالت میں بھی حُضور ہی میں تھے ان کے حالات کا ذرّہ بھر اور ان کے مقامات کا شمّہ بھر وہ جان لیتے تو بے ہوش ہوجاتے اور جل جاتے۔ خداوند تعالیٰ کی تعریف ہے کہ جس نے انسان کی فطرتِ عجیبہ کو اس کام کے لیے مخصوص فرمایا، جس کی تمنّا کرّوبیان اور ساکنانِ عالمِ بالا کو بھی نہیں ہوسکتی۔

صاحبِ فصل الخطاب[1] لکھتے ہیں کہ لوگوں نے ابویزید قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ سے پُوچھا کہ آپ کی عمر کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا، چار سال! وہ بولے یہ کیونکر؟ آپ نے جواب دیا کہ ستّر سال

---

[1] "فصل الخطاب فی المحاضرات" تالیف خواجہ محمّد بن محمّد بن محمُود حافظی بخاری معروف بہ خواجہ پارسا متوفی ۸۲۲ ہجری در مدینۂ طیّبہ۔

تو میں حجابِ دنیا میں رہا اور صرف چار سال ہوئے ہیں کہ میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ حجاب کا زمانہ عمر میں شامل نہیں ہوتا۔ اس مُعمّر شخص سے جب پوچھا گیا کہ تم خداوند عزّوجلّ کو دیکھنا چاہتے ہو؟ تو اس نے کہا، "نہیں!" انھوں نے پوچھا "کیوں نہیں؟" تو اس نے کہا "موسیٰؑ نے اسے دیکھنا چاہا لیکن نہ دیکھ سکے اور نبی کریمؐ نے دیکھنے کی خواہش نہ کی اور دیکھ لیا۔" پس ہماری خواہش ہمارے لیے حجاب بن جاتی ہے۔ دوستی ہوتے ہُوئے دوست پر خواہش کا اظہار کرنا، گویا آپ اپنی مخالفت کرنا ہے اور یہ مخالفت ہی دراصل حجاب ہوتا ہے۔ جب دنیاوی خواہش ختم ہو جاتی ہے تو مُشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ جب مُشاہدے کو ثبات حاصل ہوتا ہے تو دنیا، عُقبیٰ کی طرح ہو جاتی ہے اور عُقبیٰ دنیا کی طرح۔

ذوالنونؒ[1] مصری قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ کہتے ہیں: ایک دن میں نے مصر میں جاتے ہُوئے کچھ بچّوں کو دیکھا کہ ایک شخص کو پتھر مار رہے ہیں۔ میں نے کہا: "تم اس سے کیا چاہتے ہو؟" انھوں نے کہا یہ دیوانہ ہے! میں نے پوچھا کہ دیوانگی کی کونسی علامت نظر آرہی ہے اس میں؟ کہنے لگے یہ کہتا ہے کہ مَیں خدائے عزّوجلّ کو دیکھتا ہوں۔ میں نے کہا: "اے جوانمرد! یہ تُو خود کہتا ہے یا لوگ تمھارے متعلق یہ بات کہتے ہیں۔" اس نے کہا: "نہیں! یہ میں خود ہی کہتا ہوں۔ اگر میں ایک لحظہ بھر حق سُبحانہٗ وَتعَالیٰ کو نہ دیکھ پاؤں اور محجُوب رہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس عرصے میں میں اطاعتِ خداوندی سے محروم رہا۔"

محمد بن واسطیؒ نے فرمایا: "مَارَأَیْتَ شَیْئًا اِلَّا وَرَأَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ" (مَیں نے کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جس میں اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھا ہو)

شبلیؒ[2] قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ نے بھی یہی کہا ہے: "مَارَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا وَرَأَیْتُ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ"

---

[1] ابوالفیض ثوبان بن ابراہیم مصری، ملقب بہ ذوالنون وفات ۲۴۶ھ در مصر

[2] ابوبکر جعفر بن یونس معروف بہ شبلی متوفی ۳۳۴ھ، بغداد

فصل الخطاب میں ذکر آیا ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے شبِ معراج کی خبر دی۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا کہ میں نے حق سُبحانہٗ کو نہیں دیکھا اور ایک روایت کے مطابق فرمایا کہ میں نے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو دیکھا ہے۔ پہلی روایت میں یہ جو کہا، کہ نہیں دیکھا اُس کا اشارہ جسمانی آنکھ کی طرف تھا اور وہ جو کہا، کہ میں نے دیکھا ہے، اس کا اشارہ دل کی آنکھ کی طرف تھا۔ گویا ہر ایک کے ساتھ اس کے فہم کے مطابق بات کی۔ پس آنحضرتؐ نے اگر حق تعالیٰ کا دیدار جسمانی آنکھ کے ذریعے نہ بھی کیا ہو تو کیا مضائقہ!

شیخ نظامیؒ (گنجوی) نے تو بہت واضح طور پر کہا ہے:

شعر

دید محمدؐ نہ بچشمِ دِگر بلکہ بہمیں چشمِ سر، این چشمِ سر!

(آنحضرتؐ نے اللہ تعالیٰ کو کسی اور آنکھ سے نہیں بلکہ اس جسمانی آنکھ سے دیکھا)

بحر الحقائقؒ[1] کے مصنفؒ اس آیۂ شریفہ "وَاکْتُبْ لَنَا فِی هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً"[2] کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ہمارے لیے اس دنیا میں نیکی لکھ لیجیے۔ نیکی سے مراد دیدارِ صالح ہے جو دنیا میں حضرت رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو اور اُن کی اُمّت کے خواص کو نصیب ہوگا" وَفِی الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَا اِلَیْکَ"[3] (وہی نیکی ہمارے لیے آخرت میں بھی لکھ دے) یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہمیں اس فضیلت سے سرفراز فرما تاکہ ہم اسی فضیلت کی خواہش لیے ہوئے تیری طرف لوٹیں۔

سُلوک کے مراتب، شریعت، طریقت اور حقیقت

حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سُلوک کے مرتبوں میں سے پہلا مرتبہ

---

[1] بحر الحقائق والمعانی التفسیر السبع المثانی تالیف نجم الدین معروف بہ ابن دایہ متوفی سنہ ۶۵۴ھ بغداد
[2] قرآن کریم: ۹/الاعراف، ۱۵۶ [3] ایضاً

شریعت ہے۔ شریعت کے سالک کے لیے لازم ہے کہ احکامِ شریعت کو پورا کرنے کی کوشش کرے۔ جب اپنی اہلیت کے مطابق کوشش کرلے اور شریعت کی پیروی میں مُستحکم ہو جائے تو احکامِ شریعت کی پیروی کی برکت سے اُس کے دل میں طریقت کا مرتبۂ کمال حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہو گی اور پھر جب طریقت کے فرائض درست طور پر ادا کرے گا تو حق سُبحانہٗ وَتعالیٰ اس کے دل کی آنکھوں سے بشریت کا پردہ اٹھا دے گا! ور حقیقت کے معنی اس پر ظاہر ہو جائیں گے، جس کا تعلق رُوح سے ہے۔ پس شریعت سے رُوحانی تعلق کی نگہداشت ہوتی ہے اور مرتبۂ طریقت کے حاصل ہونے کا سبب بنتی ہے۔ اور طریقت بُری خصلتوں سے باطن کو پاک کرنے، مقامِ حقیقت کو سمجھنے فنائے وُجُود کی اصلیت کا اِدراک کرنے، ماسواء اللہ سے دل کو خالی کرنے اور درجۂ قُرب میں واصل ہونے کا مُوجب ہے۔

یہ بھی جان لو کہ آدمی تین چیزوں، یعنی نفس، دل اور رُوح کا مجموعہ ہے اور ہر ایک کی اصلاح تین چیزوں سے ہوتی ہے:

اصلاحِ نفس : شریعت کی پیروی سے

اصلاحِ دل : طریقت کے فرائض ادا کرنے سے

اصلاحِ رُوح : حقیقت کے مرتبوں کی حفاظت سے

دُعا کا اثر

حضرت میاں جیوؒ قَدَّسَ اللّٰہُ رُوحَہٗ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ اس آیۂ کریمہ

"اُدْعُوْنِیٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ"[1]

کا ظاہری مطلب تو یہ ہے کہ تم دعا کرو میں تمھارے لیے قبول کرتا ہوں لیکن بہت سی دعائیں قبول

---

[1] قرآن کریم، ۴۰/۲۴، اَلْمُؤْمِنْ ۶۰

نہیں ہوتیں اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حق جَل وعَلا نے فرمایا ہے: "مجھے یاد کرو۔ خالصتاً ایسی حالت میں یاد کرو، جب کہ تمھارے دل میں اور کوئی خیال نہ ہو۔ پس اگر کوئی شخص نہایت خلوص سے اور ماسواء اللہ سے دل کو خالی کر کے دُعا کرتا ہے، تو وہ قبول ہوتی ہے۔ اور رد نہیں ہوتی لیکن دُعا کرتے وقت کسی غیر کا خیال آئے اور کوئی اندیشہ ہو، تو ایسی دعا کا اثر نہیں ہوتا۔" "اُدْعُوْنِیْ" تو صرف خدا کی ذات کے لیے ہے۔ پس اگر دعا قبول نہ ہو تو آیتِ کریمہ کے مضمون کی نفی نہیں ہوتی۔"

مولانائے روم قَدَّسَ اللہُ سِرَّہٗ فرماتے ہیں:

بر زبان تسبیح و در دل گاؤ خر   این چنین تسبیح کے دارد اثر؟

(زبان پر تو ذکرِ الٰہی ہو اور دل میں گاؤ خر کا خیال! بھلا ایسے ذکر کا کیا اثر ہوگا!)

ارشادِ باری تعالیٰ: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ [۱]

(اور جب آپ بھول جائیں تو اپنے رب کا ذکر کیا کیجیے)

میں بھی اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے کہ پروردگار کو ایسے وقت میں یاد کرو، جب تم اپنے آپ کو اور غیر کو فراموش کر دو کیونکہ اس کے حضور غیر کا خیال شرک ہوتا ہے۔

شیخ نجم الدین رازی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ اِسمِ اعظم کی تحقیق کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ ہمارا اسمِ اعظم لفظ "اللہ" ہے۔ اس کی تائید میں متعدد دلیلیں پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر سائل سوال کرے کہ میں نے بارہا یہ اسم پڑھ کر دُعا کی ہے لیکن قبول نہیں ہوئی، یہ بات اسمِ اعظم کی شان کے خلاف ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح نماز کے ارکان ہوتے ہیں، جن کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی، اسی طرح دعا کے لیے بھی شرائط ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ لقمۂ حلال سے باطن پاک ہوا ہو

---

[۱] قرآن کریم: ۱۵/ الکہف، ۲۴

چنانچہ کہا گیا ہے، کہ دعا ایمان کی کلید ہے اور اس کلید کے دندانے لُقمۂ حلال ہیں۔ دوسری شرط اِخلاص اور حُضورِ قلب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

دَعَوُا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ[1]

(سب خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں)

دعا میں محض زبان کو حرکت دینا تو اس غوغا کی مانند ہے جو کوٹھے کے اوپر یا دروازے سے باہر ہو رہا ہو۔ نیز دعا کے لیے عملِ صالح کی بھی ضرورت ہے تاکہ یہ قبولیت کے مقام کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ[2]

(پاک کلمات بلندی کی طرف جاتے ہیں اور عملِ صالح انھیں اور بلندی پر لے جاتا ہے)

عملِ صالح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو اپنی خواہشات سے پاک کرو۔ اور مذکور کے سوا کسی اور کے ذکر سے اور مُسمّٰی کے علاوہ کسی اور کے اسم سے تمھیں حظ نہ ملے۔ "اللہ" کے اسمِ اعظم ہونے کی دلیل فقیر (دارا شکوہ) کے خیال میں یہ ہے کہ حق سُبحانہٗ وَتَعَالیٰ فرماتا ہے:

وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ[3]

(اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے)

"اکبر" اشارہ ہے اعظم کا، یعنی اسم "اللہ" اعظم ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ: وَلَذِکْرُ الرَّحْمٰنِ اَکْبَرُ" (رحمٰن کی یاد بڑی چیز ہے) اس قسم کی اور مثالیں بھی اس معنی پر دلالت کرتی ہیں۔ سُورۂ اِخلاص

---

[1] قرآن کریم: ۱۱/یُونُسؔ، ۲۲

[2] قرآن کریم: ۲۲/فاطِر، ۱۰

[3] قرآن کریم: ۲۰/اَلعَنکبُوت، ۴۵

"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ"[1] (کہو اللہ ایک ہے) میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے اور اکثر مشائخ رَحِمَهُمُ اللّٰہ کے قول کے مطابق "هُوَ" اسم اشارہ ہے اور "اَحَد" صفت ہے۔ پس دونوں کے مابین "اَللّٰہ" اسم ذات ہے پس اس سے مراد اسم اعظم ہے۔

اس حدیث شریف لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ" (اللہ تعالیٰ کے ساتھ میری ایک گھڑی ایسی گزرتی ہے جہاں جبرئیل اور کوئی دوسرا نبی نہیں سما سکتا) کے معنی کے بارے میں فرمایا کہ یہاں ملکِ مُقرب سے سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی رُوحِ پُرفُتوح مراد ہے جو سِر اور قلب کے مابین واسطہ ہے اور نبی مرسل سے مراد آنحضرتؐ کا پاک، کامل دل ہے کیونکہ جو کچھ آنحضرتؐ کے دل پر وحی کے ذریعے اِلقا ہوتا، اِس کے مطابق رسالت کے لوازم ادا کر کے لوگوں تک پہنچا دیتے، یعنی خداوند تعالیٰ کے ساتھ مجھے ایسا وقت میسّر ہے کہ اب اس وقت میں نہ میرے رُوح کی گنجائش ہے نہ میرے دل کی اور یہ مرتبۂ توحید کے کمال کی طرف اشارہ ہے۔ ایک دن نبیٔ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ خوش وقتی کی حالت میں تھے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا حاضر ہوئیں حضور نے فرمایا "مَنْ اَنْتَ" (تو کون ہے؟) عرض کی "اَنَا عَائِشَۃُ" (مَیں عائشہ ہوں!) آپ نے فرمایا "مَنْ عَائِشَۃُ" (عائشہ کون) عرض کی "بِنْتُ اَبِیْ بَکْرٍ" ! آپ نے فرمایا "مَنْ اَبُوْبَکْرٍ" (ابوبکر کون ہے؟) عرض کیا "اِبْنُ اَبِیْ قُحَافَۃَ!" (ابی قحافہ کے بیٹے) آپ نے فرمایا "مَنْ اَبِیْ قُحَافَۃَ" یہ سن کر حضرت عائشہ روتی ہوئیں حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئیں اور حقیقتِ حال کہہ سنائی۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ جب نبیٔ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ پر ایسی حالت طاری ہو تو بااَدب رہا کرو۔

حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا جب اس کے بعد آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آزردگی کا اظہار کیا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا، عائشہ تم کیسی ہو؟ انھوں نے کہا، اے رسول اللہؐ

---

[1] قرآن کریم : ۳۰/ اِخلاص، ۱

چنانچہ کہا گیا ہے، کہ دعا ایمان کی کلید ہے اور اس کلید کے دندانے لُقمۂ حلال ہیں۔ دوسری شرط اِخلاص اور حُضورِ قلب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

دَعَوُا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ [۱]

(سب خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں)

دعا میں محض زبان کو حرکت دینا تو اس غوغا کی مانند ہے جو کوٹھے کے اوپر یا دروازے سے باہر ہو رہا ہو۔ نیز دعا کے لیے عملِ صالح کی بھی ضرورت ہے تاکہ یہ قبولیت کے مقام کو پہنچے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ [۲]

(پاک کلمات بلندی کی طرف جاتے ہیں اور عملِ صالح انھیں اور بلندی پر لے جاتا ہے)

عملِ صالح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو اپنی خواہشات سے پاک کرو۔ اور مذکور کے سوا کسی اور کے ذکر سے اور مُسمّیٰ کے علاوہ کسی اور کے اسم سے تمھیں حظ نہ ملے۔ "اللہ" کے اسمِ اعظم ہونے کی دلیل فقیر (دارا شکوہ) کے خیال میں یہ ہے کہ حق سُبحانہٗ وَتعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ [۳]

(اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے)

"اکبر" اشارہ ہے اعظم کا، یعنی اسم "اللہ" اعظم ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ: وَلِذِکْرُ الرَّحْمٰنِ اَکْبَرُ" (رحمٰن کی یاد بڑی چیز ہے) اس قسم کی اور مثالیں بھی اس معنی پر دلالت کرتی ہیں۔ سورۂ اِخلاص

---

[۱] قرآن کریم: ۱۱/یُونُس، ۲۲

[۲] قرآن کریم: ۲۲/فَاطِر، ۱۰

[۳] قرآن کریم: ۲۰/العَنکبُوت، ۴۵

" قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ "[۱] (کہو اللہ ایک ہے) میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے اور اکثر مشائخ رَحِمَهُمُ اللّٰہ کے قول کے مطابق " هُوَ " اسم اشارہ ہے اور " اَحَد " صفت ہے۔ پس دونوں کے مابین " اَللّٰہ " اسمِ ذات ہے پس اس سے مراد اسمِ اعظم ہے۔

اس حدیث شریف لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ " (اللہ تعالیٰ کے ساتھ میری ایک گھڑی ایسی گزرتی ہے جہاں جبرئیل اور کوئی دوسرا نبی نہیں سما سکتا) کے معنی کے بارے میں فرمایا کہ یہاں ملکِ مُقرّب سے سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی رُوحِ پُرفُتوح مراد ہے جو سراور قلب کے مابین واسطہ ہے اور نبی مرسل سے مراد آنحضرتؐ کا پاک، کامل دل ہے کیونکہ جو کچھ آنحضرتؐ کے دل پر وحی کے ذریعے اِلقا ہوتا، اس کے مطابق رسالت کے لوازم ادا کر کے لوگوں تک پہنچا دیتے۔ یعنی خداوند تعالیٰ کے ساتھ مجھے ایسا وقت میسر ہے کہ اب اس وقت میں نہ میرے رُوح کی گنجائش ہے نہ میرے دل کی اور یہ مرتبۂ توحید کے کمال کی طرف اشارہ ہے۔ ایک دن نبیِّ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم خوش وقتی کی حالت میں تھے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا حاضر ہوئیں حضور نے فرمایا " مَنْ اَنْتَ " (تو کون ہے؟) عرض کی " اَنَا عَائِشَۃُ " (میں عائشہ ہوں!) آپ نے فرمایا " مَنْ عَائِشَۃ " (عائشہ کون؟) عرض کی " بِنْتُ اَبِیْ بَکْرٍ " ! آپ نے فرمایا " مَنْ اَبُوْبَکْرٍ " (ابوبکر کون ہے؟) عرض کیا " اِبْنُ اَبِیْ قُحَافَۃَ ! " (ابی قحافہ کے بیٹے) آپ نے فرمایا " مَنْ اَبِیْ قُحَافَۃ " یہ سن کر حضرت عائشہ روتی ہوئیں حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئیں اور حقیقتِ حال کہہ سنائی۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ جب نبیِّ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم پر ایسی حالت طاری ہو تو باادب رہا کرو۔

حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا جب اس کے بعد آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آزردگی کا اظہار کیا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا، عائشہ تم کیسی ہو؟ انھوں نے کہا، اے رسول اللہؐ

---

[۱] قرآن کریم: ۳۰/ اِخلاص، ۱

چنانچہ کہا گیا ہے، کہ دعا ایمان کی کلید ہے اور اس کلید کے دندانے لقمۂ حلال ہیں۔ دوسری شرط اِخلاص اور حُضورِ قلب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

دَعَوُا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ [۱]

(سب خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں)

دعا میں محض زبان کو حرکت دینا تو اس غوغا کی مانند ہے جو کوٹھے کے اوپر یا دروازے سے باہر ہو رہا ہو۔ نیز دعا کے لیے عملِ صالح کی بھی ضرورت ہے تاکہ یہ قبولیت کے مقام کو پہنچے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ [۲]

(پاک کلمات بلندی کی طرف جاتے ہیں اور عملِ صالح انھیں اور بلندی پر لے جاتا ہے)

عملِ صالح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو اپنی خواہشات سے پاک کرو۔ اور مذکور کے سوا کسی اور کے ذکر سے اور مُسمّٰی کے علاوہ کسی اور کے اسم سے تمھیں حظ نہ ملے۔ "اللہ" کے اسمِ اعظم ہونے کی دلیل فقیر (دارا شکوہ) کے خیال میں یہ ہے کہ حق سُبْحَانَہٗ وَتَعَالیٰ فرماتا ہے:

وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ [۳]

(اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے)

"اکبر" اشارہ ہے اعظم کا، یعنی اسم "اللہ" اعظم ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ: وَلَذِکْرُ الرَّحْمٰنِ اَکْبَرُ "(رحمٰن کی یاد بڑی چیز ہے) اس قسم کی اور مثالیں بھی اس معنی پر دلالت کرتی ہیں۔ سورۂ اِخلاص

---

[۱] قرآن کریم: ۱۱/یُونس، ۲۲

[۲] قرآن کریم: ۲۲/فاطِر، ۱۰

[۳] قرآن کریم: ۲۰/اَلعنکبوت، ۴۵

"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ"[1] (کہو اللہ ایک ہے) میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے اور اکثر مشائخ رَحِمَهُمُ اللّٰہ کے قول کے مطابق "هُوَ" اسم اشارہ ہے اور "اَحَد" صفت ہے۔ پس دونوں کے مابین "اَللّٰہ" اسمِ ذات ہے پس اس سے مراد اسمِ اعظم ہے۔

اس حدیث شریف لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ" (اللہ تعالیٰ کے ساتھ میری ایک گھڑی ایسی گزرتی ہے جہاں جبرئیل اور کوئی دوسرا نبی نہیں سما سکتا) کے معنی کے بارے میں فرمایا کہ یہاں ملکِ مُقرب سے سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کی رُوحِ پُرفُتوح مراد ہے جو سِرّ اور قلب کے مابین واسطہ ہے اور نبی مرسل سے مراد آنحضرتؐ کا پاک، کامل دل ہے کیونکہ جو کچھ آنحضرتؐ کے دل پر وحی کے ذریعے اِلقا ہوتا، اس کے مطابق رسالت کے لوازم ادا کرکے لوگوں تک پہنچا دیتے، یعنی خداوند تعالیٰ کے ساتھ مجھے ایسا وقت میسر ہے کہ اب اس وقت میں نہ میرے رُوح کی گنجائش ہے نہ میرے دل کی اور یہ مرتبہ، توحید کے کمال کی طرف اشارہ ہے۔ ایک دن نبیٔ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ خوش وقتی کی حالت میں تھے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا حاضر ہوئیں حضور نے فرمایا "مَنْ اَنْتَ" (تو کون ہے؟) عرض کی "اَنَا عَائِشَةُ" (میں عائشہ ہوں!) آپ نے فرمایا "مَنْ عَائِشَةُ" (عائشہ کون؟) عرض کی "بِنْتُ اَبِیْ بَکْرٍ"! آپ نے فرمایا "مَنْ اَبُوْبَکْرٍ" (ابوبکر کون ہے؟) عرض کیا "اِبْنُ اَبِیْ قُحَافَةَ!" (ابی قحافہ کے بیٹے) آپ نے فرمایا "مَنْ اَبِیْ قُحَافَةُ" یہ سن کر حضرت عائشہ روتی ہوئیں حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئیں اور حقیقتِ حال کہہ سنائی۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ جب نبیٔ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ پر ایسی حالت طاری ہو تو با ادب رہا کرو۔

حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا جب اس کے بعد آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آزردگی کا اظہار کیا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا، عائشہ تم کیسی ہو؟ انھوں نے کہا، اے رسول اللہؐ

---

[1] قرآن کریم: ۳۰/ اِخلاص، ۱

اب تک تو آپ نے مجھے نہیں پہچانا تھا اب کیا پہچانیں گے! پھر صورتِ حال بیان کی آنحضرتؐ نے فرمایا: ”لِيْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُنِيْ فِيْهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ“

(اللہ تعالیٰ کے ساتھ میری ایک گھڑی ایسی گزرتی ہے جہاں جبرئیل اور کوئی دوسرا نبی نہیں سما سکتا)

مثنوی

رسد چون نقطۂ آخر باوّل — درآنجا نے ملک گنجد نہ مرسل

(نقطۂ آخر جب نقطۂ اوّل سے جا ملتا ہے تو نہ فرشتے کی گنجائش رہتی ہے نہ رسول کی)

درآن موضع کہ نورِ حق دلیل است — چہ جائے گفتگوئے جبرئیل است

(جس مقام پر نورِ حق خود رہنما ہو، وہاں گفتگوئے جبرئیل کی کیا ضرورت ہے)

فرشتہ گرچہ دارد قُربِ درگاہ — نگنجد در مقامِ لِيْ مَعَ اللّٰه

(فرشتے کو اگرچہ درگاہِ الٰہی میں قُرب حاصل ہے لیکن وہ لِيْ مَعَ اللّٰه کے مقام میں نہیں سما سکتا)

فرشتے کی اس لیے گنجائش نہیں کہ وہ اہلِ قُرب میں سے ہے اور حضرت کے لیے قریب بھی بُعد کی مانند ہے اور یہ سعادت آدمی ہی کا خاصہ ہے۔

انبیأ اور اولیاء کی مشکل

رسُول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے اس حدیث میں ”اَشَدُّ الْبَلَاءِ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ ثُمَّ عَلَى الْاَوْلِيَاءِ ثُمَّ الْاَمْثَلَ فَالْاَمْثَلَ“ فرمایا ہے کہ ”سخت ترین مصیبت پیغمبروں کے لیے ہے۔ ان کے بعد اولیاء کے لیے اور ان کے بعد ان کے لیے، جو اولیاء کے مُشابہ ہوں۔“

یہ مصیبت برص، جذام یا سرسام وغیرہ نہیں کیونکہ کوئی نبی کبھی ان امراض میں مبتلا نہیں ہوا بلکہ مصیبت یہ ہے کہ نبی، ولایت اور نبوّت کا جامع ہے۔ ولایت کے لیے جمعیت لازم ہے۔ اور نبوّت کے لیے تفرقہ۔ کیونکہ نبوّت میں احکامِ شریعت کی تبلیغ کرنا اور کافروں سے جہاد کرنا ہوتا

ہے اور ولایت میں ماسوا اللہ سے تعلق چھوڑنا اور ذاتِ حق میں اپنے آپ کو فنا کرنا ہوتا ہے۔

پس نبوّت اور ولایت کا یکجا ہونا اور دونوں مرتبوں میں رعایت قائم رکھنا، انبیاء کے لیے سخت ترین مصیبت ہے اولیا کے لیے سخت ترین مصیبت یہ بھی ہے کہ انھیں مرتبۂ ولایت کی نگہداشت میں ہمیشہ مستغرق اور ذاتِ حق میں محو رہنا پڑتا ہے نیز لوگوں میں رہ کر مریدوں کی تربیت اور مراتبِ شریعت کی رعایت بھی ملحوظ رکھنی ہوتی ہے کیونکہ ہر ولی نبیؑ کا پیرو ہوتا ہے۔

ابوبکر دقی[1] رَحمۃُ اللہ عَلَیہ نے فرمایا ہے: "اَلْعَافِیَۃُ وَالتَّصَوُّفُ لَا یَجْتَمِعُ" (عافیت اور تصوّف یکجا نہیں ہوتے)

ابوالحسن مصری[2] قَدَّسَ اللہُ سِرَّہٗ فرماتے ہیں "مَالِلصُّوفِیِّ وَالْعَافِیَۃِ" (صوفی کو عافیت سے کیا فائدہ)

اولیاء کی طرح زاہدوں اور عابدوں کو بھی سخت ترین مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے کیونکہ انھیں دنیاوی تعلقات اور معیشت کے امور کی غور و پرداخت کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرنی ہوتی ہے۔

اللہ کے حضور معذرت

اس حدیث "اِنِّی لَاَسْتَغْفِرُ اللہَ کُلَّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ میں بے شک ہر روز اللہ تعالیٰ سے ستر مرتبہ معذرت چاہتا ہوں۔ ان معنوں میں بظاہر اشکال نظر آتا ہے کہ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم سے وہ کونسا ایسا امر وقوع میں آیا جس کے لیے حق تعالیٰ سے ستر مرتبہ معذرت چاہتے ہیں؛ حضرت میاں جیو رَحمۃُ اللہ عَلَیہ

---

[1] ابوبکر محمد بن داؤد دمشقی دینوری دقی متوفی ۳۵۹ھ

[2] ابوالحسن علی بن ابراہیم حصری بصری متوفی ۳۷۱ھ

نے اس کے متعلق فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیاں لامحدود ہیں، وہ آناً فاناً تمام موجودات پر نئی تجلی ظاہر کرتا ہے اور تجلی میں تکرار نہیں ہوتا۔ ہر تجلی سابقہ تجلی سے لطیف تر ہوتی ہے۔ پس معذرت چاہنے سے یہ مُراد ہے کہ ہر تجلی جو آنحضرتؐ پر وارد ہوتی تھی، اور آنحضرتؐ اسے سابقہ تجلی سے لطیف تر سمجھتے تھے تو یہ خیال فرماتے تھے کہ اس سے لطیف تر اور تجلی نہیں ہوگی اور انسان کے کمال کا حال بھی یہی ہے لیکن آنحضرتؐ جب نئی تجلی کو پہلی تجلی سے زیادہ لطیف پاتے تو اپنے پہلے خیال سے استغفار کرتے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ "اِنِّیْ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ وَاِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ مِائَۃَ مَرَّۃٍ" یعنی میرے دل پر حال پوشیدہ ہو جاتا ہے اور یہ پوشیدگی گمان کی وجہ سے ہے۔ اس لیے بھی استغفار کرتے تھے۔

فقیر کا خیال ہے کہ سیدالطائفہ حضرت جنید قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ نے یہ جو فرمایا ہے کہ ساٹھ سال ہوئے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس میں بھی اس بیان کی طرف اشارہ ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ

عملِ حسنہ

اس حدیث کے متعلق "یَا فَاطِمَۃُ لَا تَتَّکِلِیْ عَلٰی اَنَّکِ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰہِ اِعْمَلِیْ اِعْمَلِیْ"

(اے فاطمہ! اس بات پر بھروسہ نہ کرو کہ تم رسولِ خدا کی بیٹی ہو۔ عمل کرو! عمل کرو)

فرمایا ہے کہ ظاہری مطلب میں کچھ شبہ نظر آتا ہے کہ وہ عملِ حسنہ کونسا ہوگا جو حضرت فَاطِمَۃَ الزَّھْرَا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا سے وقوع میں آیا ہوگا کیونکہ آپ انتہائی عبادت گزار تھیں اور غایت درجہ ریاضت کرتی تھیں لیکن یہ جو سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ اے فاطمہ! اس بات پر بھروسا نہ کرو کہ تم رسولِ خدا کی بیٹی ہو۔ عمل کرو! عمل کرو! عمل سے مراد یہ ہے کہ دل کی صفائی اور باطن کی پاکیزگی اس حد تک کرو کہ جیسا میں تمھیں کہتا ہوں، ویسا ہی تمھارا دل تم کو کہے اور تمھاری رہبری کرے محض میرے کہنے پر نہ رہو۔ شروع شروع میں اگرچہ مُرید شیخ

کے کہنے پر عمل کرتا ہے لیکن بالآخر وہ اپنے دل کے کہے پر چلنے لگتا ہے، لہٰذا حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے یاروں کو فرمایا کرتے تھے کہ عمل کرو۔ آپ مشائخ متقدمین کی کتابیں پڑھنے کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے تھے، مبادا پڑھنے والے اس مقام پر پہنچے بغیر کتاب کے بیانات کو اپنے آپ پر صادق کرنے لگیں۔ حضرت یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے:

شعر

کار کن کار و بگذر از گفتار　　که درین راه کار دارد کار!

(کام کر کام: باتیں چھوڑ کر اس راہ میں کاموں ہی سے سابقہ ہے)

اگرچہ شیخ کی ہدایت، مطالعۂ کتب اور ریاضت سے مطلب حاصل ہو جاتا ہے لیکن جو خوش دلی، خوش وقتی، یقین اور تسکین خود نکاتِ اسرار دریافت کرنے سے حاصل ہوتی ہے، وہ شیخ کے بتانے سے حاصل نہیں ہوتی اگرچہ یہ دریافت بھی شیخ ہی کی رہنمائی کی برکت کا نتیجہ ہے۔

وجد و شعور

میاں حاجی محمد کہتے تھے کہ ایک سائل نے حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ ان دو اقوال میں مطابقت کیسے پیدا ہو سکتی ہے؛ پہلا قول یہ کہ: صوفی کو وجد کی حالت میں اس قدر شعور ہونا چاہیے کہ اگر مٹھی چنے سے بھری ہو اور ایک دانہ چنے کا مٹھی سے گر جائے تو اسے خبر ہو جائے۔ دوسرا قول یہ ہے صوفی کو وجد کی حالت میں فانی ہونا چاہیے اور فنا عدمِ شعور کی حالت ہوتی ہے۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ صوفی جب وجد میں ہوتا ہے تو وہ اپنی ہستی سے خالی ہوتا ہے اور بقائے حق میں مل کر باقی ہو جاتا ہے۔ پس جب وہ بقائے حق میں مل جائے گا تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ چنے کا دانہ گرنے سے یا اس سے کمتر کسی چیز کے گرنے کی بھی اسے خبر ہو جائے گی، لہٰذا یہ کہا گیا ہے کہ وجد کی حالت میں صوفی کو زمینوں اور آسمانوں کی چیزیں پشتِ ناخن کی طرح نظر آتی ہیں۔

یہ ضروری نہیں کہ بُری عادت ہمیشہ ساتھ رہے

حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ سعدیؒ کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے :

خُوئی بد در طبیعتی کہ نشست   نرود جز بوقت مرگ از دست

(بُری عادت جب کسی کی طبیعت کا حصہ بن جائے تو وہ مرنے پر ہی ساتھ چھوڑتی ہے)

اس شعر کے متعلق فرماتے تھے کہ یہ موت، طبعی موت نہیں کیونکہ بعض مشائخ کبار ایسے بھی ہیں جو توبہ کرنے سے پہلے لُوٹ مار اور دیگر بُرے کاموں میں مشغول رہے لیکن توبہ کر لینے کے بعد ان کا شمار کامل اولیاء میں ہُوا۔ اب یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ بُری عادت موت تک ساتھ نہیں چھوڑتی۔ مَعَاذَ اللہ تم ایسا اعتقاد نہ رکھنا۔ پس یہ سمجھ لو کہ اس موت سے نفس اور جسمانی خواہشات کی موت مراد ہے جیسا کہ حضرت رسُولِ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے کہ :

"مُوتُوا قَبلَ اَنتَ مُوتُوا"

(مرنے سے پہلے مرجاؤ)

سالک کا کام نفس اور جسمانی خواہشات کو مارنا ہے پس اس طرح جب تک انسان اپنے نفس کو نہیں مارتا اور آرزوؤں اور خواہشوں کو ترک نہیں کرتا بُری عادت اس کا ساتھ نہیں چھوڑتی۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اولیاء کی موت ان کے نفس کی موت ہوتی ہے اور نفس کی موت کے بعد انھیں ابدالآباد کی زندگی حاصل ہوتی ہے۔

مومن دونوں جہانوں میں زندہ ہے

نبی کریمؐ کا ارشاد ہے :

"اَلمُؤمِنُ حَيٌّ فِي الدَّارَينِ اِی العَارِفُ"

(مومن دونوں جہانوں میں زندہ ہے یعنی عارف)

حافظ شیرازی کہتے ہیں :

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق　　ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

(وہ شخص کبھی نہیں مرتا جس کا دِل عشق سے زندہ ہو جائے۔ ہمارا دوام کتابِ عالم میں لکھا گیا ہے)

اس کے متعلق میرے شیخ حضرت مُلّا شاہ قَدَّسَ اللہُ سِرَّہٗ نے فرمایا ہے :

رُباعی

مرگست کہ عادمِ ہمہ حیوان است　　مرگست کہ او دشمنِ انس و جان است

مرگست کہ در کارِ ہمہ عشوہ کند　　در مرگ و حیات عشوۂ عرفان است

(موت جانداروں کو فنا کر دینے والی ہے، یہ انس و جان کی دشمن ہے۔ موت ہر کام میں اپنا عشوہ دکھاتی ہے لیکن زندگی اور موت کے درمیان بھی ایک عشوہ ہے اور وہ عشوۂ عرفان ہے)

نیز رسولِ کریمؐ نے فرمایا ہے :

"اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ وَلٰکِنْ یُنْقَلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ"

(یعنی اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے ہیں)

حضرت مُلّا شاہ قَدَّسَ اللہُ سِرَّہٗ فرماتے تھے کہ ہمارے دل میں مرنے کا کوئی غم اور خوف نہیں۔ جس حالت میں یہاں بیٹھے ہیں، اسی حالت میں وہاں بیٹھیں گے۔ فرق اس قدر ہے کہ ہم ایک سرائے سے دوسری سرائے کو اُٹھ جائیں گے۔ درحقیقت جس کا بدن رُوح کی طرح لطیف ہو جائے، اس کے لیے مرنا اور زندہ رہنا یکساں ہے۔

یہ رُباعی آپ نے کہی ہے :

دامانِ بقا فتادہ در قبضۂ ما　　از دامنِ ما خلاص شد دستِ فنا

با بیرنگی جوانِ جاوید شدم　　پیری نرسد بگرد ما، مرگ کجا!

(بقا کا دامن ہماری گرفت میں آیا ہوا ہے۔ فنا کا ہاتھ ہمارے دامن تک نہیں پہنچتا۔ بے رنگ ہو کر ہمیں جاودانی شباب حاصل ہوا ہے۔ پیری ہماری خاک کو بھی نہیں پہنچتی، موت کیا!)

ایک دن فرمایا کہ حضرت رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا مبارک سایہ اس لیے زمین پر نہیں پڑتا تھا کہ رُوح کی صحبت اور لطافت سے جسمِ مُبارک رُوح ہی کی مانند لطیف ہو گیا تھا اور جسم کی لطافت کی وجہ سے لباس بھی لطیف ہو گیا تھا۔ نُورانی وُجود کا سایہ نہیں ہوتا کیونکہ سایہ کثافت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جب کثافت نہ رہے اور لطافت ہی لطافت باقی رہے، تو سایہ کیسا؟

اولیاء اللہ کا تصرّف موت کے بعد بھی قائم رہتا ہے

حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے بعض یاروں نے کہا کہ حضرت نے فرمایا ہے:
"زندگی میں اور موت کے بعد بھی، اولیاء اللہ کا تصرّف ایک سا رہتا ہے بلکہ موت کے بعد ان کی توجہ اور تصرّف بیشتر اور بہتر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ زندگی میں تو جسمانی حجاب اور سترِ احوال بعض چیزوں میں مانع ہوتا ہے۔ لیکن موت کے بعد سب حجاب اٹھ جاتے ہیں۔ گویا جب شمشیر نیام سے باہر آتی ہے تو ظاہر ہے کہ یہ اس شمشیر کی نسبت زیادہ کارگر ہوتی ہے جو نیام میں ہے۔"

فقیر (دارا شکوہ) نے یہ مضمون اس رباعی میں ادا کیا ہے:

ہر کار کہ مشکل ست، درویش کند　　مرہم بدلی نہد کہ او ریش کند
چون فوت شود تصرّفش افزاید　　شمشیر برہنہ کار را بیش کند

(جو کام کہ مشکل ہوتا ہے، وہ درویش کرتا ہے۔ جس دل کو زخمی کرتا ہے اس پر مرہم لگاتا ہے۔ جب وہ راہیٔ ملکِ بقا ہوتا ہے تو اس کا تصرّف اور بڑھ جاتا ہے جیسا کہ برہنہ شمشیر زیادہ کارگر ہوتی ہے)

اس فقیر کے دل میں اکثر یہ خیال آتا تھا کہ آیا موت کے بعد اور روح کے قالب سے جدا ہونے

پر رُوح کو یہی حالت، یہی شعُور اور یہی ذوق و وجدان اور شغل میسر ہو گا یا نہیں! ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ میری رُوح قالب سے جدا تو ہو گئی ہے لیکن قبر کے اردگرد وجد، شغل اور تمام تر ذوق کے ساتھ ہوا کی طرح، بلکہ اس سے بھی زیادہ تیز گردش کر رہی ہے وہ شعُور جو اسے پہلے حاصل تھا، جوں کا توں قائم ہے، بلکہ بہت بہتر اور پُر سرُور ہو گیا ہے۔ اس کی لطافت بہت بڑھ گئی ہے اور جس شغل میں وہ تھی، اس سے زیادہ مشغول، بے اندیشہ اور بے تعلق ہو گئی ہے۔ بعد ازاں وہ پھر واپس آئی اور میرے بدن میں داخل ہو گئی۔ داخل ہونے کے بعد اطمینان اور ذوق کے آثار تو مجھ پر ظاہر ہُوئے لیکن یہ ویسے نہ تھے۔ معلوم ہُوا، اِس حالت کو اُس حالت کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔ اولیاء کو موت کے بعد ترقی ہوتی ہے اور کیوں نہ ہو کہ حق تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ[۵]

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کی نسبت
یوں بھی مت کہو کہ وہ مردے ہیں بلکہ وہ تو زندہ ہیں۔
لیکن تم نہیں سمجھتے۔

ترک و تجرید

حضرت میاں جیُو رحمۃُ اللہ علیہ صاحبِ حُضُور تھے اور ترک و تجرید کے لیے کامل تاہل اختیار کرنے کو نہیں کہتے تھے۔ اگرچہ آپ نے تمام دنیاوی تعلقات چھوڑ رکھے تھے اور تفرّد و تجرّد آپ پر عیسیٰ بن مریم کی طرح غالب تھا۔

آپ اوائل عمری ہی میں ہر چیز سے فارغ ہو کر ترک و تجرید میں بے مثل اور یگانۂ رُوزگار ہوُئے۔

---

۵ قرآن کریم: ۲/البقرۃ، ۱۵۴

شیخ داؤد بھیروی نے مجھے بتایا کہ میں ہمیشہ حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آتا تھا اور مجھ پر توجہ فرماتے تھے۔ ایک دن شیخ حامد گجر، جو لاہور کے علماء میں سے تھے اور آخر عمر میں انھیں حضرت نے مشغولِ ذکر فرمایا تھا، اس کی بیوی نے مجھے بلا کر کہا کہ اے شیخ داؤد! خدا کے لیے حضرت میاں میرؒ کی خدمت میں میری طرف سے عرض کرو کہ آپ نے مجھ کو شوہر کی زندگی ہی میں بیوہ بنا دیا ہے۔ میری اولاد تباہ حال اور میرا گھر ویران ہو گیا ہے۔ شوہر ہماری طرف توجہ نہیں دیتا۔

راوی کا کہنا ہے کہ جب میں حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کے گھر گیا کہ پیغام پہنچاؤں، اس وقت میاں مُراد میرے ہمراہ تھے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت تنہا پڑے ہیں۔ تکیہ کے بجائے دستار سر کے نیچے رکھی ہوئی ہے۔ گرمی شدّت کی ہے۔ آپؒ کے جسمِ مبارک پر بہت سی پھنسیاں نکلی ہوئی ہیں۔ زخموں کے اوپر مکھیاں بیٹھی ہیں، کوئی خادم نہیں کہ مکھیاں اُڑائے۔ آپؒ کے سینۂ مبارک سے آواز سی نکلتی سنائی دیتی ہے۔ حضرت کو اس حالت میں دیکھ کر مجھے رونا آ گیا اور ایک گوشے میں جا بیٹھا۔ حضرت نے آنکھ کھولی اور پُوچھا کون ہے؟ میں نے عرض کی "داؤد اور مُراد"! فرمایا! "کیسے آنا ہُوا"؟ میں نے ملّا حامد کی بیوی کا پیغام کہہ سُنایا۔ آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور ہمیں بھی بٹھایا۔ پیغام کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ ملّا حامد کی بیوی جو کچھ چاہتی ہے اب اس کا شوہر اس کے کام کا نہیں اور یہ ہمارے شغل کا خاصہ ہے کہ صاحبِ شغل غیر کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ شیخ داؤد کہتا ہے مَیں روتا رہا اور عرض کی: "میاں جیوؒ! یہ کیا حالت ہوئی ہے آپ کی؟ کچھ اپنے وجود کی بھی آپ کو خبر ہے؟ یہ وجود بہت اشرف ہے۔ یہاں کوئی شخص بھی تو موجود نہیں کہ آپ کی مکھیاں اُڑائے" فرمایا: "اے داؤد! مجھے اپنی خبر مطلقاً نہیں۔ اگر چُھری لا کر میرا بند بند کاٹ دو تو مجھے ہرگز خبر نہیں ہو گی۔ اہلِ شریعت کے نزدیک کوئی شخص کلمہ پڑھنے سے کُفر کے بعد مومن ہو جاتا ہے لیکن اہلِ حقیقت

کے نزدیک کوئی چیز غفلت کا علاج نہیں کر سکتی۔"

حضرت کے لکھنے کا شغف

حضرت کا خطِ مبارک نستعلیق مگر شکستہ آمیز تھا۔ اکابر کے اشعار جن کا موضوع تصوف اور پند و نصائح ہوتا، اکثر لکھتے رہتے تھے۔ کبھی حاجت مندوں کی سفارش کے لیے اپنے ہاتھ سے رُقعہ بھی لکھ دیتے لیکن اپنوں اور مُریدوں کے لیے کوئی سفارشی رُقعہ اہلِ دنیا اور غیروں کے نام نہیں لکھتے تھے۔

کیفیتِ وفات حضرت میاں میرؒ

حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کو لاہور میں ساٹھ سال گزارنے کے بعد اسہال کی بیماری، جس کے بارے میں حدیثِ صحیح "اَلْمَبْطُوْنُ شَہِیْدٌ" وارد ہے، آپ کو لاحق ہو گئی اور پانچ دن تک جاری رہی آخر ۱۰۴۵ھ بتاریخ ۷، ماہ ربیع الاوّل کو بروز سہ شنبہ پہر دن گزرا تھا کہ محلہ خافی پورہ کے اس حجرے میں، جہاں آپ کا قیام تھا، آپ کی رُوح پاک ناسُوتی وجُود کے قفسِ عُنصری سے آزاد ہو گئی اور عالمِ لاہُوت میں، جو اس کا وطن تھا، پہنچی گویا قطرہ سمندر سے جا ملا۔

شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری قَدَّسَ اللہُ سِرَّہٗ فرماتے ہیں کہ اس خُدا کی قسم کہ جس کے سوائے کوئی خدا نہیں، ہر نیک بخت بندے کے لیے اس دن سے زیادہ اچھا، با راحت تر اور خوشتر دن کوئی نہیں آتا کہ جب عزرائیل اس کے پاس آئے اور کہے: "ڈرو نہیں کہ تم رحمان و رحیم کے پاس جاؤ گے۔ اپنے وطن پہنچو گے اور برتر مقام تمھیں ملے گا۔" یہ جہان تو ایک منزل اور زندان ہے یہاں مومن کا ٹھکانا عارضی ہے۔ اس جگہ کا قیام ایک بہانہ ہے، جب یہ بہانہ ختم ہو جائے تو حقیقت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور ہمیشہ رہنے والی زندگی مُیسّر آتی ہے"۔

مَوْتُ التَّقِیِّ حَیَاۃٌ لَا انْقِطَاعَ بِہَا　　قَدْ مَاتَ قَوْمٌ وَّہُمْ فِی النَّاسِ اَحْیَاءٗ

(مُتّقیوں کی موت ان کی زندگی ہے کیونکہ دنیاوی تعلقات مُنقطع ہو جاتے ہیں اگرچہ بعض مر جاتے ہیں لیکن وہ لوگوں میں پھر بھی زندہ رہتے ہیں)

ابوبکر سکاکؒ فرماتے ہیں کہ مشتاق کو موت کے دروازے پر آ کر اس سے کہیں زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے جو کسی زندہ شخص کو شہد کے شربت سے حاصل ہوتی ہے۔ اس گروہ کی لذت اور

ذوق اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنے اصلی وطن یعنی لامکان میں پہنچ جاتے ہیں۔

پیغمبر آخر الزمان صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے کہ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ (حُبِّ وطن ایمان سے ہے) اس حدیث کا مطلب اہلِ دل پر پوشیدہ نہیں۔ جو چیز ظاہر ہے اُس کے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے یہ بھی فرمایا ہے:

"اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ"

(موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے جا ملاتا ہے)

خُوب تر اندر جہانِ زین چہ بود کار | دوست بر دوست رفت، یار بر یار
آن ہمہ اندوہ بود، این ہمہ شادی | آن ہمہ گفتار بود، این ہمہ کردار

(اس جہان میں اس سے بہتر اور کیا ہوگا کہ دوست دوست کے پاس گیا اور یار یار سے جا ملا وہ سب اندوہ تھا اور یہ سرتاسر راحت ہے۔ وہ سب باتیں تھیں اور یہ سراپا عمل ہے)

بعض لوگوں سے سنا ہے کہ حضرت میاں جیوؒ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کی عمر ایک سو سات سال تھی، بعض ۹۷ سال بتاتے ہیں۔ حضرت کے بھتیجے کی اس تحریر کے مطابق، جو وہ آپ کے قریبی عزیزوں اور سیوستان کے معزز اور معتبر لوگوں کے بیان کے مطابق درست کر کے لائے تھے، حضرت کی ولادتِ باسعادت ۹۵۷ھ میں ہوئی۔ اس اعتبار سے آپ کی عمر ۸۸ سال کی ہوتی ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ لیکن وفات کے دن، ماہ اور سال میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ فقیر نے آپ کے مُریدوں سے، جو اس وقت موجود تھے تحقیق کر کے یہ سال اوپر تحریر کیا ہے۔ وہ مُرید ملّا خواجہ بہاری، شیخ محمد لاہوری، میاں حاجی محمد بنیانی اور نور محمد خادم ہیں، جو بیماری کے دنوں میں دن رات حضرت کی خدمت میں موجود رہتے تھے۔ نُور محمد نے مجھے بتایا کہ حضرت کی وفات سے

ایک دن پہلے حاکمِ شہر وزیر خاں حضرت کی عیادت کو آیا اور حجُرے کے باہر کھڑا ہو کر اطلاع بھیجی۔ آپ نے فرمایا: "انھیں واپس بھیج دو"۔ خادموں نے عرض کی کہ یہ بیمار پرسی کو آئے ہیں اور خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں۔ فرمایا: "آجائیں لیکن زیادہ بیٹھیں نہیں"۔ جب وہ اندر آئے تو عرض کی کہ ایک طبیبِ حاذق لایا ہوں اگر اجازت دیں تو وہ آپ کا علاج کریں۔ فرمایا: "میرے لیے حکیم مطلق کافی ہے"۔ چنانچہ آپ نے وزیر خاں کو رخصت کر دیا۔ بعد ازاں میں نے حضرت کو قدرے بے چین دیکھا اور عرض کی: "یہ بے قراری کیسی ہے؟" فرمانے لگے: "اگر یہ بے قراری ہے تو سمجھو کہ میں نے تمام عمر اپنے خدا کو بے فائدہ یاد کیا ہے"۔ اس سے حضرت کی مراد یہ تھی کہ ظاہری بے قراری، وجود طبیعت اور سکرات کا لازمہ ہے، لیکن یہ بیقراری اس لیے نہیں کہ قلب اور رُوح اپنی اصلی حالت میں مشغول ہیں یا نہیں؛ بلکہ یہ بیقراری غایتِ شوق کی وجہ سے ہے، جس سے حاضرین غافل تھے۔

ایک دن آپ نے فرمایا تھا کہ پیغمبروں کو بھی سکراتِ موت اور بیقراری ہوتی ہے۔ اس خیال سے میرے دل میں بڑا خوف پیدا ہوا۔ اس دن سے میں اس پر غور کرتا رہا، یہاں تک کہ ایک رفیق کا، جو صاحبِ حال تھا، آخری وقت قریب آگیا اور ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ میں نے اس سے پوچھا "وہ اطمینان جو تجھے حاصل تھا، اب کہاں ہے؛ اور یہ ہاتھ پاؤں مارنا کس لیے ہے؟" اس نے کہا، کہ اطمینان تو اس سے بھی زیادہ ہے، جو مجھے پہلے میسر تھا، لیکن جس بے اطمینانی کا حال آپ پوچھتے ہیں، اس کی مجھے خود خبر نہیں۔ اس بات سے میں سمجھا کہ اللہ کے دوستوں کا دل ایسے وقت میں بھی بیقرار ہوتا ہے۔ ظاہری بیقراری کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

جب حاکمِ شہر نے حضرت کے انتقال کی خبر سنی تو وہ اکابر علماء و فضلاء اور شہرداروں کے ساتھ آپ کے خانۂ شریف میں آیا۔ مُرید اور خادم تجہیز و تکفین میں مصروف ہوگئے اس فریضے سے فارغ ہوئے تو اکابر، اشراف اور مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت نے آپ کی نمازِ جنازہ ادا کی

پھر پورے پورے اعزاز و احترام کے ساتھ آپ کے جسدِ شریف کو اُٹھایا۔ حاکم شہر، شہر دار اور بڑے چھوٹے لوگ میت کے ساتھ ساتھ شہر سے چل کر اس جگہ پر آئے، جس کے متعلق حضرت میاں جیو رحمہ نے وصیت کی تھی کہ مجھے اس جگہ دفن کیا جائے جہاں میرے یار میاں نتھا، حاجی سلیمان شیخ ابو المکارم، حاجی مصطفیٰ کلال اور چند اور لوگ آسودۂ خاک ہیں۔ چنانچہ حضرت میاں جیو رحمہ کی وصیت کے مطابق اس سرزمینِ جنت آئین میں، جو لاہور سے نصف کوس کے فاصلے پر عالم گنج کے قریب ہے، اِس گنجِ عرفان کو آسودۂ خاک کیا گیا۔ یہ جگہ جنوبی اور مشرقی شہر کے مابین ہے اور موضع دارا پور سے متّصل ہے، جو ہاشم پور کے نام سے مشہور ہے۔ شہر کے خواص و عوام کو حضرت کے بابرکت وُجُود کی جدائی پر سخت رنج و اندوہ ہوا۔ یہ دن ان کے لیے روزِ قیامت تھا۔ وہ اشعارِ ذیل کا مضمون بزبانِ حال کہہ رہے تھے۔

دردا کہ پاکبازِ جہان، از جہان برفت   پاک آنچناں کہ آمدہ بود، آنچناں برفت

(وائے افسوس کہ دنیا کا پاکباز دنیا سے رخصت ہوا۔ جس طرح پاک یہاں آیا تھا اسی طرح پاک یہاں سے چلا گیا)

غم شد محیطِ مرکزِ عالم زِ مرگِ آن   کان مرکزِ محیطِ کرم از میان برفت

(اس کی موت سے غم و اندوہ نے مرکزِ عالم پر احاطہ کر لیا کہ بحرِ کرم کا مرکز یہاں سے رخصت ہوا)

جانش کہ شاہباز معارف شکار بود   آوازِ طبلِ شاہ شنید و دوان برفت

(اس کی زندگی معرفت کا شکار کرنے والا شاہباز تھا اُس نے بادشاہ کے طبل کی آواز سُنی اور تیزی سے چلا گیا)

دل ہا بہ ہر غمین کہ امینِ زمین نماند   جانہا ز تن رمان کہ امانِ زمان برفت

(دلوں کو یہ غم ہے کہ زمین کا امانت دار اب نہیں رہا جسموں سے جان نکلی جاتی ہے کہ زمانے کو پناہ دینے والا اب موجود نہیں)

ایک فاضل شخص مُلّا فتح اللہ نے ذیل کے اشعار میں تاریخ کہی :

میاں میرِ سر دفترِ عارفان — کہ خاکِ درش رشکِ اکسیر شُد

(حضرت میاں میرؒ عارفوں کے سردفتر تھے کہ ان کے دروازے کی خاک اکسیر کے لیے باعثِ رشک ہوئی)

سفر جانبِ شہرِ جاوید کرد — چو زین محنت آباد دلگیر شُد

(جب وہ اس رنج و محن کی دنیا سے دلگیر ہُوئے تو ملکِ جاوید کی طرف سفر اختیار کیا)

خرد بہرِ سالِ وفاتش نوشت — بفردوسِ والا میاں میر شُد
۱۰۴۵ھ

(عقلِ و خرد نے آپ کا سالِ وفات "بفردوسِ والا میاں میر شُد" بنایا)

اس قُدوۃ الاولیاء رَضِیَ اللہُ عَنہُ کے مزار کے طواف اور زیارت کے لیے ہر جمعرات کو کثیر تعداد میں لوگ آتے اور مستفید ہوتے ہیں، بالخصوص حضرت میاں جیوؒ رَحمَۃُ اللہِ عَلَیہ کے صحاب ہر جمعرات کو اس کعبۂ مقصود کے طواف کا شرف حاصل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ جو شخص مُراد مانگنے آتا ہے، اس متبرک مزار کی زیارت کے بعد اس کی مُراد پوری ہو جاتی ہے۔

یہ فقیر (دارا شکوہ) اپنی بدبختی اور زمانے کی ناموافقت کے باعث آپ کی وفات کے وقت موجود نہ تھا کیونکہ اس وقت اکبر آباد (آگرہ) میں تھا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ پہر رات باقی تھی، خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں پیر دستگیر حضرت میاں جیو رَحمَۃُ اللہِ عَلَیہ کی خدمت میں حاضر ہوں اور حضرت بعض نصیحتیں کر کے فرماتے ہیں کہ تو ہماری نمازِ جنازہ ادا کر۔ اس قسم کی بات فقیر کے دل میں آ بھی نہ سکتی تھی چنانچہ سخت مضطرب ہُوا اور عرض کی، ایسی بات نہ کہیے۔ لیکن حضرت نے بہت تاکید فرمائی۔ اسی اثناء میں مَیں نے دیکھا کہ یہ نہ ٹلنے والا مرحلہ پیش آ گیا ہے۔ چنانچہ اس فقیر نے حضرت کے ارشاد کے مطابق نمازِ جنازہ ادا کی اور پھر اضطراب اور بیتابی کی حالت میں جاگ اُٹھا۔ رنج و اندوہ کی کیفیت مجھ پر طاری تھی۔ اس واقعہ سے سخت متعجب اور متفکر ہوا۔ چند ہی روز بعد یہ وحشت اثر خبر لاہور سے یہاں پہنچی کہ عین اسی دن اور اسی وقت، جب میں نے یہ واقعہ

خواب میں دیکھا تھا، یہ غمناک حادثہ پیش آیا:

مثنوی

ما کاروانِ آخرتیم از دیارِ عُمر — اُو مرد بود، پیشتر از کاروان برفت

(ہم اس دیارِ زندگی کے کاروانِ آخرت ہیں ہم میں سے وہ جوانمرد تھا جو کارواں سے پہلے ہی چل دیا)

چُون مردمانِ دیدہ شدُم غرقِ سیلِ اشک — از بس کہ آب از مژۂ خونفشان برفت

(میری خونفشاں پلکوں نے اشک باری کی اور میری آنکھوں کی پُتلیاں سیلِ اشک میں غرق ہوگئیں)

گفتم برم بشرحِ غمش زندگی بسر — غم زُود کرد و قوتِ نطق از زبان برفت

(میں نے کہا کہ اس کے غم کے بیان میں زندگی بسر کردوں گا لیکن غم نے ایسا غلبہ پایا کہ زبان سے قوتِ گویائی جاتی رہی)

صاحبدلان کہ پیشتر از مرگ مُردہ اند — آبِ حیات از قدحِ مرگ خُوردہ اند

(وہ اہلِ دل جو موت سے پہلے ہی مر گئے، موت کے پیالے سے انھوں نے آبِ حیات پیا ہے)

اوّل کشیدہ رختِ بسر منزلِ فنا — آنکہ بدارِ ملکِ بقا راہ بُردہ اند

(انھوں نے منزلِ فنا کی طرف رختِ سفر باندھا ہے کیونکہ ملکِ بقا میں اپنے مقام کی راہ پائی ہے)

جانہا فدا ایشان کہ براہِ طلب ہنوز — نسپردہ یک دو گام، دل و جان سپُردہ اند

(ہماری جانیں ان پر قربان کہ جو راہِ طلب میں دو ایک قدم بھی نہ چلے تھے کہ دل و جان اللہ کے حوالے کر دیے)

صالحین میں سے ایک نے بیان کیا ہے کہ جس دن حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ رحمتِ حق سے ملنے والے تھے، رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ شور و غوغا ہو رہا ہے۔ اتنے میں ہاتفِ غیب کی آواز سنائی دیتی ہے کہ ایک بندۂ حق رحمتِ ایزدی سے جا ملا ہے۔ جو اُن کے جنازے میں شریک ہوگا مغفرت پائے گا۔

مَیں بیدار ہُوا تو سخت متفکر تھا کہ خدا کا یہ بندہ کون ہوگا! دفعتہً ایک شخص خبر لایا کہ حضرت میاں جیوؒ رحمۃُ اللہ علیہ اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی مَیں آپ کی نمازِ جنازہ کے لیے حاضر ہو گیا۔

ملّا فتح محمد نے، جو صالحین میں سے تھا، بیان کیا کہ حاجی پراچہ نے، جو حضرت میاں جیوؒ رحمۃُ اللہ علیہ کے مرض الموت میں آپ کی خدمت میں موجود رہا، بیان کیا کہ وفات سے پہلے حضرت کو اجابت ہوئی۔ فراغت کے بعد ایک بار بے چینی کی کیفیت پیدا ہوئی اور چاہا کہ چارپائی سے نیچے اُتریں میں نے حضرت کا ہاتھ تھاما کہ سہارا دوں۔ حضرت نے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا چھوڑ دے! پھر خود ہی بے چینی کی حالت میں نیچے اُترے اور کہا: "اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ"

اس کے بعد آپ کا سانس چھوٹا ہونے لگا۔ میں نے انھیں بستر پر لٹا دیا۔ "اَللّٰہُ اَللّٰہُ" حضرت کے وردِ زبان تھا۔ مسکراتے تھے اور دونوں ہاتھ اہلِ وجد کی طرح ہلاتے تھے یہاں تک کہ حضرت خداوند تعالیٰ کے جوارِ رحمت میں جا پہنچے۔ میاں شیخ محمد لاہوری نے فقیر سے کہا کہ حضرت کی وفات کے وقت میں موجود تھا۔ آپ کی حالتِ نزع میں مَیں نے دیکھا کہ آہستہ آہستہ دہنِ مبارک ہِل رہا ہے۔ قریب گیا کہ سنوں، آپ کیا فرما رہے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ سانس سینے میں رُک گیا ہے اور اضطراب کی کیفیت ہے۔ پھر دو بار "اَللّٰہُ اَللّٰہُ" کہا اور سانس منقطع ہو گیا۔ اس سے پہلے ہم جانتے تھے کہ حضرت میاں جیوؒ رحمۃُ اللہ علیہ شغل میں مصروف ہوتے ہوئے بول کر لفظ ادا نہیں کرتے تھے لیکن اس وقت معلوم ہُوا کہ ہمیشہ سے آپ کا یہی شغل تھا اور اس وقت بھی انھوں نے اختیاری طور پر "اَللّٰہُ اَللّٰہُ" نہیں کہا البتہ نفس شغل کا عادی تھا اس لیے عادت کے طور پر یہی "اَللّٰہُ اَللّٰہُ" آپ کے منہ سے نکلا۔
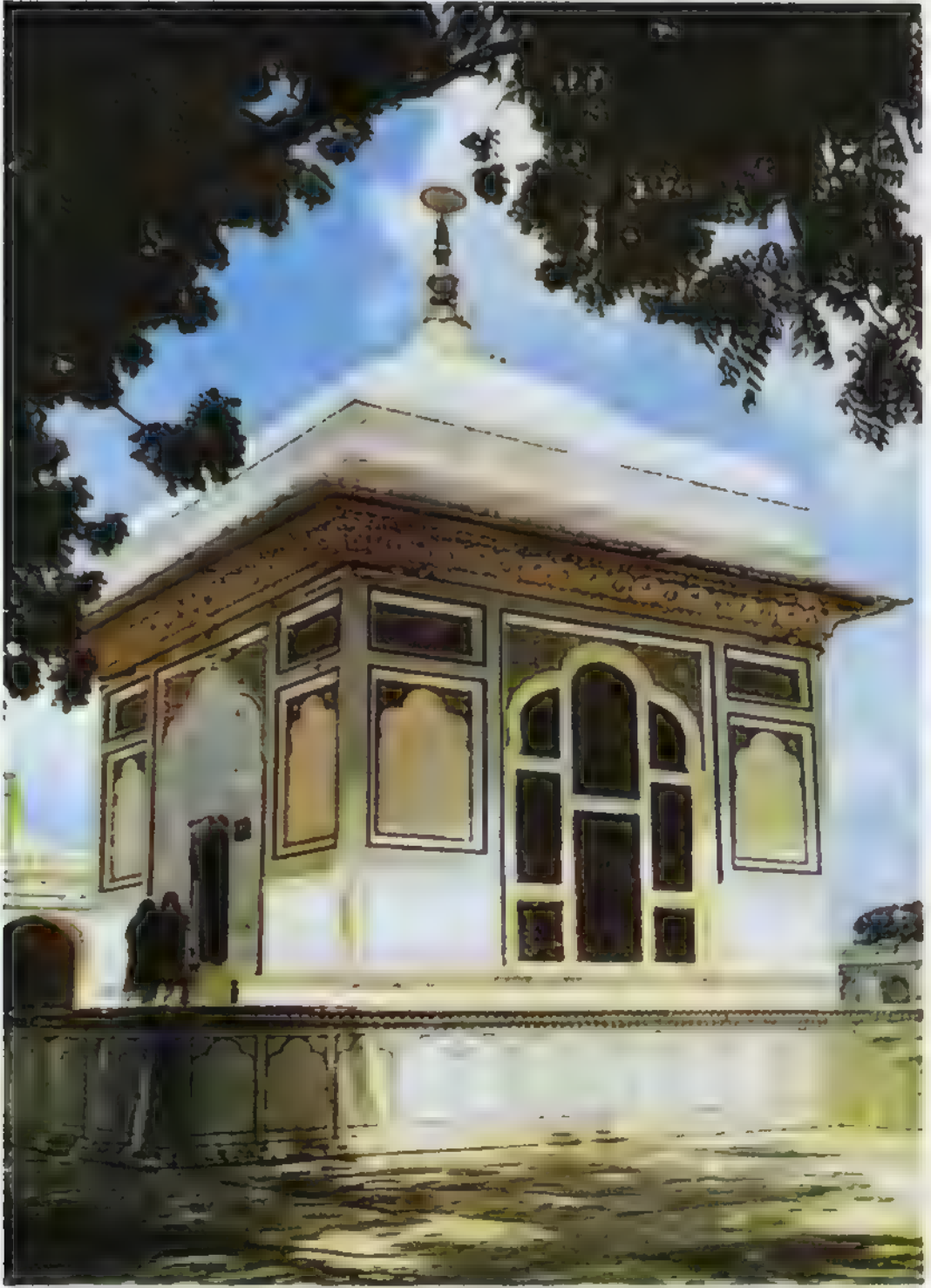
مرقدِ منور حضرت میاں میر رحمتہ اللہ علیہ

بفردوسِ والا میاں میر شُد

۱۰۴۵ ہجری قمری

باب چہارم

کرامتوں کا بیان

اگرچہ کہ حضرت میاں جیوُ رحمۃ اللہ علیہ کے خوارق اور کرامتیں متعدد ہیں، جو ان سے غیر اختیاری طور پر ظاہر ہوتی رہیں، لیکن ان کے پوشیدہ رکھنے میں اس قدر احتیاط کرتے کہ اس سے زیادہ احتیاط تصور نہیں کی جاسکتی۔ یہ مصرع اکثر پڑھتے تھے :

کرامت اولیاء را اضطراب است!

(اولیاء کے لیے کرامت موجبِ اضطراب ہے)

فرماتے تھے کہ خوارق دو قسم کے ہوتے ہیں: "اختیاری" اور "اضطراری"۔ اختیاری خوارق اہلِ دعوت سے ظہور میں آتے ہیں، جو حصُولِ مراد کے لیے اسمائے الٰہی میں سے کسی اسم کا وِرد کرتے ہیں اور وہ مُراد اس اسم شریف کی برکت سے پوری ہو جاتی ہے۔

اضطراری خوارِق وہ ہیں جو اختیاری طور پر کسی شخص سے ظاہر نہ ہوں، بلکہ اللہ کی طرف سے ہوں۔ نیز یہ بھی فرماتے تھے، جہاں تک ممکن ہو خوارِق و کرامات کو مخفی رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور یہ اشعار پڑھا کرتے تھے :

مثنوی

رہا کن ترہات و شطح و طامات　　　خیال نُور و اسبابِ کرامات

(لاف و گزاف اور غیر یقینی باتوں کو چھوڑ۔ نُور کے خیال اور اسبابِ کرامات کو ترک کر)

کراماتِ تو اندر حق پرستی　　　بُجز این کبر و ریا و عُجب و ستی

(حق پرستی میں تیری کرامات کبر و ریا اور عُجب و ستی کے سوا اور کچھ نہیں)

درین ہر چند کان نہ از بابِ فقر است　　ہمہ اسبابِ اِستدراج و مکر است

(یہاں فقر کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ سب مکر و ریا کے اسباب ہیں)

زِ ابلیسِ لعینِ بے سعادت　　شود پیدا ہزاران خرقِ عادت

(بے سعادت ابلیسِ لعین سے بھی ہزاروں خارقِ عادت باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں)

کراماتِ تو گر در خود نمائی است　　تو فرعونی و این دعوی خدائی است

(اگر تمھاری کرامتیں خود نمائی کے لیے ہیں تو تُو فرعون ہے اور یہ کرامتیں خدائی کا دعویٰ ہیں)

کسی کُو راست با حق آشنائی　　نیاید ہرگز از وَی خود نمائی

(جسے حق تعالیٰ کی آشنائی حاصل ہے وہ کبھی خود نمائی نہیں کرتا۔)

کوئی شخص اگر حضرت میاں جیو رَحمۃُ اللہِ عَلَیہ کی خدمت میں کشف و خوارق کی بات کرتا تو اسے پسند نہیں فرماتے تھے:

ہر کہ اُو از کشفِ خود گوید سخن　　کشفِ او را کفش کن بر سر بزن

(جو کوئی اپنے کشف کی بات کرتا ہے تو اس کے کشف پر جوتا نکال اور سر پر مار)

حضرت کی کرامتیں اگرچہ بہت سے لوگ بیان کرتے ہیں اور ان کے راوی بھی متعدد ہیں لیکن جو کرامتیں حضرت کے اصحابِ کبار اور معتبر اشخاص سے میں نے سنیں، وہ احاطۂ تحریر میں لاتا ہوں۔

فقیر نے شیخ عبدالواحد بنیانی کو، جو حضرت کے مرید تھے اور ایک سال انھوں نے حضرت کی باسعادت خدمت میں گزارا تھا، کہا کہ آپ اتنی مدت خدمت میں رہے، ہمیں حضرت کی کچھ کرامتیں بتائیے۔ وہ بولے: "آپ کی کرامتیں حد سے زیادہ ہیں۔ بس یہ سمجھیے کہ جیسا آپ فرماتے تھے، ویسا ہی ہو جاتا تھا۔ بہرحال ان میں ایک یہ ہے کہ ایک دن حضرت میاں جیو رح

مرزا کامران کے باغ کے سامنے دریا کے کنارے لیٹے ہُوئے تھے۔ ان کے پاؤں میں تکلیف تھی۔
میں پاؤں دبا رہا تھا۔ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بہت بڑا سانپ چلا آ رہا ہے۔ آپ نے
فرمایا: "اسے آنے دو" جونہی وہ قریب آیا' حضرت اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ سانپ آپ کے حُضور میں بلند
ہو کر بیٹھ گیا اور کُچھ کہا' جسے میں نہ سمجھ سکا۔ حضرت میاں جیوُ رَحمۃُ اللہِ عَلَیْہ نے جواب میں فرمایا:
"خوب! ایسا ہی سہی"۔ سانپ اُٹھا، تین مرتبہ حضرت کے گرد پھرا اور چلا گیا۔ میں نے حضرت سے
دریافت کیا کہ سانپ نے کیا کہا تھا؛ آپ نے فرمایا: "سانپ نے یہ کہا تھا کہ مَیں نے تہیہ کیا تھا'
جب آپ کو دیکھوں گا تو آپ کے گرد طواف کروں گا"۔ جواب میں مَیں نے کہا "بہتر ایسا ہی سہی"

تکملہ میں بھی ایسا ہی ایک واقعہ مذکور ہے۔ ایک دن حضرت پیرِ کبیر' قطبِ ربّانی'
محبُوبِ سُبحانی' سرورِ اولیاء' بادشاہِ مشائخ' غوث الثقلین سیّد عبدالقادر جیلانی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ
مدرسۂ نظامیہ میں قضا و قدر کے مسئلے پر گفتگو فرما رہے تھے۔ چند مشائخ، فُقہا اور عُلما حاضر تھے۔ دفعتہً
ایک بہت بڑا سانپ مسجد کی چھت سے حضرت کے پاس آگرا۔ مسجد میں بیٹھے ہُوئے لوگ بھاگ
کھڑے ہُوئے اور حضرت تنہا رہ گئے۔ سانپ آپ کے دامنِ مبارک کے نیچے آگیا اور آپ کے گریبان
سے سر باہر نکالا اور گردنِ مبارک سے لپٹ گیا۔ آپ کے دلِ حق پرست کو کوئی خطرہ محسوس نہ ہُوا
اپنی جگہ پر ہی بیٹھے رہے اور اسی مسئلہ کے متعلق بیان جاری رکھا۔ پس وہ سانپ حضرت سے جدا ہو کر
نیچے اُتر آیا اور اپنی دُم کے بل کھڑا ہو گیا اور حضرت سے کچھ باتیں کیں۔ وہ لوگ جو اب پھر واپس آگئے
تھے' کچھ نہ سمجھ پائے۔ جب سانپ چلا گیا تو سب نے آپ کے گرد جمع ہو کر پوچھا: "سانپ کیا کہتا تھا"
حضرت نے فرمایا: "سانپ یہ کہتا تھا کہ میں نے تمام اولیاء کو دیکھا اور آزمایا لیکن کسی کو آپ کی طرح
ثابت قدم نہ پایا۔ مَیں نے اسے جواب دیا کہ میں مسئلہ قضا و قدر پر گفتگو کر رہا تھا۔ میں نے نہ چاہا کہ
میرا قول میرے فعل کے خلاف ثابت ہو۔ تیری حیثیت ایک کیڑے سے زیادہ نہیں۔ یہ قضا و قدر

ہی ہے، جو تمھیں حرکت دیتی اور ساکن کر دیتی ہے"۔

تکملہ میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت شیخ عبدالرزاق رَضِیَ اللہُ عَنہُ نے فرمایا: "میں نے اپنے والدِ بزرگوار کو یہ کہتے سنا کہ ایک رات میں "مسجد جامع منصور" میں نماز ادا کر رہا تھا۔ اچانک ایک سانپ آیا جسے "اصلہ" کہتے ہیں۔ یہ سانپوں کی بدترین قسم ہے۔ سانپ میرے سجدہ کرنے کی جگہ پر منہ کھول کر بیٹھ گیا۔ جب سجدے کا وقت آیا تو اسے ہاتھ سے پرے ہٹایا اور سجدہ بجا لایا۔ جب میں "اَلتَّحِیَّات" کے لیے بیٹھا تو سانپ میری ران پر چڑھ کر میری گردن سے لپٹ گیا۔ نماز سے فارغ ہُوا تو سانپ کہیں نظر نہ آیا۔ صبح ہوئی تو مسجد کے باہر کی ویران جگہ سے گزرا تو وہاں میں نے ایک شخص دیکھا جس کی آنکھیں بہت پھٹی پھٹی سی تھیں۔ اس کی جسامت کو دیکھ کر میں سمجھا کہ یہ کوئی جن ہی ہو سکتا ہے۔ مجھے اس نے کہا کہ میں وہی سانپ (اصلہ) ہوں، جسے آپ نے رات کو مسجد میں دیکھا تھا۔ میں نے بہت سے اولیاء کو آزمایا لیکن کسی کو آپ جیسا نہیں پایا"۔ یہ سُن کر بعض کے چہروں سے خوف ظاہر ہُوا، بعض دل ہی دل میں ڈرے۔ پھر فرمایا کہ سانپ نے مجھ سے استدعا کی کہ مجھے توبہ کی توفیق دیجیے میں نے اس کی استدعا قبول کی اور اسے توبہ کی توفیق دی۔

شیخ عبدالواحد نے کہا کہ ایک دن حضرت میاں جیوؒ رَحمۃُ اللہِ عَلَیہ زین خان کے باغ میں مشغولِ ذکر تھے میں ان کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک فاختہ درخت کی شاخ پر بیٹھی چہک رہی تھی۔ حضرت نے فرمایا: "سنو! کس خوش بیانی سے خالق کے نام کا وِرد کر رہی ہے"۔ اس کی آواز سے آپ بہت محظوظ تھے۔ دفعتہً ایک شخص آیا۔ اس کے ہاتھ میں غلیل تھی۔ فاختہ کا شکار کرنے کے لیے اس نے غُلّہ پھینکا، جو فاختہ کے جا لگا۔ وہ درخت کے نیچے آ گری اور مر گئی۔ اس شخص کو مہلت ہی نہ دی کہ اسے ذبح کرتا۔ فاختہ وہیں چھوڑ کر وہاں سے روانہ ہُوا۔ حضرت میاں جیوؒ رَحمۃُ اللہِ عَلَیہ بہت آزُردہ ہُوئے اور فرمایا "جا اور فاختہ کو اُٹھا لا"۔ میں فاختہ کو آپ کی

خدمت میں لے گیا۔ آپ نے اپنا دستِ مبارک اس پر پھیرا تو وہ فوراً ہاتھ سے نکل کر اڑ گئی اور اسی شاخ پر جا بیٹھی اور اسی طرح ذکرِ باری تعالیٰ میں مصروف ہوگئی۔ اتنے میں وہ شکاری واپس آیا اور پھر اسی فاختہ کے شکار کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت نے مجھے فرمایا کہ جا اور اسے منع کر۔ میں نے ہر چند اسے منع کیا۔ لیکن وہ نہ مانا، بلکہ میرے ساتھ سختی سے پیش آیا۔ اُس نے فاختہ کا نشانہ کرنے کے لیے غلّہ پھینکنا چاہا۔ غلّہ فاختہ پر لگنے کے بجائے پوری شدت کے ساتھ اس کی اُنگلی پر لگا جس سے وہ بیتاب ہوا اور چکرا کر گر پڑا۔

حضرت نے فرمایا: "جا اور اس سے کہہ کہ فقیر کی بات تو نے نہ مانی اور اپنا حشر دیکھ لیا وہی ہُوا جو ہونا تھا"۔ اب اگر فاختہ کو پھر نہ مارے تو تمھاری انگلی کا درد جاتا رہے گا"۔ میں نے جا کر اسے یہ کہا۔ وہ بولا "میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کسی جانور کو نہیں ماروں گا۔ فوراً ہی اس کا درد جاتا رہا اور وہ وہاں سے رخصت ہُوا۔

حاجی پراچہ، جو حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کے خدام میں سے ہیں، ان کا بیان ہے کہ حضرت کی وفات سے ایک دن پہلے جب آپ کو اجابت ہوئی تو آپ کا ایک خادم سفرالدین آپ کو بٹھانے کے لیے آگے بڑھا لیکن اس کا ہاتھ لرز گیا۔ حضرت کو ناگوار گزرا اور فرمایا اس کا ہاتھ نہیں اور منہ اس کا ٹیڑھا ہے کوئی اور آئے۔ میں سامنے گیا اور خدمت میں ٹھہرا رہا۔ حضرت کی وفات کے چند دن بعد سفرالدین پر فالج گرا اور اس کا ہاتھ ساکت ہوگیا اور منہ بھی ٹیڑھا ہوگیا اور بالآخر وہ اسی بیماری سے رخصت ہُوا۔

ایک کرامت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ یہ تھا کہ ملک کو کبھی کوئی مُہم درپیش ہوتی تو جو شخص خدمت میں حاضر ہوتا اس سے دریافت فرماتے کہ کیا خبر ہے؟ فلاں جگہ کی مُہم کا کیا حال ہے؟ چنانچہ جب اوزبکوں نے قلعۂ کابل کا محاصرہ کیا اور

بہت نازک صورت پیدا کر دی نیز تمام شہر اور علاقہ ان کے قبضے میں آ گیا تو ایک شخص حضرت کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اسی وقت آپ کی زبانِ مبارک سے یہ فقرہ نکلا کہ "اوزبک بھاگ گئے"۔ اس شخص نے اختلاف کیا اور کہا، اوزبکوں نے تو پورے استحکام کے ساتھ علاقہ مسخر کر لیا ہے اور اس بات کا امکان ہے کہ وہ اب تک قلعہ بھی فتح کر چکے ہوں لیکن ایک ہی ہفتہ گزرنے پایا تھا کہ جو کچھ آپ کی زبانِ مبارک سے نکلا تھا، ویسا ہی ہُوا اور خبر ملی کہ اوزبک وہاں سے نکل گئے ہیں۔

نیز یہ کہ ایک شخص، جسے سفر درپیش تھا، حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رخصت حاصل کرنے کے لیے حاضر ہُوا۔ اس سے حضرت نے دریافت فرمایا: "کہاں جا رہے ہو؟" اس نے کہا، "خراسان!" آپ نے فرمایا: "اس سال نہ جاؤ، راستہ بند ہے۔" باوجودیکہ امن قائم تھا اور قافلوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ اچانک اطلاع آئی کہ حکمرانوں کی آپس میں جنگ شروع ہو گئی ہے اور قندھار کا راستہ بند پڑا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا، جو آپ نے فرمایا تھا۔

میاں حاجی محمد بلیانی نے یہ کرامت بیان کی کہ میں نے حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی زبانِ مبارک سے سنا کہ چار فقیر مل کر سیوستان کے پہاڑوں میں سفر کر رہے تھے۔ کچھ ایسا اتفاق پیش آیا کہ تین دن اُنھیں کھانے پینے کو کچھ میسر نہ آ سکا۔ اسی سوچ میں تھے کہ کوشش کریں کہ کھانے کو کچھ مل سکے۔ ان میں سے ایک نے کہا، میں آگے چل کر کوئی چیز مہیا کرتا ہوں، تم آہستہ آہستہ چلے آؤ۔ وہ فقیر تھوڑی دُور گیا تھا کہ اس کے ساتھیوں نے راستے میں پھلوں سے لدا ہُوا ایک درخت دیکھا اُس کی شاخیں پھل کے بوجھ سے جھک کر زمین تک آ رہی تھیں۔ درخت کے نیچے ٹھنڈے پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ فقیر درخت کے نیچے آئے۔ حسب خواہش پھل کھایا، پانی پیا اور کہنے لگے کہ اس جیسا پھل دنیا میں اور کوئی نہیں، شاید یہ بہشت کا میوہ ہے۔ انھوں نے ساتھی کا حصہ لے لیا اور وہاں سے چل پڑے۔ تھوڑی ہی دُور گئے تھے کہ وہ ساتھی ان سے آملا جو خوراک کا

بندوبست کرنے کے لیے گیا تھا۔ وہ بولے افسوس! تم موجود نہ تھے۔ ہمیں میوے سے بھرا ہُوا درخت اور بہتا پانی میسر آیا۔ تمھارا حصّہ ہم ساتھ لے آئے ہیں۔ لو! اور کھاؤ۔ اس نے جواب دیا، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ یہ سُن کر حضرت میاں جیو رَحمَۃُ اللہ عَلَیہ نے فرمایا: "بابا! وہ درخت، وہ میوہ، وہ چشمہ وہی فقیر تو تھا، جو خوراک کی تلاش میں نکلا تھا۔" حاجی محمد کہتے ہیں کہ وہ فقیر دراصل حضرت میاں جیو رَحمَۃُ اللہ عَلَیہ تھے۔

اس قسم کی اور بھی متعدد کرامتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے:

میاں حاجی محمد نے خود اس فقیر (دارا شکوہ) کو بتایا کہ ایک دن حضرت میاں جیو رَحمَۃُ اللہ عَلَیہ نے اپنی زبانِ مبارک سے ایک درویش کا نام لے کر یہ بات بیان کی کہ سیوستان اور بھکّر کے بلوچوں اور امراء کی یہ رسم ہے کہ جب تک کسی کے پاس مویشیوں کا گلّہ اور مال و دولت نہ ہو، اس کی لڑکی کے رشتے کا کوئی خواستگار نہیں ہوتا۔ اس قوم کا ایک سرکردہ شخص فوت ہو گیا۔ وفات کے بعد اس کا مال و متاع بھی جاتا رہا۔ پس ماندگان میں اس کی بیوہ اور ایک جوان لڑکی تھی۔ ناداری کی وجہ سے کوئی شخص لڑکی کی خواستگاری نہیں کرتا تھا۔ انہی اطراف میں ایک فقیر مقیم تھا۔ جو ہر روز ان کے گھر آتا، لڑکی کو ایک نظر دیکھتا اور چلا جاتا۔ ایک دن لڑکی نے اپنی والدہ سے کہا کہ کسی طرف سے ہماری کشائش نہیں ہوتی۔ ایک فقیر ہر روز یہاں آتا ہے، میری طرف دیکھتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ اس کی خدمت میں التجا کر کہ شاید اس کی برکت سے ہماری روزی کھل جائے۔ جب وہ فقیر پھر آیا تو لڑکی کی ماں اس کے پاس گئی اور کہا، تو ہر روز یہاں آتا ہے اور ایک نظر دیکھ کر واپس چلا جاتا ہے، کیا تیری نظر کی برکت سے ہماری کوئی بہتری نہیں ہو سکتی۔ فقیر بولا "کیا چاہتی ہے تو؟" اس نے کہا: "میں لڑکی کی شادی کرنا چاہتی ہوں۔ غریب ہوں مال و دولت پاس نہیں۔" فقیر اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے شہر سے باہر لے گیا اور ایک تاجر کی دکان کی طرف اشارہ کر کے کہا، جس قدر

گھوڑے، اُشتر، کپڑے، غلّہ اور نقدی چاہیے، اس سے لے لیا کر۔ لیکن یاد رہے، اسے ذخیرہ کرنے کا خیال دل میں نہ لانا۔ یہ کہا اور چل پڑا۔ وہ عورت تاجر کی دکان پر جاتی اور جس قدر نقدی، گھوڑے، اُونٹ چاہتی، اُسے مِل جاتے۔ تھوڑے ہی عرصے میں اس نے اپنی بیٹی کی شادی اس شان وشوکت سے کی، جو اپنی مثال آپ تھی۔

شادی کے بعد لڑکی کی ماں ایک دن پھر تاجر کی دکان پر گئی اور بہت سا غلّہ ذخیرہ کرنے کے لیے لے آئی، جو اس کے ایک سال کے لیے کافی تھا۔ پھر اگلے دِن جب وہ دکان پر گئی تو نہ وہاں دکان تھی، نہ تاجر۔ سخت پشیمان ہوئی۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد وہ فقیر پھر نظر آیا۔ عورت بڑی عقیدت کے ساتھ اس کے پاس گئی، اس کے پاؤں میں گری اور کہا، سچ بتائیے کہ یہ معاملہ کیا تھا؟ فقیر بولا: "تو نے میری بات نہ مانی اور تاجر کی دکان کھو بیٹھی۔ اب اگر تو اس کا حال پوچھے گی تو مجھے بھی کھو دے گی۔ وہ تاجر، وہ گھوڑے، وہ اُونٹ وہ نقدی سب کچھ میں تھا" یہ کہا اور نظروں سے غائب ہو گیا۔

میاں حاجی محمد کہتے ہیں کہ حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مَیں نے عرض کی کہ کیا وہ فقیر آپ تھے؟ فرمایا، جو کوئی بھی تھا، تھا۔ تم ہرگز کسی پر یہ بات ظاہر نہ کرنا۔ میں نے تحقیق کی تو معلوم ہُوا کہ وہ فقیر حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔ اگرچہ مشائخ کے بارے میں بہت سی باتیں کہی گئی ہیں لیکن جس بیان میں اتنے نکات اور اَسرار ہوں وہ کم ہی سننے میں آتا ہے۔ فَافْہَمْ (تو سمجھ لے)

ایک یہ کرامت بھی بیان کی جاتی ہے: میر محمد خانی، حاجی علی کوسوی کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ مردِ عزیز، صاحب زہد و تقویٰ تھا۔ حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ سے اسے سچی ارادت اور پُرخلوص عقیدت تھی۔ اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان سے مُستفید ہوتا۔ ہر پانچ سال میں

ایک مرتبہ لاہور سے اپنے وطن واپس جاتا۔ اس عرصے میں وہ تجارت بھی کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اپنے وطن سے لاہور واپس آیا۔ میر محمد مذکور کے والد کے گھر ٹھہرا اور بیان کیا کہ میں نے اس سفر میں حضرت میاں جیوُ رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کی ایک عجیب کیفیت دیکھی ہے۔ ایک دن اصفہان اور یزد کے مابین ہمارا قافلہ دریا کے کنارے اترا ہوا تھا۔ میں اپنے چند رفیقوں کے ساتھ کھانا پکانے میں مشغول تھا۔ اچانک دُور سے ایک شخص لباسِ فاخرہ پہنے نظر آیا۔ اسے دیکھنے سے مجھے بہت فرحت اور راحت محسوس ہوئی، یہاں تک کہ وہ بزرگ میرے قریب آ گیا۔ غور سے دیکھا تو یہ حضرت میاں جیوُ رَحمۃُ اللہ عَلَیہ تھے جو مجھے بُلا رہے تھے۔ میں بڑے شوق سے دوڑتا ہُوا خدمت میں حاضر ہُوا اور ان کے پائے مُبارک پر سر رکھ دیا۔ حضرت مجھ سے بغل گیر ہوئے اور فرمایا "آپ کا کاروان نشیبی جگہ پر ٹھہرا ہُوا ہے بہت بڑا طوُفان آنے والا ہے۔ جلدی کرو اپنے ساز و سامان اور خیمے کو کہیں اُونچی جگہ منتقل کرو۔ اور اہلِ قافلہ کو بھی مطلع کر دو"۔ اس اثنا میں میں نے چاہا کہ حضرت سے دریافت کروں کہ اس سرزمین میں تشریف آوری کیونکر ہوئی؛ نیز کھانا کھانے کے لیے بھی التماس کروں کہ اچانک ناگوار سی آوازیں سُنائی دیں۔ حضرت کی طرف متوجہ ہُوا تو اُنھیں کہیں نہ پایا۔ وہ نظروں سے غائب ہو چکے تھے۔ اس واقعے سے میرے دل پر بہت خوف طاری ہُوا اور وہاں سے لوٹ کر اپنا خیمہ اور ساز و سامان اونچی جگہ پر لے گیا اور اہلِ قافلہ کو بھی اوپر آنے کو کہا۔ لوگوں نے کہا، اس قسم کی تیز دُھوپ میں خیمے کہاں اکھاڑیں اور کیا تکلیف اٹھائیں بعض لوگوں نے میری بات پر اعتماد کر کے اس پر عمل کیا اور اُونچی جگہ پہنچ گئے۔ تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ شدید طوُفان آیا اور جن لوگوں نے میری بات سُنی اَن سُنی کر دی اور وُہیں نشیب میں رہ گئے، وہ مع مال و اسباب طوُفان کی نذر ہو گئے:

شعر

اِنکار مکن، کہ اِنکار شوُم است ہر کہ انکار کند ازین کار محروم است

(انکار نہ کر، انکار بُری بات ہے، جو انکار کرتا ہے، وہ اس کام سے محروم ہو جاتا ہے)

راوی کا کہنا ہے کہ جن لوگوں نے میری بات کا یقین کر لیا اور بلند مقام پر آگئے، وہ بچ گئے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس وقت حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ لاہور ہی میں تشریف فرما تھے۔

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا: "میں سرہند سے لاہور واپس آتے ہوئے ایک گاؤں میں آیا، جہاں افغانوں کی سکونت تھی۔ حسبِ موقع گاؤں کی مسجد میں کچھ عرصے کے لیے ٹھہر گیا۔ رمضان کا مہینہ تھا اور تین دن رات کوئی بھی وہاں خوراک نہ لایا۔ میرے نفس نے کہا، سوال کو تو تم اپنے لیے حرام سمجھتے ہو لیکن ضرورت کے وقت روٹی کا ٹکڑا اگر خیانت سے بھی مل سکے تو جائز ہے کہ بزرگوں کا قول ہے "اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ" (ضروریات ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں)

چوتھی رات صبح کے وقت میں گاؤں میں آیا۔ ایک گھر میں گیا، کچھ کھانا پڑا دیکھا جس میں روٹی اور کچھ چاول تھے۔ میں نے اپنے نفس سے کہا: "اگر سوال کرے تو بہتر ہے، بہ نسبت اس کے کہ تو خیانت کرے۔" طعام کو میں نے وہیں پڑا رہنے دیا اور اپنی جگہ پر مسجد میں واپس آگیا۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ایک لونڈی مسجد میں آئی اور طعام لا کر میرے سامنے رکھ دیا۔ غور سے دیکھا تو یہ وہی طعام تھا جو میں نے اس گھر میں دیکھا تھا۔ میں نے نفس کا مقابلہ کیا اور کھانا نہ لیا اور ہنس دیا۔ اسی اثنا میں وہ شخص بھی آگیا، جس نے طعام بھیجا تھا۔ اس نے میرے طعام قبول نہ کرنے اور ہنسنے کا سبب دریافت کیا۔ میں نے اپنی کیفیت بیان کر دی، وہ پورے اخلاص سے پیش آیا۔ جب یہ واقعہ مشہور ہوا تو میں نے لاہور کا راستہ لیا۔

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ میرا بیٹا نزع کی حالت میں ہے۔ یہ امید لے کر آیا ہوں کہ آپ توجہ فرمائیں گے۔ حضرت

نے جب اس کی گھبراہٹ اور پریشانی دیکھی تو ان پر استغراق کی کیفیت طاری ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد اس کیفیت میں کچھ کمی واقع ہوئی تو آپ نے پانی کا پیالہ طلب کیا۔ اس پر دعا پڑھی اور اس شخص کو دیا کہ اسے لے جائے اور اپنے بیٹے کو پلا دے۔ جب وہ پانی اسے پلایا تو اسے شفا ہو گئی۔ پھر وہی شخص اپنے بیٹے کے ہمراہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یہ سات سال کا ہو گیا ہے لیکن گونگا ہے، بول نہیں سکتا۔ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ نے اس لڑکے کو فرمایا: کہو: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" آپ کا یہ فرمانا تھا کہ لڑکے کی زبان کھل گئی اور اس کا گونگا پن جاتا رہا اور پھر یہ بھی ہوا کہ تھوڑی ہی مدت میں اس نے قرآن شریف حفظ کر لیا۔ حضرت نے اس پر یہ عنایت بھی کی کہ وضو کرتے ہوئے جس رومال سے ہاتھ اور منہ پونچھتے تھے، وہ اسی کو دے دیا اور فرمایا: "جس وقت کوئی بیماری تمہارے بیٹے کو لاحق ہو یہ رومال اس کے سر پر لپیٹ دینا، خدا شفا دے گا۔" اس شخص نے اس عطیہ کو عطیۂ مقدس سمجھا اور رومال کو سر آنکھوں پر لگا کر لے لیا۔ کہتے ہیں یہ رومال آج تک اس کے پاس ہے جب کبھی اس کو یا اس کے بیٹے کو کسی قسم کی بیماری یا تکلیف ہوتی ہے تو وہ اسی طرح کرتا ہے جیسے حضرت نے ہدایت فرمائی تھی۔ چنانچہ اسی دن اسے شفا ہو جاتی ہے۔

ایک یہ کرامت بھی بیان کی جاتی ہے کہ جس وقت بادشاہِ وقت نے وفات پائی، اس کے بیٹوں میں سے جو جانشینی اور حکمرانی کی قابلیت نہیں رکھتا تھا، لاہور میں تخت نشیں ہوا اور کسی شخص کو حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں یہ پیغام دے کر بھیجا کہ میرے ہاں تشریف لائیں۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو اپنی بندھی ہوئی دستار بطور تبرک ارسال فرما دیں۔ حضرت نے اس پیغام کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا اور ایلچی کو لوٹا دیا اور فرمایا کہ بادشاہوں کو گداؤں سے کیا سروکار! بادشاہ نے پھر اپنا آدمی بھیج کر استدعا کی کہ آپ اپنی بندھی ہوئی دستار عنایت فرما دیجیے۔ حضرت نے غصے کی حالت میں دستار سرِ مبارک سے اُتار کر دے ماری اور فرمایا: "لے جا اسے"! ایک ہی

ماہ گزرا تھا کہ اس قاصد کو اندھا کر کے مار دیا گیا۔ گویا اس بے ادبی کے سبب جو حضرت کی خدمت میں اس نے کی تھی، وہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچا۔

حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر اصحاب سے میں نے سنا ہے کہ ایک دن آپ باغِ نولکھا گئے اور اپنے ایک مرید کو فرمایا کہ جا اور اس درخت سے پوچھ کہ کیا تسبیح پڑھ رہا ہے؛ وہ جب درخت کے قریب گیا اور پوچھا' تو درخت بات کرنے لگا اور جواب دیا کہ میں "یَا نَافِعُ" کا ورد کر رہا ہوں۔ وہ درخت "سرس" کا تھا جو اب بھی باغ میں موجود ہے۔

کہتے ہیں کہ آپ کے ارشاد و ہدایت میں اتنا اثر اور اتنی عظمت تھی کہ برہنہ مجذوب کو دیکھ لیتے تو اسے فرماتے: "بے ادب اپنے آپ کو ڈھک لے"۔ وہ جس قسم کا بھی مجذوب ہوتا، فی الفور شعور کی حالت میں آجاتا اور کسی سے کپڑا لے کر اپنے آپ کو ڈھک لیتا۔

کوئی شخص اگر آپ کے لیے ہدیہ لاتا تو جتنے لوگ خدمت میں حاضر ہوتے، ان میں تقسیم فرما دیتے۔ بغیر غور و فکر کے بھی تقسیم کرتے تو بھی سب کو برابر کا حصہ پہنچتا۔ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کی خدمت میں کچھ سنگترے لایا۔ آپ نے اہلِ مجلس میں سے ہر ایک کو پانچ پانچ سنگترے دیے حاضرین میں سے ایک کو حصہ نہ ملا۔ اتفاقاً ایک خادم نے پانچ سنگترے اٹھا کر کسی جگہ رکھ دیے تھے۔ حضرت نے اس خادم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اپنے حصے کے علاوہ جو پانچ سنگترے تو نے فلاں جگہ رکھے ہیں، وہ اس شخص کا حصہ ہیں' لا اور اسے دے دے' خادم شرمسار ہوا اور سنگترے لا کر اسے دے دیے۔

ایک دن ایک درویش عمامہ اور خرقہ پہنے دو تین خادموں کے ہمراہ حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اہلِ مجلس پر اپنی برتری ظاہر کرتے ہوئے غرور و تمکنت سے بیٹھ گیا۔ اسی اثنا میں ایک شکستہ حال مغل داخل ہوا اور جوتیاں رکھنے کی جگہ پر ہو بیٹھا۔ گھڑی بھر

گزری ہوگی کہ ایک شخص نے پینتیس روپے حضرت میاں جیوُ رَحمۃُ اللہ علیہ کی خدمت میں نذر گزارے آپ نے خلافِ عادت ہاتھ بڑھا کر لے لیے اور نذر پیش کرنے والا جسے کوئی پہچانتا نہ تھا، اسی وقت واپس چلا گیا۔ حضرت نے وہ روپے اس سر و پا برہنہ اور شکستہ حال مُغل کو دے دیے اور فرمایا: "ان سے ایک گھوڑا اپنے لیے خریدو، کچھ رقم اپنے لیے رکھو اور فلاں شہزادے کی خدمت میں جا کر ملازمت اختیار کرلو"۔ اس متکبّر اور ریاکار درویش نے جب دیکھا کہ تمام رقم اُس مغل کو دے دی گئی ہے تو بہت برہم ہُوا اور کہنے لگا، یہ فقیروں کا حق تھا اور پھر میں تو اُس مغل سے پہلے آیا تھا۔ میرا حق اس کی نسبت زیادہ تھا۔ مجھے کیوں اس میں سے حصّہ نہیں دیا گیا؟ حضرت نے فرمایا: "ظاہراً تو اس کا حق تمھاری نسبت زیادہ ہی ہوگا" یہ سُن کر وہ جل بھُن گیا اور اُٹھ کر چل دیا۔ حضرت نے فرمایا: "کھانا آرہا ہے، کھا کر جانا" لیکن اس نے یہ دعوت قبول نہ کی اور باہر نکل گیا۔ حضرت نے حاضرینِ مجلس سے مخاطب ہو کر کہا: "اس شخص کو عجیب واقعہ پیش آئے گا"! انھوں نے دریافت کیا وہ کیا واقعہ ہوسکتا ہے؟ فرمایا: "باوجودیکہ اس کی کمر کے ساتھ تھیلی میں ایک سو بائیس روپے آٹھ آنے بندھے ہیں، اس پر بھی وہ یہاں اپنا حق جتا رہا تھا۔ اس کی یہ تھیلی گُم ہو جائے گی اور مال کی محبت میں وہ جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ اس کے ساتھیوں پر بھی اِس مال کی وجہ سے ندامت آئے گی اور وہ بھی مارے جائیں گے" حاضرین میں سے ایک شخص حقیقتِ حال دیکھنے کے لیے باہر گیا اور دو آدمی اس درویش کے پیچھے بھیجے کہ اس کے ساتھ ساتھ رہیں اور جو واقعہ پیش آئے، اس سے مطلع کریں۔ راوی کا کہنا ہے کہ جب دو تین دن گزر گئے تو وہ درویش غسل کی غرض سے دریا کی طرف گیا اور تھیلی خرقے میں رکھ کر خود پانی میں اُترا۔ غسل سے فارغ ہو کر خرقہ پہنا اور حضرت میاں جیوُ رَحمۃُ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے فرمایا کمر کھول کر اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ جب ہاتھ کمر پر ڈالا تو تھیلی غائب تھی۔ سراسیمہ ہو کر اٹھ کھڑا ہُوا۔ آپ نے فرمایا: "گھبراہٹ کا سبب کیا ہے"؟ اس نے کہا، کوئی چیز

کھو گئی ہے، اسے کہیں جا کر ڈھونڈتا ہوں۔ باہر گیا۔ ہر چند تھیلی کو ڈھونڈا لیکن وہ کہیں نہ ملی۔ ناکام ہو کر حضرت کی خدمت میں لوٹ آیا اور اپنی بے ادبی کی معافی چاہی۔ آہ و زاری کرتے ہوئے، ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا اور التماس کی کہ میری نقدی کھو گئی ہے۔ اسے دلانے کی تدبیر کیجیے۔ آپ نے فرمایا: "ہم کیا جانیں کہ وہ کیا تھی اور کہاں گئی؟" وہ بولا "میں یا تو اپنی نقدی آپ سے لوں گا یا پھر یہیں جان دے دوں گا۔" اس کی گریہ و زاری جب حد سے بڑھی تو اہلِ مجلس نے اس کی سفارش کی۔ اس پر حضرت نے فرمایا: "دریا کے کنارے جاؤ۔ فلاں جگہ ایک بڑی سی کشتی ہے، وہاں ایک فقیر بیٹھا ہوا گودڑی سی رہا ہے۔ وہ تمھیں تمھاری تھیلی دے دے گا۔" حسبِ ارشاد وہ وہاں گیا۔ کشتی میں ایک فقیر کو گودڑی سیتے دیکھا۔ اس نے خیال کیا، یہ تو کوئی مزدور ہو گا اور جس شخص کے متعلق حضرت نے فرمایا ہے، وہ کوئی دوسرا شخص ہو گا۔ یہ گمان اس کے دل میں گزر رہا تھا کہ فقیر نے دفعتاً سر اٹھایا اور کہا: "ہاں میں مزدور ہی تو ہوں لیکن وہ بوجھ اٹھانے والا مزدور ہوں، جس کے لیے تمھیں حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بھیجا ہے۔" اس نے کہا بیشک ایسا ہی ہے۔ درویش بولا: "آ اور اپنی تھیلی پہچان کر لے لے۔" اس نے جب دیکھا تو وہاں بہت سی تھیلیاں تھیں۔ اس نے اپنی تھیلی اُٹھالی۔ درویش نے کہا گن لے۔ جب اس نے گنے تو ایک سو بائیس روپے آٹھ آنے تھے۔ پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ کھوئی ہوئی چیز آپ کی توجہ سے مجھے مل گئی ہے، یہ کہہ کر وہاں سے چلا آیا۔ رقم گم ہو جانے کی وجہ سے سخت بیتاب ہوا تھا۔ جب تک وہ اسے واپس نہ ملی اُسے خون کے دست آتے رہے۔ رقم پانے کے دو تین دن بعد اسی عارضے سے وہ فوت ہو گیا۔ اس کے دو مُریدوں میں سے ایک اس کی تھیلی لے کر کسی طرف کو نکل گیا۔ دوسرے مُرید کو جب معلوم ہوا تو اس کا تعاقب کر کے راستے میں اسے جا لیا اور رقم حاصل کرنے کے لیے اُسے مار ڈالا۔ راہداروں کو خبر ہوئی تو انھوں نے قصاص کی غرض سے اسے بھی ہلاک کر دیا اور جیسا حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا، ویسا

ہی ہُوا لیکن اس سر و پا برہنہ مُغل کو جس کا پہلے ذکر ہُوا، حضرت کی توجہ سے شاہزادہ کے ہاں ملازمت مل گئی اور وہ امیر کبیر بن گیا۔

حضرت کے ایک خادم غیاث نے بیان کیا کہ میری شادی کو کئی سال ہو گئے ہیں لیکن ہمارے ہاں بچہ پیدا نہیں ہُوا۔ حضرت میاں جیو رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر التماس کی کہ اس بیوی سے بچّہ پیدا نہیں ہوگا اس لیے کسی اور عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: "خاطر جمع رکھو، اسی عورت سے بہت سے لڑکے پیدا ہوں گے"۔ حضرت کے فرمانے کے بعد اسی عورت سے دس بچے پیدا ہوئے جو سب کے سب لڑکے تھے۔

ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ میرا ایک عزیز تھا، وہ اپنی ہمشیرہ سے چودہ سال کی عمر میں جدا ہو کر بخارا چلا گیا تھا۔ پندھرویں سال بعد اس کی بیماری کی خبر اس طرح ملی کہ وہ اب قریب المرگ ہے۔ اس خبر سے اس کی ہمشیرہ سخت پریشان ہوئی۔ میں حضرت کی خدمت میں گیا کہ عرض حال کروں۔ اس سے پہلے کہ میں کہتا کچھ، آپ نے فرمایا کہ جس غرض سے تم یہاں آئے ہو خاطر جمع رکھو، غائب شخص صحیح و سالم ہے اور جلد ہی واپس آجائے گا۔ اسی راوی کا کہنا ہے کہ حضرت کے ارشاد کے بعد ایک ہفتہ نہ گزرا تھا کہ وہ بخارا سے سلامتی کے ساتھ واپس آگیا۔

حضرت میاں جیو رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کے ایک خادم نے بیان کیا کہ حضرت ضعیفی کی وجہ سے شغلِ حق کی خاطر جنگل میں نہیں جا سکتے، ہمیشہ گھر ہی میں رہتے ہیں۔ دن کے وقت لوگ فیض حاصل کرنے کے لیے حضرت کی خدمت میں آتے ہیں۔ راتوں کو آپ حجرے کا دروازہ بند کر کے خلوت میں وقت گزارتے ہیں۔ مَیں ہمیشہ خدمت میں حاضر رہتا ہوں۔ گرمی زیادہ ہو تو حجرے کی چھت پر تشریف لے جاتے ہیں۔ اور مجھے فرماتے ہیں کہ پانی کا کوزہ، پنکھا اور ہمارے جُوتے اوپر رکھ آؤ اور چلے جاؤ۔ میں ایسا ہی کرتا۔ ایک دن فجر کے وقت پانی کا پیالہ اور مسواک طلب کی۔ میں نے دونوں چیزیں پیش کر دیں۔

مسواک کر کے فرمانے لگے: "میں نے کشمیر نہیں دیکھا، دل چاہتا ہے اسے دیکھوں۔ آخر میں وہاں گیا کشمیر میں ایک دریا ہے جس کے کنارے میں نے آج کی رات گزاری ہے۔ اگر تو نے کشمیر دیکھا ہو تو وہاں کی تمام نشانیاں تمھیں بتا سکتا ہوں"۔ عرض کی میں نے تو کشمیر نہیں دیکھا ہے۔

ایک رات حضرت نے مجھے فرمایا کہ کوزۂ آب، پنکھا اور میرے جُوتے اُوپر رکھ آ اور جا کر سو رہ۔ میں نے جُوتے اور پنکھا تو رکھ دیا لیکن پانی کا کُوزہ رکھنا بھُول گیا۔ آدھی رات گزرنے پر خیال آیا کہ میں نے پانی نہیں رکھا۔ اُٹھا اور کُوزے میں پانی بھر کر اُوپر لے گیا۔ وہاں دیکھا تو حضرت کی جگہ خالی تھی۔ میں حیران ہُوا، خیال آیا کہ بیت الخلاء گئے ہونگے لیکن آپ وہاں بھی نہیں تھے۔ میرے دِل میں وہم پیدا ہُوا۔ چراغ جلا کر حُجرہ اور دوسری جگہیں، جہاں اُن کے جانے کا امکان تھا، دیکھیں، لیکن آپ کہیں نہ تھے۔ حیران رہ گیا اور فکر مند ہو کر بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ دفعتہً میں نے سنا کہ حضرت نے کوٹھے پر سے مجھے آواز دے کر کہا "نور محمدؐ وضو کا پانی لاؤ"۔ میں اسی وقت اُٹھا، مسواک اور پانی لے کر حاضر ہُوا۔ سخت حیران تھا۔ بے اختیار آگے بڑھ کر عرض کی کہ حضرت کہاں تشریف رکھتے تھے؟ فرمایا: تو کیا کہہ رہا ہے؟ کیا کوئی خواب دیکھا ہے؟" میں نے عرض کی کہ یہ خیال میرے دل سے زندگی بھر نہیں نکلے گا۔ جب انھیں محسوس ہُوا کہ مجھے آپ کے یہاں نہ ہونے کا علم ہو گیا ہے تو فرمایا کہ میں اس شرط پر بتاتا ہوں کہ تم اسے ظاہر نہیں کرو گے، ورنہ تمھیں نقصان پہنچے گا۔ آج رات میں غارِ حرا میں تھا۔ میں نے پوچھا، غارِ حرا کیا ہے؟ اور کہاں ہے؟ فرمایا: مکہ معظمہ کے قریب ہے اور حضرت رسالت پناہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نبوت عطا ہونے سے پہلے اس غار میں حق تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ مجھے تعجب ہے کہ حاجی جو حج کرتے ہیں گھڑی بھر اس غار میں نہیں گزارتے۔ پھر فرمایا کہ وہ کشائش جو غارِ حرا میں ایک رات میں حاصل ہوتی ہے وہ کسی دُوسری جگہ چالیس سال میں میسّر نہیں آتی"۔

مُلّا خواجہ بہاری نے جو حضرت میاں جیوُ رَحْمَۃُ اللّٰہ عَلَیْہ کے مُریدانِ کبار میں سے تھے،
فرمایا کہ حضرت کا ایک طالب ایک ایسی مسجد میں رہتا تھا جس کا امام ایک نامور عالم، حافظِ قرآن اور
فقیہہ تھا اور نمازِ باجماعت ادا نہ کرنے کے بارے میں ہمیشہ اس طالب پر اعتراض کرتا تھا
اتفاقاً ایک روز وہی فقیہہ حضرت کی خدمت میں آیا اور ان سے اس مُرید کا گلہ کیا کہ یہ نمازِ باجماعت کا
پابند نہیں۔ حضرت نے منہ پھیرتے ہوئے فرمایا: "تم اب جا سکتے ہو تمھیں اس سے کیا سروکار! وہ جہاں
چاہے نماز ادا کرے"! وہ فقیہہ وہاں سے چل کر باہر گیا ہی تھا کہ بیہوش ہو کر گر پڑا اور جو کچھ پڑھا تھا،
سب بھُول بیٹھا اور چند ہی دن بعد دنیا کو خیرباد کہہ گیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت جہانگیر بادشاہ کشمیر میں تھا، بعض لوگوں نے امامِ محدثین
شیخ عبدالحق دہلوی اور شیخ احمد سرہندی رح کے ایک مُرید مرزا حسام الدین کے متعلق کچھ جھوٹی
باتیں بادشاہ کی خدمت میں عرض کیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شیخ عبدالحق اور مرزا حسام الدین کو دہلی
سے بلوا کر حضور میں لایا جائے اور شیخ نورالحق پسرِ عبدالحق کو کابل بھیج دیا جائے۔ شیخ عبدالحق جب لاہور
آئے تو بہت آزردہ اور پریشان تھے حضرت میاں جیوُ رَحْمَۃُ اللّٰہ عَلَیْہ کی خدمت میں حاضر ہوئے
حضرت نے پریشانی کا سبب دریافت کیا۔ شیخ نے اپنی حالت بیان کی کہ اس سن و سال میں مجھے
وطن اور بچّوں سے جدا ہونا پڑے گا اور میرے بیٹے نورالحق کو کابل جانا ہو گا۔ حضرت نے فرمایا:
"خاطر جمع رکھو۔ یہ میرا ذمہ ہے کہ بادشاہ سے ملے بغیر ہی تم وطن واپس چلے جاؤ گے اور بچّوں کے
ساتھ یکجا رہو گے"۔ شیخ مطمئن ہو کر وہاں سے اٹھے۔ چار روز بعد ہی بادشاہ کی رحلت کی خبر
پہنچی اور شیخ اپنے بیٹے کے ساتھ دہلی لوٹ گئے۔

میرک حسین خافی نے، جو اکثر اوقات حضرت میاں جیوُ رَحْمَۃُ اللّٰہ عَلَیْہ کی خدمت
میں حاضر ہوا کرتے تھے، بیان کیا کہ جب طاعون پڑی تو میرے بیٹے کے کان کے نیچے گلٹی نکل آئی۔

جو موت کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ بیٹے کی زندگی سے میں مایوس ہو گیا اور بے اختیار ہو کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا دستِ اُمیداں کے مبارک دامن کی طرف بڑھایا اور بیٹے کی صحت کے لیے دُعا کی التماس کی آپ نے فرمایا کہ قدرت کے کاروبار میں کسی کو دخل نہیں ہوتا لیکن جب انھوں نے مجھے سخت فکرمندی کی حالت میں دیکھا تو پانی کا کوزہ طلب کیا۔ اس پر دُعا پڑھی اور مجھے عنایت کیا۔ بیٹے نے پانی پیا، اس کے مرض میں افاقہ ہو گیا اور صبح تک مرض کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔

اسی راوی کا بیان ہے کہ جب جہانگیر بادشاہ عازمِ کشمیر ہوئے تو میں بھی ان کی خدمت میں تھا۔ راستے میں مجھے میرے لاہور کے ایک عزیز کا ایک خط موصول ہوا مضمون یہ تھا کہ حضرت میاں جیوُ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے فرمایا ہے، تم جلد ہی واپس لاہور آؤ گے۔ آخر اسی دن بادشاہ نے مجھے ایک خدمت پر مامور کر کے لاہور بھجوا دیا۔ میں جب لاہور پہنچا تو چند ہی روز بعد خبر ملی کہ بادشاہ نے مجھے کابل میں تعینات کر دیا ہے۔ لاہور میں رہنے کی خواہش بہت تھی۔ حقیقتِ حال حضرت میاں جیوُ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی خدمت میں عرض کی تو فرمایا "اطمینان رکھو، تم یہیں رہو گے"۔ اسی دن خبر ملی کہ کابل کی خدمت پر مامور کرنے کا حکم نامہ لکھے جانے کے بعد یہ فرمان صادر ہوا کہ بدستور لاہور ٹھہرے رہو۔

راوی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ میں نے اپنی حویلی میں کنواں کھودا تو پانی کھاری نکلا۔ پانی کا کوزہ بھر کر حضرت میاں جیوُ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی خدمت میں لے گیا اور حقیقتِ حال عرض کی۔ آپ نے پانی کا کوزہ طلب فرمایا، دُعا پڑھ کر فرمایا، اس پانی کو کنوئیں میں ڈال دو۔ آپ کے حکم کے مطابق میں نے عمل کیا تو کنوئیں کا پانی میٹھا ہو گیا۔

وہی راوی بیان کرتا ہے کہ میں اور میرے ساتھ کچھ لوگ کسی ظالم کی قید میں گرفتار ہو گئے مخلصی اور زندگی کی امید باقی نہ رہی۔ ایک دِن میرا بیٹا حضرت میاں جیوُ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عاجزی سے التماس کی۔ آپ نے فرمایا "اپنے باپ کو لکھ بھیج کہ جلد ہی رہائی ہو جائیگی"

جب اس کا خط مجھے ملا تو کچھ امید بندھی۔ پندرہ روز نہیں گذرے تھے کہ حق تعالیٰ کے کرم سے مجھے اور میرے رفیقوں کو اس ظالم کی قید سے رہائی ہو گئی۔

جن دنوں لاہور میں طاعون پھیلی اور چند سال تک جاری رہی تو شیخ پیر میرٹھی حضرت میاں جیوؒ رَحمۃُ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اس بلا کے دفع ہونے کے لیے مل کر توجہ کریں۔ آپ نے فرمایا: اٹل قضا میں دعا فائدہ نہیں کرتی۔ شیخ پیر نے جب تنہا خود ہی توجہ کرنی چاہی تو اسی اثناء میں وہ بے ہوش ہو گئے اور تین دن تک تن من کی خبر نہ رہی۔ تین دنوں کی نمازیں بھی قضا ہوئیں۔ ہوش میں آنے کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کیفیتِ حال بیان کی۔ حضرت نے فرمایا: میں نے تمھیں منع کیا تھا۔ تم نے بے باکی کی، جس کا کچھ فائدہ نہ ہوا۔

اہلِ اسلام نے کئی سال کانگڑہ کا محاصرہ کیا لیکن فتح میسر نہ ہوئی۔ حضرت میاں جیوؒ رحمۃُ اللہِ علیہ کے ایک عقیدت مند نے عریضہ لکھ کر قلعہ کی فتح کے لیے دعا کی التماس کی۔ آپ نے اسی وقت اُسکی پُشت پر اپنے ہاتھ سے لکھا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اسی سال فتح ہو گی۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ قلعہ مسخر ہو گیا۔

سیّد محمد جعفر نے بیان کیا کہ جس وقت میری عمر پانچ سال تھی، لاہور میں بہت بڑی وبا پھیلی۔ ایک گلٹی، جو موت کی علامت ہوتی ہے، میرے کان کے نیچے نمودار ہوئی اور عزیز و اقارب میری زندگی سے مایوس ہو گئے۔ میرے والد کو حضرت میاں جیوؒ رحمۃُ اللہ علیہ سے بڑی ارادت اور عقیدت تھی۔ مجھے حضرت کی خدمت میں لے گئے اور دعا کی درخواست کی۔ فرمایا: "ابراہیم! تمھارے بیٹے کی پیشانی روشن ہے۔ لوگوں کو اس سے فیض پہنچے گا۔ اطمینان رکھو۔" پھر دستِ مبارک میرے سر اور کان کی نچلی سطح پر پھیرا۔ خدا کی مہربانی سے اسی وقت درد جاتا رہا اور گلٹی بھی باقی نہ رہی۔ گھر پہنچنے تک صحت کامل حاصل ہو گئی۔

سیّد محمد ہی کا بیان ہے کہ ایک روز میں حضرت کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ نے ایک شخص میرک حسین خوافی کے بارے میں دریافت کیا۔ میں نے عرض کی کہ آج کل بادشاہ ان پر بہت مہربان ہے جس کی وجہ سے ان کی بڑی قدر و منزلت ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا: "ایسا نہیں، بلکہ بادشاہ اُس پر ناراض ہے"۔ چنانچہ چند ہی روز بعد خبر ملی کہ میرک حسین کا منصب موقوف اور جاگیر ضبط کر لی گئی ہے اور اسے قید کر کے قلعہ میں بھجوا دیا گیا ہے۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ بہوا دہلوی، جس کا شمار امراء میں تھا، ٹھٹھہ اور بھکر کی طرف جا رہا تھا، اس نے ایک شخص کو حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دعا کی التماس کے لیے بھیجا کہ خیر و سلامتی سے وطن واپس آئے۔ فرمایا کہ وہ واپس نہیں آسکے گا۔ آپ نے جیسا فرمایا تھا، ویسا ہی ہُوا اور اسی صُوبے میں اس کا انتقال ہو گیا۔

ملّا سعید خاں کی میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ سے پچاس سال سے آشنائی تھی اور آپ کی خدمت میں آتے جاتے رہتے تھے' انھوں نے بیان کیا کہ ایک دن میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہُوا تو آپ نے فرمایا، کہو تمھارے گھر کی کیا خبر ہے؛ عرض کی میری بیوی سے دو بار بیٹیاں ہی پیدا ہوئی ہیں۔ اُن میں سے ایک فوت ہو گئی ہے۔ اب میری بیوی پھر حاملہ ہے۔ ہر رات برہنہ سر ہو کر خدا سے دُعا مانگتا ہوں کہ مجھے بیٹا عطا کرے۔ فرمایا: "خداوند تعالیٰ سے تو بہت مشکل کام کے لیے التماس کرتا ہے کہ وہ ایک بیٹا دے اور اگر وہ دو بیٹے عطا کرے تو کیسا ہو؟" میں نے عرض کی یہ آپ کی توجّہ ہی سے ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دو بیٹے پیدا ہوں گے۔ اس کے چند ماہ بعد دو توام بیٹے پیدا ہوئے، جو اب تک زندہ ہیں۔

ملّا سعید خاں ہی کا بیان ہے کہ صوفی ناصر نامی درویش، جو شیخ محمد زاہد جامی کے خلیفہ تھے اور خود وہ حضرت مخدومی اعظم شیخ حاجی محمد خبوشانی قدس اللہ سرہٗ کے خلیفہ تھے، ہندوستان

آئے اور لاہور میں سکونت اختیار کی۔ انھوں نے اکبر بادشاہ سے ملاقات کی تو بادشاہ نے ضروری اخراجات کے لیے ایک اشرفی فی یوم کے حساب سے روزینہ مقرر کر دیا لیکن کسی وجہ سے انھیں دو ماہ کا روزینہ نہ مل سکا۔ صوفی ناصر حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورتِ حال عرض کی کہ روزینہ سے محروم ہوں، جس کی وجہ سے تمام لواحقین چند روز سے فاقہ کر رہے ہیں۔ حضرت سے دُعا کا طالب ہوں کہ روزینہ بحال ہو جائے۔ آپ نے فرمایا: "آپ خود اہلِ خیر و تقویٰ ہیں، اللہ کی بارگاہ میں دُعا کیوں نہیں کرتے"۔ انھوں نے کہا: "اگر میری دُعا میں اثر ہوا ہوتا تو میں آپ سے عرض نہ کرتا"۔ فرمایا: "اطمینان رکھو کہ اسی رات اللہ تعالیٰ روزینہ کھول دے گا"۔ یہ کہہ کر صوفی ناصر کو رخصت کر دیا۔ اتفاقاً اسی رات بادشاہ نے انھیں طلب کر کے دریافت کیا، کیا روزینہ ملتا ہے؟ صوفی نے حقیقتِ حال عرض کی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ گذشتہ دنوں کا روزینہ انھیں اکٹھا ادا کیا جائے نیز یہ حکم بھی صادر کیا کہ انھیں باقاعدہ روزینہ ملتا رہے۔

مُلّا سعید کا بیان ہے، ایک دن ظہر کے وقت میں نے چاہا کہ حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دُوں۔ حجرے کے ایوان میں پہنچا تو خیال آیا، یہ وقت حضرت کے آرام کا ہے۔ حضرت نے فرمایا تھا کہ موسم گرما کی دوپہر، موسم سرما کی آدھی رات کی طرح ہوتی ہے۔ انھی اوقات میں اس گروہ پر فنا کی کیفیت ہوتی ہے لہٰذا ظہر کی نماز کے بعد کچھ آرام فرماتے ہیں۔ اس لیے میں نے چاہا کہ حضرت کو زحمت نہ دوں۔ اوران کے بیدار ہونے تک ایوان میں بیٹھوں۔ میں نے بڑی احتیاط کی کہ میرے پاؤں کی چاپ بھی سُنائی نہ دے۔ آہستہ آہستہ چل کر ایوان میں جا بیٹھا۔ اس عرصے میں کوئی شخص بھی حجرے میں داخل نہیں ہُوا تھا۔ اچانک خادم باہر آیا اور کہا، حضرت کی آنکھیں ڈھکی ہوئی تھیں اور سو رہے تھے۔ اچانک بیدار ہوئے اور فرمایا: "مُلّا سعید خاں باہر بیٹھا ہے اسے بلاؤ"۔ اِس خارقِ عادت بات سے میں حیران ہُوا اور خادم مجھ سے بھی زیادہ حیران تھا کہ حضرت آرام کر رہے

تھے انھیں یہ کیسے معلوم ہوا؟ آخر میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور صحبت کی سعادت میسّر آئی۔

راوی مذکور نے حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی الہامی زبان کا یہ بیان سنایا کہ ایک دن ایک مغل بڑے اضطراب کی حالت میں میرے پاس آیا اور دُعا کی درخواست کی۔ دعا کر کے میں نے کہا" اہلِ دنیا عجیب لوگ ہیں مطلب کے حصول کے لیے درویشوں کی دعا کو کس قدر آسان سمجھتے ہیں! اگر یہ بھوکے کو روٹی کھلائیں اور ننگے کو کپڑا پہنائیں تو میں ضامن ہوں کہ اُن کی مراد بر آئے گی۔ اس وقت وہ شخص رخصت ہو گیا اور دوسرے دن پھر آیا۔ کچھ نقدی اور چند طشت حلوے کے لایا۔ نقدی تو حضرت نے لٹا دی اور حلوہ درویشوں میں تقسیم کر دیا اور اس کا حال پوچھا۔ اس نے کہا، میرا بیٹا سخت بیمار تھا اس کی زندگی کی کوئی امید نہیں رہی تھی۔ کل جب میں خدمتِ شریف میں حاضر ہوا تھا اور حضرت نے دعا کے بعد بھوکے کو روٹی اور ننگے کو کپڑا پہنانے کی تلقین فرمائی تھی تو یہاں سے رخصت ہوتے ہی مجھے ایک مستحق درویش ملا۔ میرے پاس انگوٹھی تھی، وہ میں نے اسے دے دی۔ گھر کے قریب آیا تو کچھ فقیر نظر آئے جن کے تن پر کپڑا نہ تھا۔ میں نے کچھ اپنے کپڑے انھیں پہنا دیئے۔ وہاں سے چلا تو گھر سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا۔ میں ڈرا کہ شاید کوئی بُری خبر لایا ہے۔ جب اس سے دریافت کیا تو وہ خوشی سے اُچھل پڑا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بیٹے کی جان بچا لی ہے اُسے اب صحت ہے۔ اور پھر میرے منہ سے یہ نکلا کہ یہ سب کچھ حضرت کی توجہ کی برکت سے ہوا۔

راوی مذکور نے بیان کیا کہ مُلّا محمد ٹھٹوی، جو آصف خاں کے استاد تھے، تین بار حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دو مرتبہ اسے فرمایا: "مُلّا! اب تمھیں تارک الدنیا ہو جانا چاہیے۔ اور حق تعالیٰ کی طرف توجہ کرنی چاہیے"۔ تیسری بار اسے فرمایا: "ہم نے تمھیں آزما لیا ہے تم قطعِ تعلقات نہیں کر سکتے۔ یہ ہمت تم میں نہیں لیکن اتنا کرو کہ آصف خاں کی صحبت ترک کر دو۔ کیونکہ اس صحبت سے تمھیں بہت نقصان پہنچے گا"۔ مُلّا نے حضرت کی نصیحت پر توجہ نہ دی اور آصف خاں

کے ہمراہ کابل روانہ ہوگیا۔ چند ہی روز گزرے تھے کہ دشمن نے آصف خاں کو دریائے "بہت" کے کنارے قتل کر دیا۔

مُلّا سعید یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اکبر آباد (آگرہ) گیا، وہاں مجھے خطرناک قسم کی بیماری لاحق ہوگئی۔ یہاں تک کہ لاہور میں میری موت کی خبر مشہور ہوگئی۔ ایک دن حضرت میاں جیوؒ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے کسی آشنا سے دریافت کیا کہ فلاں شخص کی کیا خبر ہے؛ لوگوں نے بتایا، کہتے ہیں کہ وہ فوت ہوگیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ خبر غلط ہے۔ مُلّا سعید کو میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ زندہ و سلامت ہے۔ اتفاقاً ایک دن میں اکبر آباد سے لاہور آیا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ انھوں نے فرمایا: "لوگوں نے تمھارے متعلق غلط خبر اڑا دی تھی لیکن ہم تمھیں زندہ و سلامت دیکھ رہے تھے۔"

مُلّا فتح محمد نے اپنے والد کی زبانی بیان کیا کہ ایک دن حضرت میاں جیوؒ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ میرے دامن میں ایک روپیہ بندھا تھا، فرمایا کیا ہے؛ میں نے عرض کی، ایک روپیہ ہے۔ فرمایا اس کا خیال رکھنا کوئی اڑا نہ لے۔ میں نے عرض کی، مجھ سے کون لے سکے گا۔ وہاں سے رخصت ہو کر سرائے حکیم کے پاس پہنچا تھا کہ کسی شخص نے میرے دامن سے وہ روپیہ اڑا لیا۔ دوسرے دن جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہُوا تو پہلا سوال انھوں نے یہ کیا کہ روپیہ کھو بیٹھے ہو؛ کیا مَیں نے نہیں کہا تھا کہ اس کی حفاظت کرنا؛ اس وقت مجھے معلوم ہُوا کہ یہ واقعہ حضرت پر کشف ہوا تھا۔

فاضل نامی ایک شخص نے بیان کیا: "میرا بیٹا قضائے الٰہی سے فوت ہوگیا۔ رنج و اندوہ کی حالت میں مَیں حضرت میاں جیوؒ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور ایک گوشے میں خاموشی سے بیٹھ گیا۔ باوجودیکہ حضرت آنکھیں بند کیے بیٹھے تھے، میرے آنے کا حال انھیں معلوم ہوگیا۔ اپنے ایک مُرید نتھا پراچہ سے دریافت فرمایا: کون ہے؛ جو یوں آکر خاموش بیٹھ گیا ہے۔ نتھا نے میرا نام لیا

اور کہا، بہت غمگین ہے۔ شاید اس پر کچھ زیادتی ہوئی ہے۔ فرمایا: کسی نے اس سے زیادتی نہیں کی، لیکن قضائے الٰہی کے سامنے کسی کو چارہ نہیں۔ اسے کہو! بیٹے کی وفات پر غمگین نہ ہو، عنقریب خدا اس سے بہتر فرزند عطا کرے گا اور اسے یہ بھی کہو کہ دو ماہ اور بیس روز بعد ہمیں یاد دلائے۔ یہ بشارت سُن کر مجھے خوشی ہوئی۔ گھر آیا اور گھر والوں کو یہ بات سنائی اس پر میری بیوی نے بتایا کہ وہ حاملہ ہے۔ معلوم ہُوا کہ یہ امر حضرت پر کشف ہُوا تھا اور مجھے بشارت دے کر تسلّی دی تھی۔ مذکورہ مدّت گزرنے پر میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہُوا اور اس روز کی استدعا یاد دلائی نیز پوشیدہ حال کا بھی ذکر کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ اس مرتبہ بیٹی کی پیدائش ہونی تھی لیکن تین مرتبہ میں نے بارگاہِ الٰہی میں التجا کی اور بیٹا بیٹی پر مقدم ہو گیا۔ اس کا نام عَالَمِ مَلکُوت میں محمد فضل ہے" نیز مسکراتے ہوئے فرمایا: "باپ کا نام فاضل اور بیٹے کا نام افضل!" ایک شخص نے حضرت سے دریافت کیا، کیا بیٹی کی پیدائش موقوف ہو گئی ہے؛ فرمایا: "نہیں! اس کے بعد ایک لڑکی اور بعد میں اور لڑکیاں بھی ہوں گی"۔ اس وقت سے آج تک چھ سال کے عرصے میں خداوند تعالیٰ نے مجھے ایک بیٹا اور تین بیٹیاں عنایت کی ہیں۔

راوی مذکور کا بیان ہے: "مجھے یاد ہے۔ میرے دادا نے کہا تھا کہ ایک رات کان کے درد سے میں صبح تک سو نہ سکا۔ اچانک صبح کے وقت حضرت میاں جیوؒ رَحمَۃُ اللہ عَلَیہ تشریف لائے۔ بغیر اس کے کہ انھیں میرے حال کی خبر ہو، آپ نے فرمایا، مجھے کان دکھا تاکہ درد کا مداوا کروں۔ ارشاد کے مطابق میں نے کان ان کے سامنے کیا۔ آپ نے دیوار سے مٹی کی چٹکی لے کر میرے کان پر چھڑکی اسی وقت درد رفع ہو گیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کبھی کان کی تکلیف ہوئی نہ تھی۔

راوی مذکور کا بیان ہے کہ میں نے اپنے دادا سے یہ بھی سُنا کہ میرے ایک شاگرد نے کچھ نقد و جنس کی امانت میرے پاس رکھی تھی۔ ایک رات کنیز امانت اٹھا کر بھاگ گئی۔ صبح کو میں حیران اور فکرمند ہو کر حضرت میاں جیوؒ رَحمَۃُ اللہ عَلَیہ کی خدمت میں حاضر ہُوا صورت حال عرض کی اور دُعا

کے لیے استدعا کی۔ ایک دو مرتبہ تو اُنھوں نے میری التماس کا کوئی جواب نہ دیا۔ بعد میں فرمایا: "جا کہ وہ کنیز، جو امانت لے گئی تھی، تمھارے گھر واپس آ گئی ہے۔" دو مرتبہ جو اُنھوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا، اس سے میں مایوس ہُوا کہ مجھے ناکام واپس بھیج رہے ہیں۔ بہر حال میں فکرمندی کی حالت میں گھر پہنچا تو وہ کنیز امانت لیے ہُوئے واپس آ گئی تھی۔ میں حیران ہُوا اور اس سے واپس آنے کا سبب پُوچھا اس نے کہا کہ میں فلاں جگہ پر تھی کہ ایک شخص مجھے بازو سے پکڑ کر یہاں لے آیا ہے۔

کہتے ہیں کہ سُلطان علی نامی ایک شخص کے بیٹے کو آسیب کا سایہ تھا۔ آسیب اُتارنے والے اور حاذِق طبیب سب اس کے علاج سے عاجز آ گئے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ میں اس لڑکے کو حضرت میاں جیو رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کی خدمت میں لے گیا اور اس کے آزار کا ذکر کیا۔ اُنھوں نے فرمایا: "دو روٹیاں گھی سے چُپڑ کر کسی بھُوکے کو کھِلا دو۔" یہ بات میں نے لڑکے کے بزرگوں سے کہی لیکن ان کمینوں نے دو روٹیاں دینے میں بھی غفلت کی۔ کچھ عرصے بعد جن نے اس لڑکے کی آواز میں مثنوی مولانائے روم پڑھنی شروع کر دی بعض اوقات وہ لڑکا اس طرح کی باتیں کرتا کہ دوسرے طالب علم جو حاضر ہوتے، حیران رہ جاتے کیونکہ وہ لڑکا تو روانی سے عبارت بھی پڑھنے کا اہل نہ تھا۔ جب معلوم ہُوا کہ اس کا اُستاد جن ہے تو میں اس سے جو سوال پوچھتا، اس کا وہ جواب دیتا اور اطلاعیں بہم پہنچاتا۔ میں نے اس سے پُوچھا۔ جناتی علم جاننے والوں نے تمھیں دُور کرنے کے لیے جو تعویذ لکھے، ان میں سے کونسا تعویذ موثر تھا؛ اس نے جواب میں کہا، سب بے اثر تھے۔ علاج وہی تھا جو حضرت شیخ میر قَدَّسَ اللہُ سِرَّہٗ نے بتایا تھا۔ اگر دو روٹیاں بھُوکے فقیر کو کھلا دیتے تو اسی دن میں اس لڑکے کو چھوڑ دیتا۔

مُلّا اسحاق نامی ایک فاضل شخص نے، جس کا باپ حضرت میاں جیو رَحمۃُ اللہ عَلَیہ سے بڑی عقیدت اور خلوص رکھتا تھا اور خود وہ حضرت مولانا شاہ سَلَّمَہُ اللہ کی خدمت میں رہتا تھا۔

بیان کیا کہ رُوستاق کا رہنے والا ایک شخص مُلّا سنگین صوفی حضرت کا با اخلاص مُرید تھا۔ کافی عرصہ حضرت کی خدمت میں رہا اور توجہ سے فیض یاب ہُوا۔ ایک دن اسے حضرت نے فرمایا! "صوفی! تمھیں اپنے وطن جاکر اپنے لواحقین کی خبر لینی چاہیے"۔ صُوفی تو تمام تعلقات منقطع کر چکا تھا، اس نے عرض کی، مجھے اب وہاں سے کوئی سروکار نہیں رہا اس لیے وطن جانے کا ارادہ نہیں۔ حضرت نے پھر زور دے کر فرمایا: "تمھیں ایک بار ضرور وطن جانا چاہیے اور جلد جانا چاہیے" آپ کی تاکید حد سے بڑھی تو صوفی ناچار وطن کو روانہ ہُوا اور کئی منزلیں طے کرتا ہُوا بدخشاں آیا۔ شام کے اندھیرے میں رُوستاق آپہنچا، گھر کے قریب آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ لوگوں کا عجیب سا اژدحام ہے بہت سی شمعیں روشن ہیں۔ اس نے سوچا کہ کوئی ضیافت ہو گی۔ ایک شخص سے پوچھا کہ لوگ یہاں کیوں جمع ہیں؟ اس نے کہا، یہ گھر مُلّا سنگین نامی کا ہے جو آٹھ سال سے ہندوستان چلا گیا ہے۔ اس کی موت کی خبر آنے پر اس کے فاتحہ کے لیے کھانا دیا گیا ہے نیز فلاں شخص نے اس کی بیوہ سے عقد کرنے کی خواستگاری بھی کی ہے۔ آج اس کے عقد کی تقریب بھی ہے۔ یہ خبر سُنی تو حضرت میاں جیوُ رَحمۃُ اللہِ عَلَیہ کے کشف و کرامت کا تصور کر کے اس پہ بے خودی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اسی اثنا میں اس کے رشتہ داروں اور آشناؤں کو صوفی کے آنے کی خبر ملی تو وہ اس کے پاس آ جمع ہُوئے اور خوشی خوشی اسے گھر لے گئے۔ آخر وہ لوگ جو عقد کی تقریب کے لیے جمع ہُوئے تھے، وہاں سے اُٹھ کر چل دیے۔ صوفی کچھ عرصہ گھر میں رہا اور نان و نفقہ کا بندوبست کر کے پھر واپس لاہور آیا اور حضرت میاں جیوُ رَحمۃُ اللہِ عَلَیہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا: صوفی! اگر گھڑی بھر تو دیر سے پہنچتا تو بتا کیسی قباحت ہوتی؟" اس نے اپنا سر حضرت کے پاؤں میں رکھا، کچھ عرصہ بے سُدھ پڑا رہا آخر حضرت کی عنایت سے اس کے حواس بحال ہو گئے۔

باب پنجم

مقامات کا ذکر جہاں حضرت میاں جیوؒ جا کر بیٹھا کرتے تھے

حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ یہ تھا کہ رات کے وقت حجرے کا دروازہ بند کر کے یادِ حق میں مشغول رہتے اور دن کو جنگل یا باغ میں یا ایسے مقامات پر، جہاں لوگوں کا گزر نہ ہوتا، دل جمعی سے یادِ حق میں مشغول ہو جاتے۔ چنانچہ آج تک آپ کے اصحاب اور مرید بھی اسی طریقے پر عمل پیرا ہیں۔ میں نے ان مقامات کی تحقیق بعض ثقہ لوگوں اور مریدوں سے کی ہے، جو ان مقامات پر حضرت کی خدمتِ باسعادت میں موجود ہوتے تھے۔ یہ مقامات لاہور میں اب بھی موجود ہیں۔ ان کا ذکر ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

۱۔ موضع میرداد میں شیخ ہُود کا بالائی حُجرہ جو گرد و نواح کے سایہ دار درختوں کے نیچے شیخ بلاول کی قبر کے قریب ہے۔

۲۔ ایک مقام شہر کے مشرقی جانب ہے جو موضع بھوگیوال کے قرب و جوار میں ایک ریتلے ٹیلے پر واقع ہے۔

۳۔ ایک مقام سوامی جل کے باغ کی عمارت میں تھا، جو سلطان پرویز کے باغ کے قریب ہے۔

۴۔ نولکھا باغ میں درخت برس کے نیچے، جو ملا خواجہ کلاں سے ہم کلام ہوا تھا اور اس نے یہ کہا تھا کہ میرے پتوں کی فلاں خاصیت ہے، اور میرا پھول، بیج اور جڑ فلاں فلاں باتوں میں مفید ہیں اور میری تسبیح نفع پہنچانے والی ہے۔

۵۔ مرزا کامران کے باغ کی عمارت میں، جو حوض میں بنائی گئی تھی۔ اب یہ عمارت زیرِ آب آگئی ہے۔

۶ قلیج خاں کے باغ کی عمارت میں جو مرزا کامران کے باغ کے بائیں جانب واقع تھی۔آج کل یہ عمارت گر چکی ہے۔

۷۔ شہر کی جنوبی سمت باغِ انارکلی کے گرد و نواح اور باغِ مذکور میں۔

۸۔ گنبدِ بے در، جو باغِ مذکور کے جنوبی گوشے میں واقع ہے۔

۹۔ " انتا" تالاب کے کنارے کی عمارت میں، جو سرائے ہوشیار خاں کے قریب ہے۔

۱۰۔ ایک گنبد جو فیروز پور کو جانے والی سڑک پر شہر کے جنوبی سمت واقع ہے اور اسے " کنبھ" کہتے ہیں۔

۱۱۔ بی بی حاج تاج کے قبرستان میں بیری کے درختوں کے نیچے۔

۱۲۔ چھوٹا سا ایوان، جو حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ منورہ کے قریب مقبرۂ پیشرو خاں میں بڑے درخت کے نیچے ہے۔

۱۳۔ بدو باغ میں بھوگی وال کے قریب، شہر کی جنوبی طرف، درختوں کے نیچے۔

۱۴۔ باغِ قاسم خاں کی دیوار کے عقب میں ایک چار دیواری ہے، جہاں شیشم کا ایک بڑا سا درخت ہے۔اس درخت کے نیچے آپ بیٹھا کرتے تھے۔

۱۵۔ گنبد جو پرانی عیدگاہ اور باؤلی دولت کے قریب احمد بیگ خاں کے مقبرے کے دروازے کے اوپر ہے۔

۱۶۔ باغِ فیضی میں، جہاں اب دائی دلآرام کا مقبرہ ہے۔ وہاں باؤلی کے اوپر آپ ذکرِ حق میں مشغول ہوتے تھے۔

۱۷۔ شیخ رکن الدین روہیلہ کے مقبرے میں، جو عالم گنج قدیم کے نزدیک ہے اور "عالم گنج قلیج خاں" کے نام سے مشہور ہے۔

۱۸- باغ خان اعظم کے مُتّصل شیخ چوہڑ کے باغ اور مقبرے ہیں۔

۱۹- دولت آباد اور اچھرہ کے قریب 'باغِ راجو ہیں۔

۲۰- خانِ اعظم کے باغ ہیں، جہاں شاہ مراد کا مقبرہ اور اس کے بیٹے کا محل ہے۔

۲۱- باغ جواہر خاں کے قریب جھنگی ہیں۔ اب یہ جگہ زیرِ آب ہے۔

۲۲- اچھرہ کے گردونواح میں ایک درخت کے نیچے۔ جب آپ کی وفات ہوئی تو اسی سال وہ درخت گر پڑا تھا۔

۲۳- باغِ ہوشیار خاں کی مشرقی جانب گندم کے کھیت ہیں۔ جب تک یہ کھیت سرسبز رہتے ان کے سائے میں بیٹھتے تھے۔

۲۴- شیخ عبدالرحمٰن کی قبر کے ساتھ، جو باغِ ہوشیار خاں کی مغربی جانب ہے۔

۲۵- باغِ مرتضےٰ خاں ہیں، جو اب "باغِ وزیر خاں" کے نام سے موسوم ہے۔

۲۶- محلاّتِ جہانگیر کے دیوان محمد تقی کے باغ ہیں۔

۲۷- ملک علی کوتوال کے باغ میں۔

۲۸- باغ خاتون ہیں۔

۲۹- دریائے راوی سے مُتّصل شاہدرہ کے قریب بیلے ہیں۔

۳۰- مرزا مومن کے باغ ہیں۔

باب ششم

سعادت نشان بی بی جمال خاتون اَدَامَ اللہُ بَرَکَاتِ اَنْفَاسِہَا الشَّرِیْفَۃَ

کے احوال کا بیان

آپ حضرت میاں جیوؒ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی ہمشیرہ ہیں جن کی بشارت حضرت کی والدہ کو ہوئی تھی اور اب بھی یعنی ۱۰۵۰ھ میں وہ بقیدِ حیات ہیں۔ حضرت بی بی جیوؒ، حالات و مقامات ریاضات و مجاہدات اور ترک و تجرید میں یگانہ اور رابعہٗ وقت ہیں۔ ان سے متعدد خوارق و کرامات ظہور میں آئیں اور اب بھی ان کا ظہور رہوتا ہے۔ شروع میں اپنی والدہ اور پدرِ بزرگوار سے شغلِ حق کا طریقہ سیکھا۔ بعد میں حضرت میاں جیوؒ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اپنا طریقۂ مشغولیت اپنے بھائی قاضی طاکؒ کی وساطت سے انھیں کہلا بھیجا اور بی بی جیوؒ اس طریقے سے مشغولِ حق ہوئیں۔ آپ مشیّتِ ایزدی سے شریعتِ حقّہ کے مطابق ایک بزرگ زادہ کے عقد میں آئیں۔ دس سال تک وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہیں۔ اس عرصے میں صرف چھ سال حقِ زوجیت ادا کیا۔ بعد میں شوہر کی زندگی ہی میں حق تعالےٰ کی محبت اور جذبہ ان پر غالب آیا اور اپنے حُجرے میں خلوت اختیار کی۔ آپ کی دو کنیزیں ہیں جو دن کو آپ کی خدمت کے لیے موجود رہتی ہیں، وضو کے لیے پانی مہیّا کرتی ہیں اور دوسری ضرورتوں میں خدمات بجا لاتی ہیں۔ راتوں کو بی بی جیوؒ تنہا ذکرِ حق میں مشغول رہتی ہیں۔ ان دنوں آپ پر محویت کی کیفیت غالب ہے۔ جس زمانے میں حضرت میاں جیوؒ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے وطنِ مالوف کو خیرباد کہا، اس وقت سے نہ یہ بی بی، میاں جیوؒ کو دیکھنے آئیں، نہ حضرت ہی ان سے ملنے گئے، البتہ خیریت کی خبر آتی رہتی تھی۔ حضرت اکثر ان کی تعریف کیا کرتے تھے۔

کہا جاتا ہے، ایک دن کوئی شخص بی بی جمال خاتون کے گھر مچھلی لایا۔ آپ پر اس وقت استغراق کی کیفیت تھی۔ جب کیفیت ختم ہوئی اور آنکھیں کھولیں تو نظرِ مبارک مچھلی پر پڑی

جس سے مچھلی میں نور ظاہر ہُوا جو بہت دیر تک قائم بھی رہا۔ بعد میں بی بی جیوُ نے فرمایا کہ یہ مچھلی متبرک ہو گئی ہے۔ اسے غلّے اور سامان میں رکھو گے تو بہت برکت ہو گی۔ وہ مچھلی اب تک آپ کے ایک قرابتدار کے گھر میں موجود ہے اور اس کی برکات ظاہر ہیں۔

حضرت کے بھتیجے محمد امین کا بیان ہے کہ میں نے بی بی جیوُ سے یہ سنا: "جب حضرت میاں جیوُ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی رحلت کا وقت قریب آیا تو عالمِ ملکوت میں انھوں نے مجھ سے ملاقات کی اور فرمایا فلاں مہینے، فلاں دن ہم ملکِ بقا کی مسافرت اختیار کرینگے لیکن تم ہمیں موجود سمجھ کر ذکرِ حق میں مشغول رہنا۔

حضرت بی بی جیوُ بزرگوں کی ارواح کی برکت کے لیے کھانا پکاتی ہیں۔ بہت سے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ دیگ اپنے پاس منگواتی ہیں اور پہلے خود بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر اپنے ہاتھ سے کچھ طعام نکالتی ہیں، بعد میں کسی سے طعام نکالنے کو فرماتی ہیں۔ جتنے لوگ وہاں موجود ہوں، ان میں یہ کھانا تقسیم ہوتا ہے۔

کہتے ہیں ایک دن کسی کام کے لیے دُودھ درکار تھا لیکن کہیں دستیاب نہ تھا۔ بی بی جیوُ کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ آپ نے گھی رکھنے کا برتن طلب کیا۔ دستِ مبارک اس میں ڈالا اور فرمایا کہ جس قدر دودھ درکار ہے لے لو۔ دیکھا تو برتن میں دُودھ بھرا تھا۔ جس قدر دُودھ درکار تھا لے لیا گیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ امیر خاں حاکمِ ٹھٹّہ کے ہاں چند لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ امیر خاں کی بیگم بی بی جیوُ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بڑی لجاجت سے بیٹے کے لیے دُعا کی التماس کی۔ بی بی جیوُ نے فرمایا کہ اب سے بیٹے پیدا ہوں گے۔ آپ کے قول کی برکت سے پانچ بیٹے یکے بعد دیگرے پیدا ہوئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ بی بی جیوُ نے اپنے دستِ مبارک سے بقدر دو من گندم اٹھا کر گندم کی کوٹھی میں ڈالی۔ آپ کے ہاتھ کی برکت سے سال بھر کا خرچِ خانہ اسی سے چلا اور گندم

جوں کی توں موجود تھی۔

کہا جاتا ہے، اس شہرِ عزیز میں جلال خاموش نامی ایک شخص ترک و تجرید میں کامل تھے علمِ باطن میں بی بی جیوُ نے بھی ان سے فیض حاصل کیا تھا۔ کسی کو کوئی مشکل پیش آتی یا کوئی حاجت ہوتی تو بی بی جیوُ کی طرف رجوع کرتا۔ بی بی شیخ جلال خاموش کے مزار پر جاتیں اور توجہ فرماتیں، تو ان کی دُعا کے مطابق حاجت مند کی مراد حاصل ہو جاتی۔

بی بی جمال خاتون کا سن شریف ساٹھ سال سے زیادہ ہے، اور اپنے وطن سیوستان میں مقیم ہیں، وہاں سے کسی دوسری جگہ کبھی نہیں گئیں۔

ان کی کرامتیں اتنی ہیں کہ احاطۂ تحریر میں نہیں آسکتیں لیکن برکت کی غرض سے کتاب کی تکمیل کے بعد چند مذکورہ کرامتیں درج کی گئیں۔

آپ کی وفات ۱۰۵۷ھ ہفتم ماہ ربیع الاوّل بروز سہ شنبہ کو ہوئی۔

باب ہفتم

حضرت پیر دستگیر میاں جیوؒ کے سعادت نشان مریدوں کے حالات

حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں کے دو گروہ ہیں۔ ان کا مختصر حال تحریر کیا جاتا ہے۔

گروہ اوّل: یہ گروہ قدیمی مریدوں کا ہے جو صاحب حال و مقاماتِ عالیہ تھے۔ اب وہ غریقِ رحمت ہو چکے ہیں۔ حضرت کے چند مرید جو ان کے زمانے میں بقید حیات تھے، ان کا جو حال میں نے معتبر اور صادق القول لوگوں سے سنا ہے، اس کتاب میں درج کر رہا ہوں۔ نیز ان لوگوں کے محض نام لکھنے پر اکتفا کروں گا جن کے نام تو میں نے سنے ہیں لیکن ان کے حالات سے مجھے آگاہی نہیں۔ اِنْشَاءَ اللہُ تَعَالیٰ

گروہ دوم: یہ حضرت کے وہ مرید ہیں جو اب بقید حیات ہیں اور صاحب حال اور اہلِ کشف و کرامات ہیں۔ ان میں سے اکثر کو اس فقیر (مصنف) نے دیکھا ہے اور ان کے حالات سے آگاہ ہے۔ اگرچہ میرے مرشد حضرت مُلّا شاہ سَلَّمَہُ اللہُ تَعَالیٰ وَ اَبْقَاہُ کا ذکر گروہِ دوم سے تعلق رکھتا ہے لیکن حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کے مشائخ میں یہ سربرآوردہ ہیں بلکہ ان کا وجودِ شریف اکابرِ دنیا سے افضل ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آج مشرق و مغرب میں میرے مرشد جیسا قوی حال، صاحبِ فراست و کرامت اور عارفِ توحید اور کوئی نہیں۔

وَاللہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

حاجی نعمتُ اللہ سرہندی

گروہِ اوّل میں راہِ ہدایت کے سالک، صاحبِ زُہد و تقویٰ، اسرارِ الٰہی کے آگاہ، حاجی نعمت اللہ سرہندی ہیں۔ حضرت میاں جیوُ رحمۃ اللہ علیہ نے جس مُرید کو سب سے پہلے مشغولِ حق کیا، وہ آپ ہی تھے۔ ان کا کچھ حال ضمناً آ رہا ہے۔ حضرت میاں جیوُ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مَیں نے اپنا ذکرِ اشغال سب سے پہلے حاجی نعمتُ اللہ کو بتایا تھا۔ ایک دن ایک شخص حضرت کی خدمت میں حاضر ہُوا اور بڑی عاجزی سے عرض کی کہ میں نے کچھ رقم بطورِ قرض لے کر اپنے اس بیٹے کو تجارت کے لیے دی۔ اب یہ کہتا ہے کہ یہ رقم راستے میں چوروں نے لُوٹ لی ہے اور کچھ باقی نہیں چھوڑا۔ میرے پاس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ یہ سُن کر حاجی نے اس لڑکے سے خطاب کیا اور کہا تو جھُوٹ کیوں کہتا ہے؛ یہ رقم تو نے فلاں گنبد میں مٹی میں دبا دی ہے۔

یہ سُن کر لڑکا ان کے قدموں پر گرا اور رقم لا کر باپ کے حوالے کر دی۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن ایک شخص بڑے اضطراب کی حالت میں حاجی صاحب کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ میری ایک کنیز ہے جس سے مجھے دلی وابستگی ہے۔ وہ کہیں چلی گئی ہے اور میرے لیے جینا محال ہو گیا ہے۔ اس کی بے تابی حد سے بڑھتی دیکھی تو فرمانے لگے، فلاں جگہ جا کر راستے میں اس کا انتظار کر۔ ایک بہلی نظر آئے گی۔ اس کے قریب جا کر کنیز کو آواز دینا؛ وہ بہلی سے نکل آئے گی۔ اسے پکڑ کر لے جانا اور بہلی کے متعلق کچھ نہ سوچنا کہ یہ کس کی ہے۔ اس شخص نے ویسا ہی کیا اور اس بہلی سے اپنی کنیز کو حاصل

کرلیا۔

ان کی وفات ۱۰۱۰ ہجری میں ہوئی۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کی قبر کہاں ہے؟ وہ تنہا سرہند سے حضرت میاں جیوؒ رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ کی خدمت میں لاہور آرہے تھے کہ راستے ہی میں اُنھوں نے داعیٔ اجل کو لبّیک کہا۔

میاں نتھّا

دوسرے مُرید، اولیائے زمان کے سربرآوردہ، زُبدۂ سالکان، شیخِ دوران، صاحبِ کرامت، صُوفی صافی، عارفِ ربّانی، غرقِ بحرِ فنا، حضرت میاں نتھّا قَدَّسَ اللہُ سِرَّہٗ تھے۔ آپ کے آبا و اجداد پیشے کے لحاظ سے نیلی تھے۔ وطن سرہند تھا۔ حضرت میاں جیوؒ رَحمۃُ اللہ علیہ کے کامل مُریدوں میں سے تھے۔ حضرت کی جوانی کے ایّام میں میاں نتھّا آپ کی خدمت سے وابستہ ہوئے اور مدّتِ مدید تک ساتھ رہے۔ حضرت کو میاں نتھّا سے کمال محبّت تھی اور ان کے حال پر توجہ اور شفقت بھی بہت تھی۔ اگرچہ حضرت کا طریقہ یہ تھا کہ جو بھی خدمت میں حاضر ہوتا، اسے ذکرِ حق میں مشغول کر دیتے جس سے اسے فیض حاصل ہوتا لیکن کچھ عرصے بعد اسے رخصت فرما دیتے کہ خود جا کر مشغول ہو جائے۔ اپنے ساتھ وہ کم ہی آدمیوں کو رکھتے تھے لیکن میاں نتھّا کو کبھی جدا نہ ہونے دیتے تھے۔ وہ حضرت کی خدمت میں بے تکلّفی بھی کر لیتے تھے۔ آخر میں جب میاں نتھّا جذبِ الٰہی سے سرشار ہُوئے تو ان پر انتہائی استغراق اور سُکر کی کیفیت طاری رہنی تھی چنانچہ علائقِ دنیوی کو انھوں نے ترک کر دیا تھا۔ اکثر اوقات راتوں کو بلند دیوار پر چڑھ کر آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے اور کئی دن رات اسی دیوار پر گزارتے۔ بعض اوقات وہ صحرا یا کسی جنگل میں یا کسی قبر کے سرہانے یا کسی ویرانے میں دن رات بسر کرتے تھے۔ حضرت میاں جیوؒ رَحمۃُ اللہ علیہ نے ایک شخص کو، جو حضرت کی خدمت میں موجود تھا، فرمایا، جاؤ اور نتھّا کو جو دیوار پر بیٹھا ہے، بلا لاؤ اور اسے کہو کچھ کھا لے۔ کئی دن سے اس نے کچھ نہیں کھایا ہے۔ کبھی کبھی میاں نتھّا ایک ہی حال میں بیٹھے ہوئے رات گزار دیتے۔ خود ہی کہتے تھے کہ میاں جیوؒ! میں کس طرح بیدار رہُوا؛ آپ فرماتے تھے بہت

خوب! استغراق تم پر بہت غالب آگیا ہے۔ ان کی رحلت بھی استغراق کی حالت میں ہوئی۔

حضرت مُلّا خواجہ بہاری کہتے ہیں، سفرِ آخرت سے پہلے میاں نتھّا قدرے بیمار تھے اور حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کے حجرے کے ایوان میں چارپائی پر بیٹھے مشاہدہ حق میں مستغرق تھے۔ کچھ وقت اسی عالم میں گزر گیا۔ حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے فرمایا، دیکھو نتھّا زندہ بھی ہے یا نہیں! میں ان کے قریب گیا اور ہاتھ پکڑ کر ملایا لیکن وہ رحمتِ ایزدی سے جا ملے تھے۔ حضرت نے اپنے احباب کو کہا کہ ان کی تجہیز و تکفین کا سامان کریں۔

شیخ عبدالغنی کہتے ہیں: مجھے حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے پاس ٹھہرے رہو۔ میں نے گھڑی بھر کے بعد دیکھا تو حضرت کی آنکھیں پُرنم تھیں۔ آپ فرمانے لگے، ہمارے گھر کے درویش نتھّا کو لے گئے۔ پھر بہت پریشانی کی حالت میں فرمایا: "نتھا! نتھا!" آخری نتھا سے "نہ تھا" مراد تھا۔ میاں نتھّا فوت ہوئے تو حضرت نے فرمایا: "جب ہمارا آخری وقت آئے تو جہاں نتھّا آسودۂ خاک ہے، ہمیں وہیں دفن کرنا۔" چنانچہ آپ کا مزارِ مبارک اور میاں نتھّا کی قبر قریب ہیں۔

میاں نتھّا اہلِ کشف و حال، صاحبِ مقاماتِ عالیہ، اور ترک و تجرید میں یگانہ تھے ان سے بہت سی کرامتیں ظہور میں آئیں۔ ان کی بعض کرامتوں کا ذکر خود حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زبانِ مبارک سے فرمایا تھا۔ چنانچہ مُلّا سعید خاں کا بیان ہے کہ حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک درویش جون پور سے آیا اور میاں نتھّا کے پاس گیا۔ انھوں نے پوچھا تو کون ہے، اور کس لیے یہاں آنا ہوا؟ اس نے عرض کی، میں جون پور سے آیا ہوں۔ آپ کو دیکھنے کی بڑی آرزو تھی۔ میاں نتھّا بولے: "دیکھ لیا۔ اب جاؤ۔" درویش نے کہا، میں کچھ آپ کا حال جاننے کے لیے حاضر ہوا ہوں آپ نے کہا: "میرا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالمِ ملکوت

عالمِ جبرُوت اور عالمِ لاہُوت کی چابیاں میرے ہاتھ میں دے دی ہیں، اور جب چاہوں دروازہ کھول کر عالمِ ملکُوت میں داخل ہو جاؤں، اور جو چاہوں تو وہاں سے دروازہ کھول کر عالمِ جبرُوت اور عالمِ لاہُوت میں چلا جاؤں اور اگر چاہُوں تو عالمِ ملکُوت میں داخل نہ ہوتے ہوئے بھی عالمِ لاہوت اور عالمِ جبرُوت میں پہنچ جاؤں۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان سے جن، جمادات اور نباتات ہم کلام ہوتے تھے۔ چنانچہ میاں ننھّا خود کہتے تھے کہ عابد جنوں میں سے ایک جن ہے جو حضرت غوث الثقلینؒ کے زمانے میں ان کی خدمت کیا کرتا تھا، اس وقت سے وہ جہاں بیٹھا ہے، وہاں سے حرکت نہیں کی۔ اِس کے پاس بہت بڑا خزانہ ہے۔ اس نے مجھے ایک دن کہا تھا: "میاں ننھّا! جو تو چاہتا ہے، اس خزانے سے لے لے۔" میں نے کہا، یہ میرے کس کام کا ہے؛ میں نے کچھ بھی لینا قبول نہ کیا اور وہاں سے اپنی راہ لی۔ اسی اثنا میں ایک پودے کی آواز سنائی دی "بات سنو!" میں جب اس کے قریب گیا تو اس نے کہا کہ تم نے جن کی بات پر توجہ نہیں کی۔ اچھا تو مجھے ساتھ لے جاؤ۔ مجھے قلعی میں ڈال دوگے تو چاندی بن جائے گی۔ میں اس کی طرف متوجہ نہ ہُوا اور وہاں سے آگے بڑھا۔ پھر ایک درخت کی آواز سنائی دی: "میری بات خدا کے لیے سنو"، میں نے کان لگایا تو اسے یہ کہتے ہُوئے سُنا، "اگر مجھے جلا کر تانبے میں ڈال دوگے تو سونا بن جائے گا۔" اس کی بات کو بھی میں نے درخورِ توجہ نہ سمجھا اور وہاں سے چل پڑا۔

اس گروہ کے اکثر لوگوں پر اوائلِ حال میں، جب عالمِ ملکُوت کھلتا اور ظاہر ہوتا ہے تو اس قسم کے اُمور انہیں پیش آتے ہیں۔ چنانچہ بعض اشیا اور درخت ان سے ہم کلام ہوتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ہم میں فلاں فلاں خاصیت ہے۔ کبھی اچھی اچھی صورتیں سامنے آجاتی ہیں کبھی لوگوں کی پیشانی کے خطوں سے ان کی سعادت یا بدبختی نظر آنے لگتی ہے،

وغیرہ وغیرہ لیکن جن کی قسمت میں ترقی، کمال اور درجاتِ عالی ہوتے ہیں، انھیں اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ایسی چیزوں کی طرف، جو محض آزمائش کے لیے ہوتی ہیں، توجہ کرنے سے محفوظ رکھتا ہے کہ وہ انہیں کی طرف متوجہ ہو کر نہ رہ جائیں نیز وہ جان لیں کہ یہ چیزیں بمنزلہ آفات ہیں اور حق تعالےٰ سے دُور رکھنے والی ہیں تاکہ وہ حقیقی مقصد و مراد کو پہنچ سکیں اور غیر کی طرف دھیان نہ دیں۔ اس گروہ کے لوگوں کو اس قسم کی باتیں اکثر پیش آتی ہیں لیکن وہ انھیں درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ[۱] (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے) لیکن بعض ایسے بھی ہیں جو جلد ہی بھٹک جاتے ہیں اور ایسی چیزوں میں مشغول ہو کر کیمیا گر بن جاتے ہیں اور عجیب عجیب چیزیں حاصل کر لیتے ہیں لیکن آسانی سے حاصل کی ہوئی دولت کی وجہ سے وہ مقصودِ حقیقی سے محروم رہ جاتے ہیں اور پھر انھیں اپنے اصل حال پر لوٹا دیا جاتا ہے چونکہ وہ در اصل طالبِ ذات نہیں ہوتے، اس لیے جس راستے سے آئے تھے، انھیں اس راستے پر واپس بھیج دیا جاتا ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ التَّوَجُّهِ اِلَى الْغَيْرِ فَاِنَّ التَّوَجُّهَ اِلَى الْغَيْرِ شِرْكٌ وَّ
كُفْرٌ عِنْدَ اَرْبَابِ الْقُلُوْبِ"

(میں غیر کی طرف توجہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کیونکہ غیر کی طرف توجہ
کرنا شرک ہے اور اہلِ دل کے نزدیک کفر)

ایک دن یہ فقیر (دارا شکوہ) ایک شخص کو اپنے مُرشد مُلّا شاہ بدخشیؒ کی خدمت میں لے گیا اور عرض کی "یہ چاہتا ہے کہ آپ کے خادموں میں شامل ہو کر ذکر میں مشغول ہو جائے" انھوں نے فرمایا "یہ شخص حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا تھا۔ انھوں نے اس کو قبول نہیں کیا، ہم اسے کیسے قبول کر لیں!" میں نے عرض کی یہ بہت دور سے آیا

---

[۱] قرآن کریم: اَلْجُمُعَة ۶۲، ۴

عالمِ جبرُوت اور عالمِ لاہُوت کی چابیاں میرے ہاتھ میں دے دی ہیں، اور جب چاہوں دروازہ کھول کر عالمِ ملکُوت میں داخل ہو جاؤں، اور جو چاہوں تو وہاں سے دروازہ کھول کر عالمِ جبرُوت اور عالمِ لاہُوت میں چلا جاؤں اور اگر چاہُوں تو عالمِ ملکُوت میں داخل نہ ہوتے ہوئے بھی عالمِ لاہُوت اور عالمِ جبرُوت میں پہنچ جاؤں۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان سے جن، جمادات اور نباتات ہم کلام ہوتے تھے۔ چنانچہ میاں ننھّا خود کہتے تھے کہ عابد جنوں میں سے ایک جن ہے، جو حضرت غوث الثقلینؓ کے زمانے میں ان کی خدمت کیا کرتا تھا، اس وقت سے وہ جہاں بیٹھا ہے، وہاں سے حرکت نہیں کی۔ اِس کے پاس بہت بڑا خزانہ ہے۔ اس نے مجھے ایک دن کہا تھا: "میاں ننھّا! جو تو چاہتا ہے، اس خزانے سے لے لے"۔ میں نے کہا، یہ میرے کس کام کا ہے؛ میں نے کچھ بھی لینا قبول نہ کیا اور وہاں سے اپنی راہ لی۔ اسی اثنا میں ایک پودے کی آواز سنائی دی "بات سنو!" میں جب اس کے قریب گیا تو اس نے کہا کہ تم نے جن کی بات پر توجہ نہیں کی۔ اچھا تو مجھے ساتھ لے جاؤ۔ مجھے قلعی میں ڈال دوگے تو چاندی بن جائے گی۔ میں اس کی طرف متوجہ نہ ہُوا اور وہاں سے آگے بڑھا۔ پھر ایک درخت کی آواز سنائی دی: "مُیری بات خدا کے لیے سنو!" میں نے کان لگایا تو اسے یہ کہتے ہُوئے سُنا، "اگر مجھے جلا کر تانبے میں ڈال دوگے تو سونا بن جائے گا"۔ اس کی بات کو بھی مَیں نے درخُورِ توجہ نہ سمجھا اور وہاں سے چل پڑا۔

اس گروہ کے اکثر لوگوں پر اوائلِ حال میں، جب عالمِ ملکُوت کھلتا اور ظاہر ہوتا ہے تو اس قسم کے اُمور انھیں پیش آتے ہیں۔ چنانچہ بعض اشیا اور درخت ان سے ہم کلام ہوتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ہم میں فلاں فلاں خاصیّت ہے۔ کبھی اچھی اچھی صورتیں سامنے آجاتی ہیں، کبھی لوگوں کی پیشانی کے خطوں سے ان کی سعادت یا بدبختی نظر آنے لگتی ہے،

وغیرہ وغیرہ لیکن جن کی قسمت میں ترقی، کمال اور درجاتِ عالی ہوتے ہیں، انھیں اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ایسی چیزوں کی طرف، جو محض آزمائش کے لیے ہوتی ہیں، توجہ کرنے سے محفوظ رکھتا ہے کہ وہ انہیں کی طرف متوجہ ہو کر نہ رہ جائیں نیز وہ جان لیں کہ یہ چیزیں بمنزلۂ آفات ہیں اور حق تعالےٰ سے دُور رکھنے والی ہیں تاکہ وہ حقیقی مقصد و مراد کو پہنچ سکیں اور غیر کی طرف دھیان نہ دیں۔ اس گروہ کے لوگوں کو اس قسم کی باتیں اکثر پیش آتی ہیں لیکن وہ انھیں درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے) لیکن بعض ایسے بھی ہیں جو جلد ہی بھٹک جاتے ہیں اور ایسی چیزوں میں مشغول ہو کر کیمیا گر بن جاتے ہیں اور عجیب عجیب چیزیں حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن آسانی سے حاصل کی ہوئی دولت کی وجہ سے وہ مقصودِ حقیقی سے محروم رہ جاتے ہیں اور پھر انھیں اپنے اصل حال پر لوٹا دیا جاتا ہے چونکہ وہ در اصل طالبِ ذات نہیں ہوتے، اس لیے جس راستے سے آئے تھے، انھیں اس راستے پر واپس بھیج دیا جاتا ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ التَّوَجُّهِ اِلَى الْغَيْرِ فَاِنَّ التَّوَجُّهَ اِلَى الْغَيْرِ شِرْكٌ وَّ
كُفْرٌ عِنْدَ اَرْبَابِ الْقُلُوْبِ"

(میں غیر کی طرف توجہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کیونکہ غیر کی طرف توجہ
کرنا شرک ہے اور اہلِ دل کے نزدیک کفر)

ایک دن یہ فقیر (دارا شکوہ) ایک شخص کو اپنے مُرشد مُلّا شاہ بدخشیؒ کی خدمت میں لے گیا اور عرض کی: "یہ چاہتا ہے کہ آپ کے خادموں میں شامل ہو کر ذکر میں مشغول ہو جائے" انھوں نے فرمایا: "یہ شخص حضرت میاں جیو رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا تھا۔ انھوں نے اس کو قبول نہیں کیا، ہم اسے کیسے قبول کر لیں!" میں نے عرض کی یہ بہت دور سے آیا

لہ قرآن کریم: اَلْجُمُعَۃ ۶۲، ۴

ہے اور مجھے اپنا وسیلہ بنایا ہے۔ میری خاطر اسے اپنی خدمت کے لیے قبول کیجیے۔ فرمایا بہت اچھا! ہم اسے قبول کر لیتے ہیں چنانچہ اسے آپ نے ذکرِ حق میں مشغول کر دیا۔ چند دن بعد میری اس سے ملاقات ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ بہت خوش ہے اور کچھ تمکنت بھی اس میں آ گئی ہے۔ میں نے پوچھا کہو کیا حال ہے؟ ۔ وہ بولا: "مجھ میں اب اتنی اہلیت پیدا ہو گئی ہے کہ تمام لوگوں کی پیشانیوں پر جو سعادت یا بدبختی لکھی گئی ہے، اسے معلوم کر لوں"۔ میں نے کہا: "خبردار! ہزار بار خبردار! اس اہلیت پر خوش نہ ہونا اور غرور نہ کر بیٹھنا، اسے پوشیدہ رکھنا، کہیں مقصودِ حقیقی سے دور نہ جا پڑو۔ ایسی بات کی کچھ بھی اہمیت نہیں۔ اس گروہ کے پیشِ نظر اور بھی کام ہیں، جو تمہیں کرنے ہیں۔ ایسی تو بہت سی باتیں نظر آئیں گی، ان کی طرف متوجہ نہ ہونا۔ صوفی کو ان سے کیا سروکار؛ صوفی کو ہستی اور فنا در کار ہے۔ اس کی توجہ کرامت کی طرف نہیں ہوتی کیونکہ وہ تو خود ایک کرامت ہے۔ اس کے نزدیک ایسی چیزیں بمنزلۂ آفات ہیں بحقیقت ان سے بہت بالا ہے۔ کرامتیں عارفوں اور ابدالوں کو زیب دیتی ہیں"۔

بیان کیا گیا ہے کہ میاں نتھا ایک دن گنبد میں بیٹھے تھے۔ آپ نے گنبد سے باہر آنا چاہا کہ اسی اثنا میں ایک آواز سنائی دی، یہاں سے باہر نہ نکلنا۔ یہ آواز سن کر آپ متحیر ہوئے تھوڑی دیر بعد پھر باہر جانے کا خیال آیا تو وہی آواز پھر آئی۔ پوچھا کون ہے؟ جواب ملا "میں گنبد ہوں ۔ یہاں سے باہر نہ نکلنا کہ باد و باراں کا سخت طوفان آنے والا ہے جس سے تمہیں ضرر پہنچے گا"۔ گھڑی بھر نہ گزری تھی کہ باد و باراں شروع ہو گئی جو مسلسل دو روز تک جاری رہی۔

میاں نتھا کے متعلق اس قسم کی بہت سی باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ان کی کرامتیں اتنی ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا لیکن چند خارقِ عادت باتیں جو بزرگوں اور بعض معتبر لوگوں سے سنی ہیں درجِ ذیل ہیں:

ایک دن کا ذکر ہے کہ گلی میں جو ہامرا پڑا تھا۔ اس میں سے سڑاند آتی تھی۔ میاں نتھا

نے کہا، اے مردار! اُٹھ اور جا۔ چوہا اسی وقت اٹھا اور چل پڑا۔ حضرت میاں جیوُ رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کو یہ بات ناگوار گزری اور میاں نتھا کو اس قسم کی باتوں سے منع فرمایا۔ منع کرنے کا سبب یہ تھا کہ کہیں اس واقعہ کی شہرت نہ ہو جائے اور آفت کا سبب نہ بنے۔

مُلّا سعید خاں سے روایت ہے: "حضرت میاں جیوُ رَحمۃُ اللہ عَلَیہ نے فرمایا کہ میری آنکھ کی پلکوں میں پھنسی نکل آئی اور بڑی ہوتی گئی۔ جرّاح سے میں نے علاج پوچھا۔ اس نے کہا، یہ غلبۂ خون کی وجہ سے ہے، اس پر نشتر ماری جائے تو چند قطرے خون کے نکل جائیں گے اور پھنسی جاتی رہے گی۔ تکلیف بہت تھی، نشتر مارنے پر میں رضامند ہو گیا۔ اسی سوچ میں بیٹھا تھا کہ میاں نتھّا آیا اور مزاج پرسی کی۔ میں نے حقیقتِ حال بیان کی۔ میاں نتھّا نے کہا اس کا علاج میں اپنے دامن سے کرونگا۔ چنانچہ مراقبے میں بیٹھ گیا۔ گھڑی بھر کے بعد سر اوپر اُٹھایا اور کہا اُس کا علاج کھیرے کے بیج ہیں۔ انھیں گھس کر ملنے سے آرام ہو جائے گا۔ کھیرے کے بیج منگوائے گئے، انھیں پیس کر ملا تو پھنسی کا نشان تک نہ رہا۔"

راوی کا کہنا ہے کہ میں نے حضرت میاں جیوُ رَحمۃُ اللہ عَلَیہ سے دریافت کیا، کہ میاں نتھّا کو طبابت کا بھی کچھ علم ہے۔ فرمایا "نہیں"! میں نے کہا، یہ علاج انھیں کیونکر معلوم ہُوا؟ حضرت نے فرمایا: "اُس نے مراقبہ کیا تھا۔ اسی حالت میں اس نے عالمِ ملکوت میں دیکھا یا کسی سے پوچھ کر یہ علاج تجویز کیا۔ اہلِ دل عالمِ ملکُوت میں جو کچھ دیکھتے ہیں یا سنتے ہیں، وہ درست ہوتا ہے۔" میں نے عرض کی: "میاں نتھّا تو آپ کے خادم، مرید اور طالب ہیں۔ انھیں یہ حقیقت کیسے معلوم ہو گئی اور حضرت پر کیوں ظاہر نہ ہوئی"۔ فرمایا: "ہر شخص اس مقام پر نہیں پہنچ سکتا۔"

یہ جو حضرت نے فرمایا کہ ہر شخص اس مقام پر نہیں پہنچ سکتا، یہ ان کے کمالِ خُلق و انکسار اور اپنا حال چھپانے کی غرض سے تھا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اولیاء کا مقام تو مقامِ لاہُوت ہوتا ہے

اور ذاتِ حق میں فنا ہو کر انھیں دائمی بقا حاصل ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ اللہ کے حضور میں رہتے ہیں عالمِ جبروت کی طرف توجہ کرنا اور اس کی طرف لوٹنا ان کا تنزّل ہے۔ جو شخص ترقی کی منزل میں ہوتا ہے، وہ تنزّل میں لحظہ بھر کے لیے راضی نہیں ہوتا، نہ ایسی چیزوں کی طرف توجہ کرتا ہے۔ لہٰذا حضرت میاں جیو رَحمۃُ اللہ عَلَیہ، عالمِ ملکوت کی طرف، جس میں ایسی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں، کبھی توجہ نہیں فرماتے تھے۔

مُلّا سعید نے یہ بھی بیان کیا کہ ایک دن میں حضرت میاں جیو رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ میاں نتھا آئے۔ حضرت نے ان سے پُوچھا کہ ان دنوں کس طرف جا کر مشغولِ حق ہوتے ہو؟ عرض کی اچھرہ کے گرد و نواح میں ایک جنگل ہے، جہاں لوگوں کی آمد و رفت کم ہوتی ہے۔ پہلے میں وہاں ایک کھیت کے کنارے اور کھجور کے سائے تلے مشغول ہوتا تھا لیکن اس ہفتے وہاں کچھ مزاحمت ہوئی حضرت نے پوچھا: مزاحمت کرنے والے کون اور کیا تھے؟ میاں نتھا نے کہا کہ جنگل کے درخت بلند آواز میں سُبحَانَ اللہِ وَالحَمدُ لِلّٰہ کا ورد کرنے میں مشغول تھے۔ اِس ورد کی آواز اتنی بلند تھی کہ اس سے میرے اطمینان اور مشغولیت میں خلل آتا تھا اور بے شعوری کی سی کیفیت پیدا ہوتی تھی، اس لیے وہ جگہ چھوڑ کر اب خلیفہ جنید کے محلّے والے مزار پر مشغولِ ذکر رہتا ہوں۔ اب میرے اطمینان میں کسی قسم کا خلل نہیں پڑتا۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ دیکھو! اس تیلی کے بیٹے کا کام کہاں تک جا پہنچا ہے اور کیسی اُونچی باتیں کرتا ہے!

مُلّا محمد سیالکوٹی نے، جو بیس سال حضرت میاں جیو رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کی خدمت میں رہے یہاں تک کہ ان کی خلوت میں بھی آتے جاتے تھے۔ حضرت کے طریقے میں مشغولِ ذکر رہتے تھے اور اب بقیدِ حیات ہیں، بیان کیا کہ ایک دن میں حضرت کی خدمت کی غرض سے حُجرے کے باہر سایۂ دیوار میں بیٹھا تھا۔ میاں نتھا اور دو تین فرد اور بھی وہاں موجود تھے۔ سب حضرت کی صحبت سے فیض یاب ہو رہے تھے اور محظوظ و مسرُور تھے۔ اچانک بادل نمودار ہوئے۔ بجلی کڑکی تیز ہوا چلی

بارش شروع ہوگئی اور لوگوں کے منتشر ہونے کا موجب بنی۔ حضرت نے فرمایا: "ناچار یہاں سے اٹھنا ہی چاہیے"۔ میاں نتھّا بولے: "اگر فرمائیں تو یہ بادل، ہوا، بجلی کی کڑک اور بارش جاتی رہے تاکہ ہوا صاف ہو جائے اور یہاں سے اُٹھنا نہ پڑے"۔ یہ سُن کر حضرت کی طبیعت برہم ہوئی۔ میاں نتھّا کو تنبیہہ کی اور کہا تیلی کے بچّے کا کام اب یہاں تک پہنچا ہے کہ کرامت ظاہر کرکے خود نمائی کرنا چاہتا ہے۔ میاں نتھّا، حضرت کی اس عنایت کی وجہ سے، جو ان کے حال پر تھی، کچھ ترش رُو ہوئے اور بیباکانہ سا جواب دیا۔ حضرت نے ازراہِ مہربانی نیز تربیت کی غرض سے فرمایا: "ہم اگر یہاں سے اُٹھ کر حجرے میں چلے جائیں تو اس میں کیا قباحت ہوگی اور جمعیّت میں کیا فرق آئے گا؟ کیا تو نے یہ نہیں سنا ہے کہ "فِعْلُ الْمَحْمُوْدِ مَحْمُوْدٌ"؛ یعنی محمود کا فعل بھی محمود ہوتا ہے؛ خبردار! اس قسم کے افعال، اعمال اور اقوال سے پرہیز کرنا اور کارخانۂ حق تعالیٰ میں دخل نہ دینا اور اس کی رضا پر راضی رہنا۔

میاں نتھّا اَن پڑھ تھے۔ ان کے متعلق میں نے حضرت شیخ ملّا شاہ سَلَّمَہُ اللہُ تَعَالیٰ وَاَبْقَاہُ سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ وہ محبوبِ خدا تھے۔

میاں نتھّا کی وفات ۱۰۲۷ھ بروز پنجشنبہ کو ہوئی۔ ان کی قبر حضرت میاں جیوؒ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے روضے کے قریب ہے۔

حاجی مُصطفٰے سرہندی

ایک اور صاحب تقویٰ و زُہد، خواہشاتِ نفس سے پاک، حاجی مصطفٰے تھے۔ سرہند کے رہنے والے اور ذات کے کلال تھے۔ یہ اہلِ حال اور صاحبِ مقاماتِ عالیہ تھے۔ حضرت میاں جیوُ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کے خاص مُریدوں میں سے تھے۔ ان پر کیفیت اور محویت اکثر طاری رہتی تھی۔ چنانچہ ایک دن نمازِ باجماعت پڑھا رہے تھے کہ رکوع کے وقت ان پر از خود رفتگی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ مُقتدیوں نے جب دیکھا کہ ان کی حالت متغیر ہے تو نماز پڑھ کر چل دیے اور وہ اسی طرح ابھی رکوع میں تھے۔

آپ نے حضرت میاں جیوُ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کی زندگی میں ۱۰۳۹ھ ۱۴ ماہ صفر، بروز چہارشنبہ وفات پائی۔ آپ کی قبر حضرت کے روضے کے قریب اور میاں نتھا کی قبر سے متصل ہے۔

مُلاّ حامدِ گُجر

ایک اور راہِ حق کے فانی، خدائے مطلق کے جویا، صاحبِ نصیبِ وافر، مُلاّ حامد گُجر حضرت میاں جیوؒ رحمۃُ اللہ علیہ کے خاص مُریدوں میں سے تھے اور آخری شخص جو حضرت کی خدمت میں آیا، میاں محمد مراد تھا۔ میاں محمد مراد سے چند روز پہلے ملاّ حامد مشغول ہُوئے تھے۔ علومِ ظاہری میں علمائے وقت میں ممتاز اور شہر کے معلّمین میں سے تھے۔ شروع میں حضرت میاں جیوؒ رحمۃُ اللہ علیہ کے طریقے سے مُنکر تھے اور دنیا سے گہری وابستگی رکھتے تھے۔ آخر جب حضرت کی خدمتِ باسعادت میں آئے اور آپ کے دامنِ ارادت کو تھاما تو انھیں انتہائی تجرید، کمال کا اخلاص اور کامل اعتقاد حاصل ہُوا۔ چنانچہ درس کا کام چھوڑا اور اہل وعیال سے بے نیاز ہو کر حضرت میاں جیوؒ رحمۃُ اللہ علیہ کی خدمت میں ہر روز حاضری دینے لگے۔ اپنا چہرہ حضرت کے پائے مبارک سے گِھستے اور پھر رخصت ہو کر مشغولِ ذکر ہو جاتے۔ حضرت کی توجہ سے تھوڑی ہی مدت میں باطنی استعداد کے مطابق عالمِ ملکوت ان پر ظاہر ہو گیا۔ حضرت ان پر بڑی عنایت فرماتے رہے۔ مرید ہونے کے بعد سات ماہ تک بقیدِ حیات رہے۔ حضرت میاں جیوؒ رحمۃُ اللہ علیہ کی وفات کے پانچ ماہ اور اُنیس دن پہلے ۱۷ ماہِ رمضان المبارک ۱۰۴۴ھ کو سفرِ آخرت اختیار کیا۔ جب وہ رحمتِ حق سے پیوست ہُوئے تو جو شخص حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا، اسے فرماتے کہ جاؤ مُلاّ حامد کی قبر پر فاتحہ پڑھو کہ وہ مردانہ وار یہاں سے گیا ہے۔ اب اکثر لوگ فاتحہ پڑھنے کے لیے ان کی قبر پر جاتے ہیں۔

حضرت میاں جیوؒ رحمۃُ اللہ علیہ کے اکثر اصحاب شروع میں علمِ ظاہر کے ماہر تھے اور حضرت سے منکر لیکن آخر انھوں نے حضرت ہی کی برکت سے علمِ باطن حاصل کیا۔

مُلّا رُوحی

ایک اور دُنیائے طلب کے سیاح، ادب کی مملکت کے والی، مُلّا روحی تھے۔ آپ کا نام نامی ابراہیم ہے۔ علومِ ظاہری میں آپ کو کامل دسترس تھی۔ خلوص و عقیدت کے ساتھ حضرت میاں جیو رَحمَۃُ اللہِ عَلَیہ کا دامنِ مبارک دستِ ارادت سے تھاما اور مرید ہو گئے۔ اور حضرت کے طریقے کے مطابق ذکر میں مشغول ہو کر ریاضت اور مجاہدہ کرنے لگے۔ آخر اہلِ کشف و کرامت اور صاحبِ مقاماتِ عالیہ ہو گئے۔ ان سے بعض عجیب باتیں ظہور میں آئیں۔ میوات، ہرات اور نارنول کے اکثر لوگ آپ سے فیض یاب ہو کر صاحبِ مقامات ہوئے اور متعدد خارقِ عادات باتیں ان سے ظہور میں آئیں۔ ان میں سے سفر الدین اور نتھا پراچہ بھی ہیں۔ باوجودیکہ یہ دونوں مُلّا رُوحی کی توجّہ کے اثر سے کمال کو پہنچے لیکن دنیا میں خود اپنے آپ کو پوشیدہ رکھّا اور اپنا حال چھپانے کے لیے تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔ اُنھوں نے بیان کیا کہ شروع میں جب وہ مُلّا رُوحی کی خدمت میں آئے تو اُن کے پاس کچھ گھوڑے تھے لیکن ان کا کوئی خریدار نہ تھا۔ انھیں چارہ بہم پہنچانا بھی ان کے لیے مشکل ہو گیا۔ ملّا رُوحی کی خدمت میں عرض کی تو انھوں نے فرمایا کہ گھوڑوں کے کانوں میں کہو:

"لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ"[۱]

کوئی اللہ نہیں سوائے آپ کے۔ آپ پاک ہیں بیشک میں ظالموں میں ہوں۔

مولانا نے جو فرمایا تھا، اس کے مطابق ہم نے عمل کیا۔ صبح ہوئی تو ان کے بہت

---

[۱] قرآن کریم: ۱۷/ اَلْاَنْبِیَاء، ۸۷

سے خریدار آگئے اور دس بیس گنا قیمت ادا کر کے لے گئے۔

مُلّا رُوحی نے حضرت میاں جیوؒ رَحْمَۃُ اللہ علیہ کی زندگی میں ۱۰۲۵ھ میں وفات پائی۔ ان کی قبر حاجی سلیمان کی قبر سے مُتّصل ہے۔

قرآنِ کریم کی مذکورہ بالا آیت مجرّب تسبیح ہے، جو شخص اپنی مراد کے لیے حروف کے اعداد کے مطابق، جو حسابِ جمل کی رُو سے دو ہزار تین سو چوہتّر ہوتے ہیں، ہر روز پڑھے تو ہفتے سے پہلے مراد بر آتی ہے۔ اِنْشَاءَ اللہ تَعَالیٰ۔

مُلّا خواجہ کلاں

ایک اور بزرگِ باتمکین، راہِ یقین کے سالک، حضرت سُبحانہٗ کے طالب، مُلّا خواجہ کلاں ہیں جو صاحبِ کرامت اور نمایاں مقامات پر فائز تھے۔ لاہور کے گرد و نواح کے رہنے والے اور حضرت میاں جیوؒ رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کے صاحبِ کمال مُرید تھے۔ جب حضرت سے اُن کی ارادت پُختہ ہو گئی تو تھوڑی مُدّت میں ہی درجۂ کمال کو پہنچ گئے۔ ان سے متعدد خوارقِ عادت باتیں ظہور میں آئیں، چنانچہ لاہور میں طاعون کی وبا پھیلنے سے ایک سال پہلے فرمایا تھا کہ کچھ عرصے بعد بہت بڑی وبا پھیلے گی اور جو شخص کلمۂ طیبہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ" ستّر بار پڑھے گا، اہل و عیال سمیت محفوظ رہے گا اور جو نہ پڑھے گا وُبا کا شکار ہو جائے گا۔ چنانچہ جیسا آپ نے فرمایا، ویسا ہی ہُوا۔ جنھوں نے وبا میں کلمۂ طیبہ کا ورد کیا، وہ اہل و عیال اور متعلقین سمیت محفوظ رہے۔

آپ کو کشفِ قبور بھی حاصل تھا۔ مُلّا سعید خاں نے حضرت میاں جیو رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کی زبانِ الہام بیان سے یہ کہا کہ حضرت نے یہ فرمایا: "جب چلنے پھرنے کی قوّت کم ہو گئی تو شغل کی غرض سے میں جنگل میں نہیں جا سکتا تھا اور محلّہ مزنگاں سے مُتّصل جو قبرستان ہے، وہاں جانا اور ایک قبر کے سرہانے مشغولِ ذکر ہو جاتا۔ مُلّا خواجہ کلاں اور کچھ دوسرے اصحاب بھی اسی نواح میں بیٹھ کر مشغُولِ ذکر ہوتے۔ نماز کا وقت آتا تو سب جمع ہو کر نماز باجماعت ادا کرتے ایک دن مُلّا خواجہ نے نماز کے بعد کہا: "میاں جیوؒ! جو شخص اس قبر میں ہے، وہ کہتا ہے کہ میں سترہ سال کی عمر میں فوت ہُوا اور اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے اب میں عذاب میں مبتلا ہُوں۔ آپ جیسے برگزیدہ انسان میری قبر کے پاس آتے ہیں، تو تعجّب ہو گا کہ اب بھی مجھے عذاب

سے رہائی نہ ملے"۔ حضرت نے فرمایا: "قبر والے سے پُوچھ، تیرا عذاب کس چیز سے رفع ہو سکتا ہے؟" ملاّ خواجہ نے توجہ کرتے ہُوئے کہا کہ یہ مُردہ کہتا ہے، اگر ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھ کر اس کا ثواب مجھے بخشا جائے تو عذاب رفع ہو جائے گا۔ میں نے ایسا ہی کیا اور اصحاب کے ساتھ مل کر ستّر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھا اور صاحب قبر کی رُوح کو بخشا۔ حضرت نے مُلاّ خواجہ کو فرمایا: "اب پوچھ!" جب مُلاّ خواجہ نے پھر توجہ کی تو کہا: "وہ مردہ کہتا ہے کہ حق تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی برکت اور آپ کے مبارک انفاس کی بدولت مجھے اس عذاب سے رہائی عطا کی ہے"۔

شیخ ابوالربیع مالقی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے بیان کیا کہ یہی مضمون ایک حدیث میں آیا ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ایک ہزار مرتبہ پڑھنے سے پڑھنے والے کی نجات ہوتی ہے یا اس کو نجات حاصل ہوتی ہے، جس کی نیت سے یہ ورد کیا گیا ہو۔ میں نے یہ ورد ستّر ہزار مرتبہ کیا تھا لیکن کسی کی نیت سے نہیں۔ ایک دن میں کچھ لوگوں کے ساتھ کھانے کے دسترخوان پر بیٹھا تھا۔ ان میں سے ایک بچہ بھی تھا جو صاحبِ کشف تھا۔ کھانے کے لیے اس نے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو کہنے لگا: مجھے اس لیے رونا آیا ہے کہ مجھے دوزخ نظر آ رہا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ میری ماں عذاب میں مبتلا ہے۔ شیخ ابوربیع کہتے ہیں: "میں نے دل ہی دل میں کہا "خداوندا! تو جانتا ہے کہ میں نے ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ کا ورد کیا ہے، وہ میں اس بچے کی ماں کو بخشتا ہُوں، کہ دوزخ کی آگ سے اسے رہائی ہو" اور یہ بھی کہا: "جب میں نے دل میں یہ نیت کی تو بچے نے مسکرا کر خوشی کا اظہار کیا اور کہنے لگا: "میں اپنی ماں کو دیکھ رہا ہوں کہ دوزخ کی آگ سے اسے نجات حاصل ہو گئی ہے"۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" پھر وہ کھانا کھانے میں مشغول ہو گیا۔ حضرت میاں جیو رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی اس صحبت کے بعد مُلاّ خواجہ کلاں کچھ عرصہ بقیدِ حیات رہے۔ ان کی وفات حضرت میاں جیو کی زندگی میں ہی ہوئی۔

صالح کشمیری

ایک اور باوفا رسالک، اسرارِ الٰہی سے آگاہ، روشن ضمیری کی صفت سے مُتّصف
حاجی صالح کشمیری، کشمیر کے رہنے والے تھے اور حضرت میاں جیوؒ رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ کے کامل اور
محبوب مُریدوں میں سے تھے۔ متعدد ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد درجۂ کمال کو پہنچے۔ اِس منزل
کے حاصل ہونے سے پہلے بھی حاجی صاحب تقویٰ تھے۔ ان کی تربیّت کا ذکر حضرت نے میرے مُرشد
مولانا شاہ سَلَّمَہُ اللہُ تعالیٰ وَ اَبْقَاہُ سے کیا تھا۔ ان کی تکمیل میرے مُرشد کے ذریعے ہوئی۔ ان
کی زبانِ مبارک سے میں نے حاجی صالح کی بہت تعریف سُنی۔ فرماتے تھے کہ حاجی ہمارے رفیق
ہیں ہمارے پاس اکثر کشمیر سے چل کر آتے ہیں۔ ان سے متعدد خوارقِ عادت باتیں ظہور میں
آئیں۔ حضرت میاں جیوؒ رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ ان پر بہت عنایت و توجہ فرماتے تھے۔ شروع میں
جب حاجی، حضرت میاں جیوؒ کی خدمت میں آئے تو ان کی عمر پچاس سال سے زائد تھی انھوں
نے ایک مرتبہ حضرت کو فرماتے ہُوئے سنا تھا کہ جس کو جسمانی خواہش زیادہ ہو، عشق و عرفان بھی
اسے زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ اس وقت سے وہ اکثر طبیبوں اور دوسرے لوگوں کے پاس جاتے
اور جسمانی خواہش کو بڑھانے کی دوا کے طالب ہوتے، یہاں تک کہ حق سُبْحَانَہٗ وَ تَعَالیٰ نے اس
طلب کی برکت سے انھیں کمالِ عرفان عنایت کیا "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" (جیسی نیّت ویسا
عمل)، اگرچہ عرفان کی کوئی حد نہیں کہ اسے کمال کہا جا سکے لیکن پھر بھی کمال کی پہچان آگاہی اور
مراتب کی بلندی ہے۔

حضرت میاں جیوؒ رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ کی رحلت کے چند روز بعد حاجی نے خواب

میں دیکھا کہ حضرت ایک پُر نور شہر اور شاداب باغ میں سیر کر رہے ہیں۔ حاجی نے پوچھا: "حضرت میاں جیوؒ! یہ کون سا مقام ہے؟" حضرت نے فرمایا: "بہشت! جس کا ذکر تم نے سنا ہے یہی ہے۔" نیز فرمایا: "تم دنیا میں کیا کر رہے ہو؛ جہاں ہم ہیں، وہاں کی آب و ہوا بہت خوشگوار ہے۔" حاجی نے جواب میں کہا: "یہ میرے بس کی بات نہیں لیکن میرے نزدیک کوئی بزرگی اور سعادت حضرت کی خدمت سے بڑھ کر نہیں۔ انھوں نے فرمایا: "جلد ہی تم میرے پاس آجاؤ گے۔"

یہ خواب میں نے اپنے ساتھیوں کو سنایا۔ حضرت میاں جیو رَحمَۃُ اللہ عَلَیہ کی وفات کو چالیس روز ہی ہوئے تھے کہ ۱۰۴۵ھ ماہ جمادی الاوّل میں یہ رحمتِ حق سے جا ملے۔ ان کی قبر گنبد کے باہر حضرت کے پائے مبارک کے بائیں جانب ہے۔

مُلّا عبد الغفور

ایک اور والیِ مُلکِ قناعت، صاحبِ مجاہدہ وریاضت شیخ صبور شکور، مُلّا محمد عبد الغفور ہیں جو حضرت میاں جیو رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کے کامل اصحاب میں سے تھے اور ریاضتِ شاقہ کرکے کمال کو پہنچے تھے، حضرت کی زندگی میں ہی فوت ہُوئے۔

میاں حاجی محمد کہتے تھے کہ مُلّا عبد الغفور نے علومِ ظاہری میں کمال حاصل کیا تھا اور شہر لاہور میں مدرّس تھے۔ تدریس کا مشغلہ اور تعلقاتِ دنیا منقطع کرکے حضرت میاں جیو رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کی خدمت باسعادت میں پہنچے۔ حضرت نے ان پر توجہ نہ دی اور کچھ مُدّت اپنے سے دُور رکھتے رہے۔ مُلّا عبد الغفور میرے (دارا شکوہ) پاس آئے۔ میں نے انھیں امید دلائی کہ آپ کے متعلق حضرت کی خدمت میں عرض کروں گا۔ اسی اثنا میں میں نے انھیں حضرت کا طریقہ شغل بتا دیا۔ اس لیے اس سے پہلے کہ حضرت خود کچھ فرماتے، مُلّا اس طریقے میں مشغول ہو چکے تھے۔ ایک دن میں نے مُلّا عبد الغفور کو غم و اندوہ کی حالت میں گریہ کرتے دیکھا۔ سبب پوچھا تو انھوں نے کہا: "میں حضرت میاں جیو رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا لیکن انھوں نے مجھے گوارا نہ کیا اور فرمایا ہم تمھیں ذکرِ حق میں مشغول نہیں کریں گے۔ اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ زنّار باندھ کر اور قشقہ لگا کر سرِ بازار کافروں میں جا بیٹھوں گا اگر لوگ پوچھیں گے تو نے ایسا کیوں کیا؟ تو کہوں گا کہ ظاہر میں تو میں مومن تھا مگر باطن میں کافر تھا اس لیے میں نے چاہا کہ ظاہر کو بھی باطن کے مطابق بنا لوں تاکہ میرا ظاہر اور باطن ایک سا ہو جائے۔" یہ سن کر مجھے رونا آگیا اور انھیں تسلی دے کر حضرت میاں جیو رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کی خدمت میں لے گیا۔ حضرت باغ میں تشریف فرما تھے۔ انھیں میں نے

خوشی کی حالت میں دیکھا تو مُلا کی کیفیت عرض کی جو حضرت کو پسند آئی۔ انھیں معلوم ہو گیا کہ یہ شخص اپنی طلب میں صادق ہے، فرمایا: "اسے میرے پاس لے آکہ اسے ذکرِ حق میں مشغول کر دوں۔ میں مُلاّ عبدالغفور کو حضرت کی خدمت میں لے گیا۔ حضرت نے ازراہِ مہربانی انھیں مشغولِ ذکر کر دیا۔ کچھ دن بعد وہ طریقت میں کامل ہو گئے، پس جو وہ چاہتے تھے، انھیں حاصل ہو گیا۔

ان کی وفات حضرت کی وفات سے پہلے ہوئی۔ قبر ان کی کلانور میں ہے۔

باب ہشتم

حضرت میاں جیوؒ کے مرید جن کے نام تو میں نے سنے تھے لیکن ان کے حالات اس فقیر تک نہیں پہنچے

یہ لوگ صاحبِ حالات و کرامات تھے اور مقاماتِ عالیہ پر فائز تھے۔ حاصل کلام یہ کہ جس کسی نے حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا اور ان کی صحبت میں پہنچا، وہ مقبولِ نظر ہو گیا اس کے لیے یہی کافی ہے۔ کوئی حال، مقام اور کرامت اس سے بڑھ کر نہیں۔ جو شخص سیّد الطائفہ شیخ جنیدؒ کی خدمت میں پہنچا اس کے لیے یہی کافی تھا کیونکہ مشائخ کا دیدار کر لینا بھی بڑی نسبت اور بلند مرتبے کا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے فلاں بزرگ کو دیکھا ہے اور فلاں شیخ کی صحبت میں رہا ہے۔

ایک مرتبہ شیخ (ابو) عبداللہ خفیف، علی بندار کے ساتھ جاتے ہوئے ایک تنگ پل پر پہنچے۔ ابو عبداللہ نے کہا: "علی آگے بڑھو" انھوں نے کہا: "مجھے آپ کس وجہ سے پہلے آگے بڑھنے کے لیے کہتے ہیں"، شیخ نے کہا: "تم نے شیخ جنیدؒ کو دیکھا ہے لیکن میں نے انھیں نہیں دیکھا۔" جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا اور آنحضرتؐ کی صحبت جسے حاصل ہوئی، اس کی فضیلت کے لیے آنحضرتؐ کا دیدار اور صحبت بہت کافی ہے۔

بعض مشائخ سے متعدد کرامات کا ظہور تو ہوا ہو گا اور ان کے مریدوں اور معتقدوں نے ان کی کرامات کو بیان بھی کیا ہو گا یا لکھا ہو گا لیکن اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ فقیر کی کرامتیں خود اس کا فقر ہے۔ فقیر کو کرامات اور مقامات سے کیا سروکار؟ فقیر اس سے بالاتر ہوتا ہے کہ کرامات

کی وجہ سے اس کی تعریف و توصیف کی جائے۔ وہ اپنے آپ کو خود پہچانتا ہے۔ وہ اپنی تعریف آپ ہے۔ فَافْہَمْ (تو سمجھ لے)

حضرت کے ان مریدوں کے نام درج ذیل ہیں جن کے حالات سے مجھے آگاہی نہیں ہوسکی۔

حافظ محمد اسمٰعیل، شیخ نورالدین، سید احمد بنوری، بہادر لنگ اور حاجی سلیمان۔ بُوئعز الدکر یعنی حاجی صاحب کی قبر حضرت میاں جیوُ رَحْمَۃُ اللہ عَلَیۡہ کے روضے کے نزدیک اور میاں نتھّا کی قبر کے پاس ہے۔ ان کا انتقال حضرت میاں جیوُ رَحْمَۃُ اللہ عَلَیۡہ سے پہلے ہُوا تھا۔ ان کے علاوہ بعض مُرید اور بھی تھے۔ ان میں سے شیخ ابوالمکارم کی قبر بھی میاں نتھّا کی قبر کے قریب ہے۔ ان کا انتقال بھی حضرت میاں جیوُ رہ سے پہلے ہوُا۔ شیخ ابوالخیر بھی حضرت سے پہلے فوت ہوُئے، ان کی قبر بھی میاں نتھّا کی قبر کے پاس ہے۔ اسمٰعیل ہزارہ اور قاضی عیسٰی بھی حضرت سے پہلے فوت ہوُئے۔ ان کی قبر اکبرآباد (آگرہ) میں ہے۔ مُلّا حامد نمدہ ساز اور مُلّا سنگین رُوستاقی، جن کا ذکر حضرت میاں جیوُ رح کی کرامات کے سِلسِلے میں آچکا ہے، دورانِ سفر کہیں فوت ہوُئے معلوم نہیں ان کی آخری آرامگاہ کہاں ہے؛

مُلّا شاہ بدخشی رحمۃ اللہ علیہ

اب حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے گروہ دوم کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس گروہ کے مُرید صفاتِ حسنہ سے متّصف تھے اور حسبِ مراتب صاحبِ حالات و مقامات تھے۔ ان سے خوارق و کرامات جلیلہ ظہور میں آئیں۔ حضرت کے یہ مُرید اس کتاب کی تالیف تک بقیدِ حیات ہیں۔ ان میں سے اکثر کو فقیر (دارا شکوہ) نے دیکھا ہے۔ ان کے ساتھ مدّت تک صحبت بھی رہی ہے۔ اور کئی راتیں ایک ہی جگہ گزاری ہیں۔ ان کے نیک انجام حالات سے میں بخوبی واقف ہُوں۔

اوّل۔ راہِ حقیقت کے سالک، رموزِ طریقت سے آگاہ، عصرِ حاضر کے مقتدا اور اپنے وقت کے یگانہ، بحرِ توحید میں مستغرق، بادیۂ تجرید و تفرید کے سیّاح، اَسرارِ وحدت کے جاننے والے، آفاتِ کثرت سے بری، شاہِ محققان، دلیلِ مُریدان، قلوب کے مالک، عیبوں کو مٹانے والے، دلی توجّہ سے شرف یاب، ظاہر و باطن میں کامل، فنا فی الشیخ، ذوالنُّون ثانی، ہر گم کردہ راہ کے رہبر، مشائخِ وقت کے بادشاہ، حضرت مولانا شاہ سلّمہُ اللہ تعالیٰ وَ ابقاہُ وبلّغنا برکاتہٗ اِلیٰ تمنّاہُ ہیں۔

اس فقیر کو ان کی غلامی اور ارادت کی نسبت حاصل ہے۔ آپ کا اسمِ مبارک شاہ محمد ہے۔ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ انہیں محمد شاہ کہا کرتے تھے اور حضرت کے اصحاب اور معتقدین انہیں "حضرت اخوند" کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کا لقب "لِسان اللہ" ہے۔ چنانچہ آپ نے خود اس لقب کی طرف اشارہ کیا ہے:

رُباعی

آنکس کہ زراہِ حق آگاہ است   مُلّا شاہ است و عارفِ این راہ است

از تاثیرِ زبانِ اُو معلوم است کامروز ملقب بہ لِسانَ اللہ است

ان کے لقب سے فرائض کا قرب ظاہر ہوتا ہے جو عارفوں اور توحید پرستوں کے مرتبوں کی انتہا ہے۔ بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یَبْصُرُ وَبِیْ یَنْطِقُ..... الخ (مجھ سے دیکھتا ہے، مجھ سے سنتا ہے اور مجھ سے بولتا ہے) حدیثِ نبوی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم میں آیا ہے:

اِنَّ اللہَ یَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ،

(بیشک اللہ تعالیٰ عمر کی زبان سے بولتا ہے)

یہ ان لوگوں کے لیے بشارت ہے جنھوں نے ان کی زبانِ مُبارک کے مطابق شغلِ ذکر اختیار کیا اور ان کے دستِ مبارک پر بعیت کی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللہَ[۵۲]

(بیشک جو لوگ تیری بعیت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ کی بعیت کرتے ہیں)

جو شخص صدق اور خلوصِ دل سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو پہلی بات اُس سے ذکرِ حق میں مشغول ہونے کی کرتے ۔ اس سے اسے فوراً دلی کشائش حاصل ہوجاتی۔ آپ کی زبانِ مُبارک بند دلوں کے لیے کلید اور خستہ جانوں کے لیے شفا بخش ہے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ حضرت اپنے حُجرے میں اصحاب میں سے کسی ایک کے ساتھ باتیں کرتے تو آپ کی آواز جس کے کانوں تک پہنچتی، وہ بے خود ہوجاتا اور بہت سی باتیں اس پر کشف ہو جاتیں۔ اور وہ یہ سمجھنے لگتا کہ یہ تو وہ سعادت ہے جو اربابِ ریاضت کو ایک عمر کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اس کے دل میں حقیقت کچھ اس طرح جگہ پاتی جیسے کوئی اپنے دلبر کو سینے سے لگاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ

---

۵۲ قرآن کریم: ۲۶، اَلْفَتْح، ۱۰

دلوں کے بند کھولنے خستہ جانوں کو زندہ کرنے اور زبانِ مبارک سے اثر پیدا کرنے میں انھیں ایسی قدرت حاصل تھی، جو انسانی دنیا میں اور کسی کو میسّر نہیں آتی :

رباعی[1]

آنی تو کہ از نامِ تو می بارد عشق — وز نامۂ پیغامِ تو می بارد عشق

عاشق گردد ہر کہ بکویت گذرد — آری ز درو بامِ تو می بارد عشق

(تو وہ ہے کہ تیرے نام سے عشق برستا ہے اور تیرے نامۂ پیغام سے عشق ٹپکتا ہے جس کا تیری گلی سے گزر ہوتا ہے عاشق ہو جاتا ہے۔ بیشک تیرے در و بام سے عشق برستا ہے)

حضرت اخوند کے والد کا نام ملّا عبدی ہے اور آبا و اجداد کا وطن اور حضرت کی جائے ولادت موضع ارکسا ہے، جو بدخشاں کے علاقہ رُوستاق کے مضافات میں ہے۔ چنانچہ اس شعر میں خود فرمایا ہے:

مُلکِ من از مُلک ہا مُلکِ بدخشاں آمدہ — از بلاد از رُوستاق واز قری از ارکسا

(ملکوں میں سے میرا ملک بدخشاں ہے۔ شہر میرا رُوستاق اور دیہہ ارکسا ہے)

آپ کے والد ملّا عبدی ارکسا کے قاضی تھے۔ حضرت اخوند سے کسی نے پوچھا کہ آپ کہاں کے ہیں، فرمایا ولایتوں میں بدترین ولایت بدخشاں ہے اور بدخشاں کے بدتریں علاقوں میں سے رُوستاق ہے اور رُوستاق کا بدترین گاؤں ارکسا ہے۔ اہلِ ارکسا میں سے معمولی آدمی میرے والد تھے اور والد کے بیٹوں میں سے سب سے کم ترمیں ہوں۔ یہ بات آپ نے کمالِ انکساری اور فروتنی کی وجہ سے کہی، درآنحالیکہ حضرت وہ لعلِ بے بہا ہیں کہ بدخشاں سے نکلے اور بادشاہوں کے تاج کی زینت بنے۔

ایک شخص نے اس فقیر (دارا شکوہ) سے پوچھا: "پہلے تو بدخشاں سے گراں بہا لعل نکلا کرتے تھے، اب کیوں نہیں نکلتے؟" میں نے جواب دیا: "حضرت اخوند بدخشاں سے نکل آئے ہیں، اب

---

[1] یہ رباعی دارا شکوہ کی ہے۔

بدخشاں کی کان میں کوئی لعلِ بے بہا باقی نہیں رہا۔"

اوائل عمری میں علومِ دینی کی تحصیل میں مشغول رہے۔ صوم وصلوٰۃ کی کثرت، کم خوری کم خوابی اور زُہد وتقویٰ کی وجہ سے مشہور ہُوئے۔ ایک مرتبہ کسی تقریب میں آپ نے اس فقیر کو فرمایا کہ "تمام عمر میں، خواہ بیماری ہو یا تندرستی، کبھی ہم سے نماز قضا نہیں ہوئی" یہ ایک بہت نادر بات ہے۔ ابتدائے حال ہی سے یہ ان کا روزمرہ تھا۔ شادی آپنے نہیں کی۔ اب تک بقیدِ حیات ہیں۔

ایامِ جوانی میں اپنے علاقے سے چل کر (پاکستان و) ہند آئے۔ آپ حضرت کے مریدانِ خاص میں کامل اور اصحابِ خاص میں افضل تھے۔ ہمیشہ حضرت میاں جیوُ رَحمۃُ اللّٰہ عَلَیہ کی صحبت میں رہے۔ حضرت کی آپ پر بڑی عنایت اور شفقت تھی اور کیوں نہ ہو آپ ہر بات میں سب یاروں سے بہتر تھے اور ہر امر میں تمام اصحاب کی نسبت کامل و اکمل تھے۔ اس وقت سلسلہ عالیۂ قادریہ کو اور حضرت میاں جیوُ رَحمۃُ اللّٰہ عَلَیہ کے طریقے کو ان کے وُجودِ شریف سے زینت اور استقامت حاصل ہے۔

"اَللّٰھُمَّ احْفَظْ ھٰذِہِ السِّلْسِلَۃَ الْعَلِیَّۃَ الْعَالِیَۃَ وَاجْعَلْنَا مُنْتَظِمَۃً اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ"

(اے خدا! اس سلسلۂ عالیہ کی حفاظت فرما اور ہمیں قیامت تک اس پر قائم رکھ)

حضرت سے میں نے یہ کہتے ہُوئے سنا کہ ایک دن حضرت میاں جیوُ رَحمۃُ اللّٰہ عَلَیہ نے دعا کی۔ اصحاب نے پوچھا "حضرت! یہ دعا کس کے حق میں ہے"؟ فرمایا: "مُلّا شاہ کے حق میں! جس سے میرا طریقہ روشن ہوگا!"۔

تیس سال تک حضرت میاں جیوُ رَحمۃُ اللّٰہ عَلَیہ کی خدمت میں رہ کر آپنے بہت ریاضت اور مجاہدہ کیا چنانچہ ایک دن ان کی زبانِ مبارک سے میں نے سُنا کہ حضرت میاں جیوُؒ نے فرمایا: "مُلّا شاہ! جو ریاضت تو نے کی ہے، مشائخِ سابق میں سے کسی نہیں کی۔"

آپ نے طویل عرصہ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گزارا۔ آپ کا کام جب پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تو حضرت میاں جیو رہ کی اجازت سے کشمیرِ دل پذیر میں سکونت اختیار کی سردی کے موسم میں اکثر حضرت میاں جیو رح کی خدمت میں لاہور آتے اور گرمی کے موسم میں اجازت پاکر کشمیر واپس چلے جاتے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے: "بابا! تم تو مغل ہو! لاہور کی گرمی کی تاب نہیں لاسکتے، کشمیر چلے جاؤ"۔ آخری سالوں میں آپ کشمیر سے لاہور نہ آسکے۔ حضرت میاں جیو رہ نے بعض مُریدوں کی تربیت ان کے سپرد کردی تھی۔ تمام اصحاب میں سے یہ اختیار صرف انھیں کو دیا گیا تھا۔ ترک و تجرید، فقر و استغنا، توکّل اور تسلیم و رضا میں تمام اہلِ زماں میں انھیں نمایاں مقام حاصل تھا۔ ان کے پاس نہ کوئی خادم ہوتا نہ کنیز۔ خانۂ مبارک میں کھانا نہیں پکتا تھا، نہ چراغ جلتا تھا۔ راتوں کو تاریکی ہی میں بیٹھے رہتے۔ ایک رات یہ فقیر (دارا شکوہ) آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ آپ نے ایک شخص کو کہا کہ چراغ لائے۔ پھر میری طرف مخاطب ہوکر کہا کہ یہ چراغ میں نے تمھارے لیے روشن کیا ہے، ورنہ میں تو ہمیشہ تاریکی ہی میں بیٹھتا ہوں:

شعر

نہ چراغیست درین خانۂ ویرانۂ ما　　روشن از آتشِ عشقِ تو شدہ خانۂ ما

(ہمارے اس خانۂ ویران میں چراغ نہیں، یہ تمھاری آتشِ عشق ہے جس سے یہ گھر روشن ہُوا ہے)

اندھیرے میں ان کے بیٹھنے میں بھی بہت حکمت ہے:

سیاہی، اگر بدانی نورِ عین است　　بتاریکی درُون آبِ حیات است

(اگر تو یہ جان لے کہ اندھیرا بھی آنکھوں کا نُور ہے تو تاریکی میں بھی آبِ حیات میسر آجائے گا)

درین مشہد کہ انوارِ تجلّی است　　سخن دارم ولی ناگفتن اولی است

(اس مشہد کے متعلق، جو انوارِ تجلی ہے، بہت سی باتیں کہنے کی ہیں لیکن نہ کہنا ہی بہتر ہے)

آپ مسائلِ توحید، اشارے کنائے کی زبان اور معرفت کے بیان میں مقتدا اور بے نظیر ہیں۔

آپ نے بڑی ریاضتیں کی ہیں۔ چنانچہ بعض لوگوں نے مجھے بتایا کہ شروع میں سات سال تک عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد صبح تک حبسِ دم کرتے اور ذکرِ خفی میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دن آپ نے فرمایا: "ہمارے مسلک میں حبسِ دم کا طریقہ ایسا ہے جو اور کسی مسلک میں نہیں۔ یہ نہایت مشکل ہے۔ مجھے حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ نے یہ طریقہ سکھایا ہے جو اس سلسلے کا خاصہ ہے۔ میں نے اوائلِ حال میں جو ریاضتیں کیں، ان میں سے ایک یہ تھی کہ عشاء کی نماز کے بعد میں اس طریقے سے حبسِ دم کرتا تھا:

مصرع

خواہی شبِ من دراز و خواہی کوتاہ

(اب خواہ میری رات لمبی ہو یا چھوٹی)

صبح تک میں دو سانسوں میں رات گزارتا تھا۔ کبھی یہ حالت ہو جاتی کہ نفس منقطع ہونے لگتا لیکن میں تو مرنے کو بھی تیار تھا، اس لیے کوئی تکلیف محسوس نہ ہوتی اور حق تعالیٰ کا فضل شاملِ حال رہتا۔ ایک دن کسی تقریب سے فقیر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ شیخ مشاد نے فرمایا ہے کہ میں نیم خوابی کی حالت میں تھا اور مجھے یہ کہا گیا کہ اگر ہمارے دوستوں میں سے کسی کو دیکھنا چاہو تو اٹھو! اور تلِ توبہ (توبہ کے ٹیلے) پر چلو۔ میں بیدار ہوا۔ برف باری ہو رہی تھی۔ میں وہاں گیا اور ابراہیم خواص کو دیکھا، دو زانو ہو کر بیٹھے تھے۔ ان کے گرداگرد ایک سپر کے برابر جگہ سرسبز تھی اور برف سے خالی تھی باوجودیکہ ان کا سر برف سے ڈھکا ہوا تھا، وہ پسینے میں شرابور تھے۔ میں نے عرض کی: "یہ مرتبہ آپ نے کس طرح پایا؟" فرمایا: "فقرا کی خدمت سے"! حضرت مُلّا شاہ نے یہ سُن کر فرمایا کہ ہمیں بھی اس قسم کے ذوق اور گرمی سے سابقہ پڑا تھا۔ ایک بار شہر لاہور میں عین موسمِ سرما میں ایسا ہوا کہ میں پسینے پسینے ہو گیا، میری پشت، سینے اور ہاتھ پر گِلِ سفید پانی میں بھگو بھگو کر ملتے رہے اور پنکھا جھلتے رہے لیکن پسینہ بدستور بہہ رہا تھا اور میں بے چین تھا۔ دوسری مرتبہ کشمیر میں چلّے کے دنوں میں جب کہ رُوئے زمین اور دریا یخ بستہ

ہوتے ہیں' میں 'باغ گل بیگ' میں گیا جو شہر کے باہر واقع ہے۔ اپنے طریقے کے مطابق وہاں حبس دم کیا۔ پھر نفس کی تسلی کے لیے گھڑی بھر کے بعد جب سانس لیا تو اندرونی حرارت کی وجہ سے پسینے پسینے ہو گیا۔ میرے جسم پر پسینہ برف کی مانند جم گیا میں نے تہیہ کیا تھا کہ جب تک پسینہ نڈی کی مانند نہیں بہے گا سانس نہ لونگا۔ جب میں نے پھر حبس دم کیا تو وہ پسینہ جو میرے جسم پر برف کی مانند جم رہا تھا گرمی سے پگھل گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابراہیم خواص ؒ بھی حبس دم کا شغل کرتے تھے لیکن خدا ہی جانتا ہے کہ ان کا طریقہ کیا تھا۔ حبسِ دم بعض دوسرے مشائخ بھی کیا کرتے تھے لیکن ہمارا طریقہ حضرت غوث الثقلین ؓ کے زمانے سے پہلے موجود نہ تھا۔

بعض اصحاب حضرت میاں جیو رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کا یہ قول بیان کرتے ہیں کہ یہ حضرت غوث الثقلین ؒ کا مخصوص طریقہ تھا۔ اور یہ شعر پڑھا جو غوث الثقلین ؒ سے منسوب ہے وَاللہُ اَعلَمُ بِالصَّواب

چشم بند و گوش بند و لب ببند　　　گر نہ بینی سرِّ حق بر من بخند

(آنکھ، کان اور لب بند کرے پھر اگر حق تعالیٰ کو نہ دیکھے تو سمجھنا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ مجذوب کی بڑ تھی)

حضرت ملا شاہ سَلَّمَہُ اللہُ تعالیٰ کی ایک ریاضت یہ ہے: ۱۰۵۲ھ تک کہ تیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے، دن رات میں ایک لمحہ اور ایک لحظہ بھی نہیں سوئے۔ اس کے متعلق میں نے ایک مرتبہ آپ سے سوال کیا تو فرمایا: "تیس سال سے زیادہ عرصہ گزرا ہے کہ ہم گھڑی بھر کو نہیں سوئے اور ایک دو سال ہوئے ہیں کہ ہم ٹانگیں دراز کرتے ہیں اور زمین پر لیٹ جاتے ہیں لیکن نیند قطعاً نہیں آتی۔ تمنا ہی رہتی ہے کہ گھڑی بھر کو نیند آجائے مگر یہ میسر نہیں"۔

عَجَباً لِلمُحِبِّ کَیفَ یَنَامُ　　　کُلُّ نَومٍ عَلَی المُحِبِّ حَرَامُ

(مجھے اس کی محبت پر بڑا تعجب ہے جو سو جاتا ہے کیونکہ نیند تو محب پر حرام ہوتی ہے)

یہ بھی آپ نے فرمایا: شروع میں تو قطعاً نہ تکیہ استعمال کرتے، نہ ٹانگیں دراز کرتے، اور

پھر جب یہ میسّر ہُوا تو ہم بیداری کے بعض اوقات ہی کو نیند سمجھ لیتے۔ آپ نے فرمایا: ایک دن حضرت میاں جیو رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کے سامنے میں نے کسی کی ریاضت کی تعریف کی۔ آپ نے فرمایا: "کسی دوسرے کی ریاضت کی تعریف نہ کر، ریاضت تو وہ ہے جو تُو نے کی ہے۔"

شیخ محسن نے کہا: "میں نے حضرت اخوند (مُلّا شاہ) سے دریافت کیا کہ کتنے ہی سال گزر گئے ہیں کہ فقیر اور اکثر لوگ آپ سے آشنائی رکھتے ہیں اور بڑی حد تک آپ کے محرم بھی ہیں لیکن دو چیزیں ہم نے آپ میں نہیں دیکھیں، ایک یہ کہ آپ کبھی رفعِ حاجت کو گئے ہوں اور دوسرے یہ کہ کبھی ضروری غسل کیا ہو۔"

آپ نے فرمایا: "رفعِ حاجت کے بغیر تو دنیا میں کوئی نہیں رہ سکتا، یہاں تک کہ انبیاء اور اولیاء بھی اس کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہ کام تو معمول کے مطابق ہوتا ہی ہے لیکن یہ جس قدر پوشیدہ طور پر ہو، بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم آدھی رات کو رفعِ حاجت کے لیے جاتے ہیں۔ غسل ضروری کے متعلق پوچھا تو فرمایا: "غسل دو حالتوں میں واجب ہے، ایک اس وقت جب کہ رات کو بدخوابی ہو جائے اور دوسرے بیداری کی حالت میں۔ بیداری کی حالت میں شادی شدہ کو واجب ہے۔ ہم نے شادی نہیں کی، نہ نیند ہی آتی ہے کہ غسل ضروری کرنا پڑے۔

مُلّا سعید نے بیان کیا کہ ایک دن میں حضرت میاں جیو رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کی خدمت میں بیٹھا تھا، مُلّا شاہ بھی موجود تھے۔ میں نے ایک موقع پر عرض کی کہ شاہ شجاع کرمانی رحؒ کے مقامات کے متعلق لکھتے ہیں کہ تیس سال سے وہ نہیں سوئے تھے، نہ زمین پر دراز ہوئے۔ تیس سال کے بعد کچھ وقت کے لیے نیند آئی تو آپ کو خواب میں حق سُبْحَانَہٗ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہُوا اور جب بیدار ہوئے تو مناجات پڑھی کہ الٰہی! اگر میں جانتا کہ آپ کے دیدار کی دولت نیند کی حالت میں حاصل ہوتی ہے تو اس سے پہلے بھی میں سویا کرتا۔ اس پر ہاتفِ غیب نے کہا کہ یہ تیس سال کی بیداری ہی کا

ثمرہ ہے۔ اسی اثناء میں مُلّا شاہ نے مجھے خطاب کر کے کہا کہ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے بعض طالب ایسے ہوں گے جو پانچ سال سے سوئے نہیں، اور لیٹے تک بھی نہیں۔ جب مُلّا شاہ باہر گئے تو حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا! کہ شاہ نے یہ اپنی حالت بیان کی ہے کیونکہ وہ پانچ سال سے نہیں سوئے۔ ان کے لیے دن اور رات یکساں ہیں۔ یہ حالت تو شروع میں تھی اور اب تو مدتیں گزری ہیں کہ ہمیشہ بیدار رہتے ہیں۔ باوجودیکہ ان کی عمر ۵۷ یا ۵۸ سال کی ہوگئی ہے لیکن وہ کونسی ریاضت ہے جو انھوں نے نہیں کی۔ اس کے باوجود کمال تروتازگی، طاقت، جوانی، تمتماتا ہوا رنگ اور شگفتگی ان کے بُشرۂ مبارک سے نمایاں ہے۔ آپ بہت قوی الجُثّہ ہیں۔ اس فقیر (دارا شکوہ) کو چند راتیں ان کی صحبت میں گزارنے کا موقع ملا ہے۔ کبھی تھکاوٹ یا خواب کے آثار میں نے ان کی آنکھوں میں نہیں دیکھے۔ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ (نہ اسے اُونگھ دبا سکتی ہے نہ نیند) کی صفت میں نے ان میں مشاہدہ کی۔ جب صوفی حق تعالیٰ میں گم اور پنہاں ہو جاتا ہے تو یقیناً حق تعالیٰ کی صفت اس میں ظاہر ہوتی ہے، جیسا کہ حدیثِ قدسی میں آتا ہے:

"لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعًا وَّبَصَرًا وَّفُؤَادًا وَّلِسَانًا بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ یَنْطِقُ وَبِیْ یَبْطِشُ"

(بندہ ہمیشہ عبادتِ الٰہی کے وسیلے اور فنائے وجود کے ذریعے میری نزدیکی کا متمنّی ہے۔ یہاں تک کہ میں اسے عزیز رکھتا ہوں اور اسے اپنی بقا میں باقی رکھتا ہوں۔ جب اسے عزیز سمجھا تو گویا فنا کے بعد اپنے میں بقا بخشی۔ پس اس کا کان میں ہوں اور وہ مجھ سے سُنتا ہے۔ اس کی آنکھ میں ہوں اور وہ مجھ سے دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ میں ہوں پس وہ مجھ سے پکڑتا ہے۔ اس کا پاؤں میں ہوں پس وہ میرے ساتھ چلتا ہے۔)

"فَافْهَمْ اَیُّهَا السَّامِعُ اَیَّدَکَ اللّٰہُ"

(اے سننے والے اس بات کو سمجھ لے۔ اللہ تعالٰے تیری تائید فرمائے)

آپ کی کرامات اور خوارق حد اور بیان سے بڑھ کر ہیں۔ آپ کی دلی توجہ اور نظر کے فیض سے دنیا کے اطراف اور مملکت کے کونے کونے میں، خصوصاً ولایت کشمیر میں، کئی اشراف بلند مرتبوں کو پہنچے اور انھیں عظیم مقبولیت حاصل ہوئی چنانچہ بہت سے گم کردہ راہ اور کفار، جو صرف آپ کے خانۂ مبارک کے سامنے سے گزرے، بے اختیار ان کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کی اور کفر کو ترک کر کے مذہب حق کو قبول کیا اور اہل سنت والجماعت کا طریقہ اختیار کیا۔ ولایتِ کشمیر میں یہ بات مشہور ہے کہ بدعتی جو آپ کے سامنے سے گزرتا ہے اسے پیغمبر علیہ السلام اور چار یارانِ بزرگ نظر آتے ہیں۔ اسی سبب سے اکثر گم کردہ راہ آپ کے کوچے سے نہیں گزرتے۔ شروع میں مُرید ہونے سے پہلے میں آپ کی خدمت میں آیا جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ مجھے خیال آیا کہ اس مرتبہ جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا تو عرض کروں گا: "فقیر آپ کے ہمسائے میں رہتا ہے۔ آرزومند ہے کہ اس طرح توجہ فرمائیے کہ عالمِ آخرت میں بھی ہمسائگی کا حق بجا لاؤں۔" جب ان سے ملاقات ہوئی تو بغیر اس کے کہ میں کچھ عرض کرتا، انھوں نے مصافحے کے لیے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا: "یارِ عزیز! میں نے اپنے مُریدوں اور دوستوں میں سے کسی ایک کے ساتھ اس طرح مصافحہ نہیں کیا، جیسا تم سے کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ عُقبیٰ میں بھی تمھاری مدد اور اعانت کروں گا اور تمھیں دل و جان سے عزیز رکھوں گا۔" اسی رات آپ نے مجھے ذکرِ حق میں مشغول کر دیا اور میرے حال پر انتہائی لُطف و کرم فرمایا۔

فقیر نے سنا تھا کہ ایک مرتبہ آپ کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی، لیکن آپ نے حضرت کی طرف التفات نہ کیا۔ اس کے متعلق میں نے حضرت سے سوال کیا تو فرمایا: "ایک دن میں دریائے راوی کے کنارے کپڑے دھو رہا تھا۔ دفعتہً میں نے دریا سے نمودار ہوتے ایک

شخص کو دیکھا۔ خیال کیا کہ یہ حضرتِ خضرؑ ہوں گے۔ میرے قریب آکر انھوں نے علیک سلیک کیا۔ مَیں نے جواب دیا۔ پھر حضرتِ خضرؑ نے کہا: "میں آپ کو ذکرِ الٰہی میں مشغول دیکھ رہا ہوں۔ اپنے کپڑے مجھے دے دیجیے اور آپ ذکر میں مشغول رہیے۔ میں نے کہا "میں بیکار کیوں رہوں" اپنے دونوں کام مَیں خود کروں گا" آخر وہ چلے گئے۔ جب میں حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور یہ واقعہ بیان کیا تو انھوں نے فرمایا: "جو شخص ذکرِ خدا میں مشغول ہو، دوسرے کی طرف کیونکر توجہ کر سکتا ہے؟"

ابوبکر کتانیؒ نے کہا ہے: "ایک مرتبہ ابراہیم خواص سفر سے واپس آئے۔ میں نے پُوچھا کہ بیابان میں آپ نے کیا عجیب چیز دیکھی؟ انھوں نے کہا خضر علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہنے لگے: "اے ابراہیم! اگر تم چاہو تو میں تمھارے ساتھ چلوں۔ میں نے کہا، نہیں! انھوں نے کہا "کیوں نہیں؟" میں نے کہا: "مجھے شک ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ سے مجھے الفت نہ ہو جائے (اور میں یادِ الٰہی سے باز نہ رہ جاؤں)"

شیخ الاسلام نے کہا کہ شیخ ابوالحسن خرقانی نے مجھے بتایا: "اگر خضر علیہ السلام کی صحبت کی خواہش پیدا ہو تو اس سے توبہ کرو اور اگر تم ہرات کے رہنے والے ہو تو مکّہ جا کر رات کے وقت اس بات سے توبہ کرو اور یہ اس لیے کہ جن لوگوں کو بے سبب اور بلا واسطہ حق تعالیٰ کی صحبت میسّر آجائے، انھیں کوئی وسیلہ اچھا نہیں لگتا اور اس سے وہ گریز کرتے ہیں۔ خواہ وہ خضر علیہ السلام ہی کیوں نہ ہوں۔ دوست کے ساتھ صحبت تنہائی میں ہو تو اچھی ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنِ اسْتَأْنَسَ بِاللّٰہِ اسْتَوْحَشَ مِنْ غَیْرِ اللّٰہِ"

(جس کو خدائے تعالیٰ سے اُنس ہُوا اسے غیر اللہ سے وحشت ہوتی ہے تاکہ غیر کی نظر سے وہ بے نیاز ہو جائے)

جب غیر کا خیال جاتا رہے تو خدائے تعالیٰ کے ساتھ اُنس ہوگا اور اسی کے ساتھ صحبت ہوگی کیونکہ اس کے سوائے اور کوئی نہیں۔

پہلی مرتبہ جب یہ فقیر حضرت کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہُوا تو چونکہ انھوں نے مجھے کبھی نہیں دیکھا تھا، میرا نام پُوچھا۔ میں نے عرض کی: "فقیر!"۔ فرمایا: "فقیر کا بھی نام تو ہوتا ہے۔" عرض کی: "میرا نام آپ پر واضح ہے۔" فرمانے لگے: "ہاں معلوم ہُوا!" پھر فقیر کا ہاتھ پکڑ کر زانُو بزانُو بٹھا لیا۔ پہلی بار ہی ایسی عنائتیں اور نوازشیں ہوئیں کہ وہم و گمان میں بھی نہ تھیں۔ میں نے عرض کی: "حضرت آپ کی یہ رباعی مجھے یہاں کھینچ لائی ہے":

آن گم شدہ باللہ، خدا آگاہ است — اُفتادہ یقین، بدستِ مُلّا شاہ است
نرمک نرمک درآ و آہستہ بگو — در گوشِ کسی کہ طالبِ اللہ است

(جس نے اپنے آپ کو ذاتِ خداوندی میں گم کر دیا وہ خدا آگاہ ہو گیا یقین ملا شاہ کے ہاتھ ہے، آہستہ آہستہ اندر آ اور اللہ کے طالب کے کان میں ہولے ہولے بات کر)

حضرت مُلّا شاہ نے فرمایا: "خوب! تمھارا مطلب سمجھا۔ تو گویا تم اس غرض سے یہاں آئے ہو!" میں نے عرض کی: "بے شک! اس مقصد کے سوا اور میرا کوئی مقصد نہیں اور اس کام کے سوائے اور کوئی کام نہیں، اگر ہو تو وہ میرے نزدیک محض بیکاری ہے۔" آپ یہ سُن کر بہت خوش ہوئے اور بہت توجّہ اور عنایت کی اور فرمایا: "اِس گم شُدہ کو ہم نے پا لیا ہے۔"

اس فقیر کی یہ رُباعی ہے:

آن کس کہ ز رُوی صدق دولت خواہست — آخر اُو را بسُوی دولت رہست
دولت یعنی معرفتِ اللہ است — ایں دولت در خانۂ مُلّا شاہست

(جو شخص از رُوی صدق دولتِ سرمدی کا خواہاں ہے آخر اُسے اس کا راستہ مِل جاتا ہے

دولتِ سرمدی کیا ہے؟ معرفتِ الٰہی! یہ دولت مُلّا شاہ کے گھر میں ہے)

حضرت مُلّا شاہ نے فرمایا: "میں جب پہلی بار وطن سے آیا تو تین سال کشمیر میں رہا۔ طلبِ الٰہی دِل کو میسّر آئی۔ کشمیر سے کسی کی زیارت کی طلب ہندوستان لے آئی اور لاہور سے ہوتے ہوئے میں نے آگرہ کا رُخ کیا۔ راستے میں ایک شخص نے حضرت میاں جیوؒ کا ذکر کیا کہ لاہور میں وہ بہت مقبول ہیں، عارف باللہ ہیں، ترک و تجرید میں کمال رکھتے ہیں اور اُن میں فلاں فلاں بزرگی ہے۔ یہ سنتے ہی میرے دل میں کشادگی سی پیدا ہوئی اور اطمینان حاصل ہُوا۔ میں نے ارادہ ظاہر کیا کہ راستے سے ہی لوٹ جاؤں۔ میرے ساتھی نے کہا کہ واپس جانے کی کیا وجہ ہوئی؟ میں نے کہا: "جس کی مجھے خواہش تھی، وہ لاہور میں ہے۔" اس نے کہا کہ ایک کامل درویش آگرہ میں بھی ہیں۔ یہ سن کر اس درویش کی ملاقات کے لیے اپنے رفیق کے ساتھ آگرہ پہنچا۔ وہاں اس درویش سے ملاقات ہوئی لیکن جس بات کی مجھے طلب تھی، وہ ان میں نظر نہ آئی۔ اس لیے وہاں سے لوٹ آیا اور لاہور پہنچا۔ یہاں میری جستجو مجھے حضرت میاں جیوؒ کی خدمت میں لے آئی اور جس بات کی تلاش تھی، وہ اُن میں پائی۔ اس لیے ان کی خدمت کو میں نے لازم سمجھا۔ حضرت میاں جیو رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے اِعتنا نہ فرمایا، یہاں تک کہ تین سال تک میری طرف توجہ نہ ہُوئی۔ تین سال بعد، باوجودیکہ میرا کوئی ٹھور ٹھکانا نہ تھا، آپ نے دریافت فرمایا "کہاں رہتے ہو؟" میں نے عرض کی: "مسجد میں!" پھر فرمایا: "مسجد میں قیام نہ کرو۔" آپ کے ارشاد کے مطابق میں نے مسجد میں قیام کرنا چھوڑ دیا۔ بعد میں فرمایا: "کھانے کا کیا انتظام ہے؟" میں نے عرض کی: "بازار سے روٹی کھاتا ہوں۔" فرمایا: "بازار کی روٹی نہ کھاؤ۔" لیکن کسی جگہ سے طعام کے ملنے کی اُمید نہ تھی اس لیے فاقہ کرنے لگا۔ فاقہ کب تک؟ آخر فاقہ چھوڑنا پڑا۔ بہرحال حضرت میاں جیوؒ مجھ پر مہربان ہوئے اور ذکرِ الٰہی میں مشغول کر دیا۔ حضرت نے اپنی وفات سے چند سال پہلے اشارے میں کچھ فرمایا تھا جس پر میں نے پورے یقین کے ساتھ عمل کیا۔ لاہور میں ایک رات طلوعِ سحر سے پہلے اقبال مندی

کا ظہور ہُوا اور مجھے سعادت کی گھڑی نصیب ہو گئی اس وقت مجھے معلوم ہُوا کہ یہ مقام اور مرتبہ کچھ اور ہی ہے۔ گویا جو کچھ میں چاہتا تھا، وہ میں نے پا لیا۔ مدتوں سے اس کی آرزو تھی۔ مجھے محسوس ہُوا کہ گذشتہ حالات، ذوق اور اطمینان اس حال کے مقابلے میں ہیچ تھے۔ یہ مرتبہ کسی ریاضت سے حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ کوئی ریاضت اس کے ہم پلّہ نہیں:

تا مدّتِ بیست سال در جستجو ... بودیم کہ ظاہراً بیابیم بُو
تحقیق شد این، در طلبِ خود بُودیم ... معلوم شد این رمز کہ خود بُودیم اُو

(بیس سال ہم اس جستجو میں رہے کہ ظاہراً طور پر اس کی خوشبو حاصل ہو۔ پھر یہ معلوم ہُوا کہ ہم خود اپنی ہی طلب میں تھے یہ رمز ہمیں معلوم ہوئی کہ ہم خود وُہی تھے۔)

حقیقتِ حال یہ ہے کہ میرے دل میں تازہ ذوق اور بے اندازہ ہل چل پیدا ہوئی اور بڑی مشکل سے فجر کی نماز ادا کر سکا۔ بے چین ہُوا تو حاجی صالح کو طلب کیا اور اسے بتایا کہ یہ دولت مجھے حاصل ہوئی ہے۔ تُو اس سعادت سے کیوں محروم ہے؟ جو حاصل کر سکتا ہے، حاصل کر لے۔ شروع میں اسے میں نے اشارے کنائے سے سمجھایا اسے بھی اس طریقے کے مطابق ذوق اور سوز میسّر آیا میرا ایک اور رفیق مُلّا سنگین تھا۔ یہ دونوں حضرت میاں جیو رح کے مرید تھے۔ مُلّا سنگین کو میں نے بُلایا اور وہی اس کو بھی کہا جو حاجی صالح کو کہا تھا وہ بہت مستعد اور آمادہ تھا اس نے بھی اس پر عمل کیا اور وہ کچھ پا لیا جس کی طلب میں وہ مدّتوں سے سرگرداں تھا:

شعر

دولتِ توحید، یاران در گرفت ... در گرفت از پا، ولی تا سر گرفت

(توحید کی دولتِ سرمدی نے یاروں کو گرفت میں لے لیا پاؤں ہی ابھی گرفت میں تھے کہ سر تک اس کا غلبہ ہو گیا)

بعد ازاں اس دولتِ عظیم اور سعادتِ کُبریٰ کو پختگی کے ساتھ محفوظ کیا اور گوشہ نشینی

اختیار کرکے تحقیقات میں مصروف ہوگیا۔ آخر سعادت کے تمام مرتبے مجھ پر ظاہر ہوئے۔ اس وقت میری طبیعت بھی موزوں ہوئی۔ اور شعر گوئی کے لیے زبان کھل گئی۔ اس سے پہلے میں نے کبھی شعر نہیں کہے تھے۔

حاجی صالح کو میں نے کہا کہ حضرت میاں جیو کی خدمت میں یہ صورتِ حال بیان کرے جب اس نے میری کیفیت بیان کی تو فرمایا: "مبارک ہے"۔ اسی دن سے میں کشمیر چلا گیا اور وہیں اقامت اختیار کرلی۔

اب آپ کا خانۂ مبارک طالبوں کا کعبہ اور حاجت مندوں کا قبلہ بنا ہوا ہے۔ آپ کا مسکن قلعۂ کشمیر کے درمیان کوہ ہری پربت کی وادی میں ہے جو بہت پُرفیض جگہ ہے۔ شہر کا اکثر حصہ وہاں سے نظر آتا ہے۔ آپ نے فرمایا: "اب زندگی بہت دلفریب ہوگئی ہے اور خوشی سے وقت گزرتا ہے۔ ہر چیز اور ہر شخص سے میں بے نیاز ہوں۔ جو شخص جو کچھ چاہتا ہے اور جو کہتا ہے، اس کے اقرار یا انکار اور ردّ یا قبول میں مجھے کوئی باک نہیں:

رُباعی

رائے گشتم زعالمِ دل پیدا تحقیق از آں راہ رسیدم بخدا
از پائی نشستم بہ تسلّی نفسے گو بر سرِ من شود قیامت برپا

(دلی کیفیت سے مجھے ایسا راستہ نظر آیا اور تحقیق اسی راستے سے خدا تک پہنچا
طمانیتِ قلب حاصل کرنے میں مَیں نے جدّوجہد ترک نہ کی اب میرے سر پر قیامت بھی آئے تو آئے)

بہ از توحیدم گہرے نیست مرا جُز معرفتِ حق ثمرے نیست مرا
گر خصم بجان و تنِ ما دست نہد با جانُ تنِ خویش سرے نیست مرا

(توحید سے بڑھ کر میرے لیے اور کوئی گوہرِ آبدار نہیں۔ معرفتِ ربانی کے سوا میرا اور کوئی مقصود نہیں
اگر دشمن میرے جسم و جان پر ہاتھ بھی ڈالے تو پروا نہیں کیونکہ مجھے میرے جسم و جان سے کوئی سروکار نہیں)

ہیں بہ آوازِ بلند کہتا ہوں کہ میں نے مقصدِ عالی کو پا لیا ہے اور مجھے سعادتِ خاص حاصل ہوئی ہے۔ یہ سعادت ریاضت اور مُجاہدہ کی کثرت سے نہیں بلکہ فضلِ ربّانی سے مجھے میسّر آئی ہے:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ[1]

(یہ خدا کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے دیتا ہے)

شروع شروع میں کچھ تنگیٔ نفس محسوس ہوتی تھی۔ حضرت میاں جیو رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کے مشائخ و اصحاب کو تنگی اور کشادیٔ نفس سے اکثر سابقہ پڑتا ہے لیکن جب سے مجھے یہ سعادت حاصل ہوئی ہے مجھ کو اور میرے اصحاب کو کبھی تنگی کی کیفیت محسوس نہیں ہوتی اور اب میرے طریقے میں تو کسی قسم کی تنگی ہے ہی نہیں:

مصرع　　　بسط بر بسط و بسط بر بسط است!

(بس اب کُشادگی پر کُشادگی اور کُشادگی پر کُشادگی ہے)

حقیقت یہ ہے کہ جس وقت سے یہ فقیر (دارا شکوہ) حضرت مُلّا شاہؒ کی خدمت میں آیا ہے، اس وقت سے مجھے کبھی تنگیٔ نفس محسوس نہیں ہوئی۔

ایک رات میں نے دیکھا کہ آپ بار بار اپنا بازو ہاتھ پر ملتے ہیں لیکن خوش ہوتے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ آپ کے دستِ مبارک کو کوئی تکلیف ہے کیونکہ اس تکلیف کا حال میں نے پہلے سنا تھا۔ میں نے دریافت کیا تو فرمایا: "جس کا محبوب پہلو میں ہو، وہ اسے گھڑی گھڑی سینے سے لگاتا اور ذوق و لذّت حاصل کرتا ہے۔" آپ کے اشارے کو میں سمجھ گیا:

فرد

از کنارِ خویش می یابم دمادم بُوئے یار　　　زاں ہمیں گیرم بہروم خویشتن را در کنار

---

[1] قرآن کریم ۲۸ الجُمُعَہ ۶۲ /۴

(اپنے پہلو سے مجھے دمبدم خوشبوئے یار آتی ہے اسی لیے میں ہر لحظہ اپنے آپ کو پہلو میں لیتا ہوں)

ایک مرتبہ آپ سے میں نے دریافت کیا کہ قُطب کا مرتبہ بلند ہے یا غوث کا، آپ نے فرمایا:

"قُطب، غوث، اوتاد اور ابدال اپنے اپنے مقام اور مرتبے پر ہیں۔ ہر ایک کو خاص خدمت سپرد کی گئی ہے۔ جو لوگ خواص الخواص ہیں اور جن کا وجود عزیز ہے ان کی ہستیاں منفرد ہیں۔ انھیں حق سُبحانَہٗ تعالےٰ کے سوائے کسی اور چیز سے سروکار نہیں۔ وہ کسی چیز سے بے نصیب نہیں۔ وہ محبُوب خدا ہیں"۔ حضرت کا یہ اشارہ خود ان کے اپنے مرتبے کی طرف تھا۔ کچھ عرصے بعد فقیر کے دل میں خیال آیا کہ اکثر اولیائے سلف قَدَّسَ اللہُ سِرَّہٗ کے مقامات و احوال کی کیفیت تو مجھے معلوم ہے اور کتابوں میں بھی ان کا ذکر آیا ہے لیکن حضرت اخوند سَلَّمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے مقامات کو میں نہیں سمجھا کہ وہ کیا ہیں؛ اور ان کا مرتبہ کیا ہے؛ ایک رات میں آپ کی خدمت میں بیٹھا ہُوا تھا کہ دفعتہً یہی خیال میرے دل میں آیا۔ حضرت میرے دل کی بات جان گئے اور فرمایا: "فُقرا میں سے بعض ایسے ہیں جن کا مرتبہ و مقام اس مرتبے پر پہنچا ہوتا ہے، کہ ان کے متعلق فرمایا گیا ہے:

بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ یَبْطِشُ وَبِیْ یَمْشِیْ"

(یعنی وہ مجھ سے سنتا ہے، مجھ سے دیکھتا ہے۔ مجھ سے پکڑتا ہے اور مجھ سے چلتا ہے)

لیکن اس مرتبے کے لوگ خال خال ہیں۔ یہ لوگ دوئی، غیر بینی اور خدمت سے قطعاً بری ہیں۔ اس لیے انھیں منفرد کہتے ہیں۔ اس سے مجھے اندازہ ہُوا کہ حضرت اخوند خود اپنے حال اور مقام کے متعلق یہ فرما رہے ہیں۔ فی الحقیقت آپ کے حال اور مقام کی بلندی اس درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی تھی اور اب تو حضرت اخوند اس منزل میں یکتا تھے۔

شیخ ابنِ عربی قَدَّسَ اللہُ سِرَّہٗ فرماتے ہیں کہ منفرد وہ لوگ ہیں جو قُطبیت کے دائرے

سے باہر ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام بھی انھیں ہیں سے ہیں۔ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بعثت سے پہلے انھیں میں سے تھے۔

شیخ جمال العارفین ابو محمد عبداللہ بصری قدس اللہ سرّہٗ فرماتے ہیں کہ خضر علیہ السلام نے بیان فرمایا: "میں نے ایک عجیب بات دیکھی کہ ایک مرد اور ایک عورت سمندر کے کنارے پر ایک گودڑی میں لپٹے ہوئے تھے وہ مجھے پہچانتے تھے لیکن میں انھیں نہیں جانتا تھا۔ وہ دیکھتے دیکھتے میری نظروں سے غائب ہو گئے۔ میں نے مناجات کی کہ یارب! اگرچہ میں اولیاء کا نقیب ہوں لیکن انھیں نہیں پہچانتا۔ آواز سنائی دی کہ اے ابو العباس! تو اولیاء کا نقیب تو ہے لیکن یہ وہ لوگ ہیں، جو مجھ سے محبّت کرتے ہیں۔ یہ اس گروہ کے لوگ ہیں جنھیں میں عزیز رکھتا ہوں۔

شیخ جمال العارفین نے کہا: "میں نے حضرت خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ احباب کے اس گروہ کا کوئی پیشوا تو ہوگا، جس کا رجوع حق تعالیٰ کی طرف ہو؟ انھوں نے کہا: "بیشک!" میں نے کہا" اس زمانے میں ایسا کون ہے؟" فرمایا: "شیخ محی الدین عبدالقادرؒ!۔ آپ منفرد لوگوں میں سے ہیں۔

نامور عارف مولانا عبدالرحمٰن جامیؔ نے بحرِ حقیقت شیخ محی الدین ابن عربی قدس اللہ سرّہٗ کی بہت تعریف کی ہے۔ اس بارے میں ان کے دقیق رُموز اور لطیف اشعار اکثر لوگوں کی زبان پر ہیں۔ آپ فرماتے تھے کہ مولانا جامی کی تصانیف میں سب سے بہتر "لوائح" ہے۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ اگر مولانا عبدالرحمٰن جامی وُجود میں نہ آتے تو شیخ محی الدین ابنِ عربی کے اَسرار و رُموز کون بیان کر سکتا تھا۔

ان مبارک ایّام میں حضرت مُلّا شاہؒ پر عظیم ذوق اور کُشادگی کی کیفیت ہے۔ ہمیشہ خوش و خرم خوش وقت اور شگفتہ رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ فقیر کو انھوں نے فرمایا کہ اس سے پہلے علمائے ظاہر اور زاہدانِ خشک نے اتنا آزردہ کیا تھا کہ ہم نے فیصلہ کر لیا، اب کسی کو ذکرِ حق میں مشغول نہیں کریں گے،

نہ کسی کو ہدایت دیں گے، نہ لوگوں سے ملیں گے اور لوگوں کی صحبت سے بھی دُور رہیں گے لیکن اب تمھاری خاطر پھر اس طرف رجُوع کیا ہے اور جو لوگ آئے ہیں انھیں ذکرِ حق میں مشغول کر دیا ہے اب یہ تمھارا احسان ان پر ہے۔

آج کل حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے طریقۂ عالیہ کے مطابق ہدایت کرنا اور تھوڑی مدت میں طالبوں کو منزلِ مراد تک پہنچانا حضرت مُلّا شاہؒ کے ذمّے ہے۔ان کا طریقہ یحیٰ معاذ رازیؒ کے طریقے کی طرح اُمید اور دل کی کُشادگی پر مبنی ہے چنانچہ انھوں نے ایک مرتبہ اس فقیر کو فرمایا کہ گریہ کرنا مَردوں کا شیوہ نہیں اور حق تعالیٰ نے جو فرمایا ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ[1]

(یاد رکھو اللہ تعالیٰ کے اولیا کو کسی قسم کا ڈر نہیں اور نہ ہی غمگین ہوتے ہیں)

یہ صفت میں نے مُلّا شاہؒ کی ذات میں دیکھی ہے۔ان کے اصحاب میں سے کسی کو بھی ان کی برکت سے حُزن و ملال نہیں ہوتا۔آج کل آپ اربابِ رائے میں سے ہیں اور اپنے طریقے کے بانی ہیں۔آپ بعض لوگوں کو حضرت میاں جیوؒ رح کے طریقے کی رُو سے اور اکثر لوگوں کو اپنے مخصوص طریقے کے مطابق مشغولِ ذکر کرتے ہیں۔اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا[2]

(جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کریں گے ہم انھیں عنقریب ہی اپنی راہیں دکھا دینگے)

شروع میں ازراہِ کرم حضرت مُلّا شاہؒ نے فقیر کو فرمایا تھا: "ہم تمھیں حضرت میاں جیوؒ رح کے طریقے کے مطابق ذکر میں مشغول کریں یا اپنے طریقے کے مطابق؟" میں نے عرض کی کہ مجھے ایسے

---

[1] قرآن کریم: ۱۱ یونس، ۶۲

[2] قرآن کریم: ۲۱ العنکبوت، ۶۹

طریقے پر مشغول فرمائیں جو حضرت میاں جیوؒ اور آپ دونوں کے طریقے کا جامع ہو۔ کچھ دن بعد فرمایا:
"جس طرح حضرت میاں جیوؒ نے مجھے مشغولِ ذکر کیا، اسی طریقہ پر میں نے روزانہ تمہیں تعلیم دی ہے"۔
ایک دن فرمایا: "حضرت میاں جیوؒ کا طریقہ بہت محنت طلب ہے اور طالب کو بہت مشقت کرنی پڑتی ہے کیونکہ یہ ترک و تجرید کے بغیر ممکن نہیں۔ ہم نے مُریدوں کے لیے بہت آسانی کر دی ہے اور ان کے بجائے ہم نے خود ریاضت کر کے انھیں ریاضتِ شاقہ سے فارغ کر دیا ہے۔ اب ہمارے طریقے میں تمام تر راحت، کُشادگی اور خوش وقتی ہے"۔ نیز فرمایا کہ آخری سال میں حضرت میاں جیوؒ کی خدمت میں مَیں نے ایک عریضہ ارسال کیا کہ بعض لوگ میری طرف سے آپ کی خدمت میں کچھ عرض کر رہے ہیں۔ اگر فرمائیں تو میں انھیں اپنا مُرید کروں ورنہ نہیں، اور اگر اجازت دیں تو میں آپ کے طریقے کے مطابق انھیں ہدایت دوں اور اگر فرمائیں تو میں اپنے طریقے کے مطابق ان کی رہنمائی کروں۔ انھوں نے جواب میں لکھا کہ مُریدوں کو تعلیم دیتے رہو اور جو طریقہ خدا سے ملانے کے لیے آسان اور نزدیک ہو تمھیں مبارک ہو اور اس کے مطابق تعلیم دو۔

ابنِ عطا قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ کہتے ہیں:

"یَشْغَلُكَ مَنْ یَدُلُّكَ عَلٰی رَاحَتِكَ لَا مَنْ یَدُلُّكَ عَلٰی تَعَبِكَ"۔

مولانائے رُوم رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے فرمایا ہے:

زچندین رہ بمہمانیت آورد   نیاوردت برای انتقام او

(کئی کئی طریقوں سے وہ ہمیں تمھاری مہمانی میں لایا۔ وہ ہمیں کسی انتقام کی غرض سے نہیں لایا)

فقیر سے انھوں نے یہ بھی کہا: "حضرت میاں جیو رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے متعدد بار مجھے فرمایا: "مُلّا شاہ! تو نے ہمارا چراغ روشن کیا ہے"! اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت مُلّا شاہؒ نے سلسلۂ قادریہ بلکہ تمام اولیاء کا چراغ روشن کیا۔ اس قحط الرّجال کے زمانے میں لوگوں کی ہدایت اور دین کے احیائے

کے لیے آپ ایسے کامل و اکمل، صاحبِ قدرت و تصرّف اور یکتائے معرفت و حقیقت بزرگ کا ظہور اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور نامحدود عنایت کی روشن دلیل ہے۔

ایک مرتبہ حضرت مُلّا شاہؒ نے فرمایا: "ہم نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ مشائخ کسی بوڑھے شخص یا نابینا کی تربیت نہیں کرتے تھے نہ انھیں ذکرِ حق میں مشغول کرتے تھے کیونکہ یہ کسی مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔ مرشد کو چاہیے کہ ان پر بے فائدہ بوجھ نہ ڈالے۔" مجھے اس بیان پر حیرانی ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم کی کوئی انتہا نہیں اور "اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ"[1] (مجھ کو پکارو میں تمھاری درخواست قبول کرونگا) کے مطابق وہ ہر سائل کو قبول کرتا ہے تو بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ کوئی ایسا شخص اس بارگاہ سے محروم رہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ کسی بوڑھے شخص کو ذکرِ الٰہی میں مشغول کروں۔ ایک مرتبہ میں ایک باغ میں مُراقبے میں تھا اور میرے اصحاب میں سے ایک شخص میرے پاس بیٹھا تھا، جب آنکھ کھلی تو ایک سفید ریش شخص نظر آیا۔ عمر اس کی ساٹھ سال کے لگ بھگ ہوگی وہ ہم دونوں کے درمیان بیٹھا تھا۔ خیال آیا کہ آزمائش کی غرض سے اس بوڑھے شخص کو ذکرِ الٰہی میں مشغول کردوں۔ دیکھیں اس پر کُشائش ہوتی ہے یا نہیں۔ جب میں نے غور کیا تو معلوم ہُوا کہ یہ تو کافر ہے۔ میں اب سوچ میں پڑ گیا کہ اُدھر مشائخ کی یہ بات، کہ جس کی عمر پچاس سال سے زائد ہُو اس پر کُشائش نہیں ہوتی، اِدھر یہ شخص کہ ہے بھی کافر! بہر حال میں نے خیال کیا کہ ہمت کرکے اپنی شمشیر کو آزمانا چاہیے۔ میں اس کی طرف متوجہ ہُوا اور اس پر اثر ڈالا۔ اللہ تعالےٰ نے اس کے دل کو کُفر سے پھیر دیا اور وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوگیا۔ پھر میں نے اسے ذکرِ الٰہی میں مشغول کردیا۔ اسے عظیم کُشائش نصیب ہوئی اور وہ مومن اور عارف ہوگیا۔ معلوم ہوا کہ یہ بات شیخ کے اپنے کمال پر منحصر ہے۔ شیخِ کامل ہر وقت اور ہر حالت میں جسے چاہے، مقام تک پہنچا سکتا ہے۔ حق سُبحانہٗ وتعالیٰ نے قدرت اور تصرّف کا یہ کمال اپنے خاص بندوں کو بخشا ہے کہ جوان، بوڑھا، کافر، ظاہری

---

[1] قرآن کریم: ۴۰ اَلْمُؤْمِنُ، ۶۰

نابینا، باطنی نابینا، غرض جو بھی ان کی خدمت میں آئے اُس پر کُشائش ہو جائے اس کے دل کا قُفل کھل جائے اور نابینا ظاہری اور باطنی بینائی پالے نیز ترک و تجرید اور ریاضت و مُجاہدہ کے بغیر عارف باللہ ہو جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

رباعی

شاہا داری خانۂ دلہا آباد   آباد ترا خانہ آبادی باد
زیشاں کہ توئی بفتح دلہا اُستاد   فتّاحِ قُلوب بایدت نام نہاد

(اے شاہ! تو دلوں کو آباد رکھتا ہے تیرا گھر آباد رہے تو دلوں کا قفل کھولنے کا اُستاد ہے
اس لیے تجھے فتّاحِ قُلوب کے نام سے خطاب کرنا چاہیے)

شعر

زہر کس نایدٔ این استادی شاگردی نہ ہر کوہے   بدخشان باشد و ہر سنگ ریزہ لعلِ رخشانش

(شاگردوں کی رہنمائی ہر کسی کو میسر نہیں نہ ہر پہاڑ بدخشاں ہے اور نہ ہر سنگ ریزہ لعلِ بدخشاں ہے)

یہ عنایت و مہربانی، مُرید پروری، تربیت و ارشاد، خوش خلقی اور احسان، جو حضرت ملّا شاہؒ کا نوعِ انساں پر ہے، کسی اور میں نہ دیکھا ہے، نہ سنا ہے۔ آپ اکثر فرماتے ہیں کہ ہر فرد میں عرفان کی استعداد ہے اور جو شخص ہمارے پاس آتا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اس کی استعداد ضائع نہ ہونے دیں، بلکہ اسے آگاہی بہم پہنچائیں اور کہیں:

رُباعی

مپسند بخویش از خدا دُوری را   ترجیح مدہ بوصل مہجُوری را
بینائی آگہی و کوری غفلت   بر بینائی افضلی مدہ کوری را

(خدا سے اپنی دُوری کو گوارا نہ کر۔ مہجُوری کو وصال پر ترجیح نہ دے۔ بینائی

آگاہی ہے اور غفلت کوری، اندھے پن کو بینائی پر فوقیت نہ دے)

انسان کو پیدا ہی عرفان حاصل کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ اي ليعرفون[1]

(اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں)

كُنْتُ كَنْزاً مخفياً فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ

(میں مخفی خزانہ تھا چنانچہ میں نے چاہا کہ مجھے پہچانیں لہٰذا میں نے مخلوقات کو پیدا کیا)

فرد

نکو رُو تابِ مستُوری ندارد   چو در بندی سر از روزن برآرد

(حسین چہرہ چھپا نہیں رہ سکتا جب تو اسے بند کر دے تو وہ رُوزنِ دیوار سے اپنا آپ ظاہر کرتا ہے)

تاکہ وہ ایمانِ حقیقی سے مشرف ہوں کیونکہ ان کے لیے کوئی دولت اور سعادت ایمانِ حقیقی کی طرح نہیں ہو سکتی۔ پیغمبر صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے جب شمشیر میان سے نکالی اور جہاد کیا تو وہ محض اس لیے تھا کہ توحید اور ایمانِ حقیقی کی اشاعت ہو۔ تمام انبیاء عَلَیہِمُ السَّلَام اسی کام پر مامور رہے۔

اس امت کے اولیاء کے لیے لازم ہے کہ توحید ایمانِ حقیقی مُردہ دلوں کو زندہ کرنے، دلوں کے قفل کھولنے اور خستہ جانوں کو شفا بخشنے میں سعی و کوشش کرتے رہیں۔ ہمارے سامنے مردہ دلوں کو زندہ کرنے، بند گرہوں کو کھولنے اور غفلت اور غیر بینی میں ڈوبے ہوئے انفاس کو باہر نکالنے سے بڑھ کر کوئی کرامت، مقام، حالت اور کشف نہیں۔ ذیل کی رباعی میں اسی مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے:

رُباعی

شاہا بردار ستر مستوران را   بینائی بخش دیدۂ کوران را

---

[1] قرآن کریم: ۲۷، الذّٰریٰت، ۵۶

نزدیک آورَ بغایتِ وصل زدُور　　　　از غایتِ نزدیکی خود دوران را

(شاہا! جو لوگ حقیقت سے دور ہیں ان کا پردہ ہٹا دے حقیقت ناشناس لوگوں کو دیدۂ بینا دے وہ لوگ دُور تو ہیں لیکن غایتِ وصال اور غایتِ نزدیکی سے انھیں قریب لے آ)

حضرت مُلّا شاہؒ جیسا کوئی کریم النفس دیکھنے میں نہیں آیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

رُباعی

این عالمِ دل کہ عالمِ عرفان است　　　　پیشِ مردان بیک نظر آسان است

دستِ کنگال و گنج بخشی فَاَفْہَمُ　　　　این شیوۂ ہمتِ جوان مردان است

(یہ دل کی دنیا جو حقیقت میں معرفت کی دنیا ہے اسے ایک نظر میں دیکھ لینا جوانمردوں کے لیے آسان ہوتا ہے سمجھ لے کہ تہی دست ہوتے ہوئے خزانے بخشنا جوانمردوں کا شیوہ ہے)

ایمانِ حقیقی حاصل کرنے پر آپ بہت زور دیتے ہیں۔ مجلس میں آنے جانے والوں سے اسی بارے میں گفتگو کرتے اور نصیحت فرماتے ہیں اور اپنی یہ رباعی پڑھتے ہیں:

گویم بتو از قصۂ عرفان بشنو　　　　از وادیِ اسلام و از ایمان بشنو

عرفان اگر این است پس ایمانِ تو ہیچ　　　　ایمان عرفانست ای مسلمان بشنو

(میں تجھے معرفت کا حال بتاتا ہوں اسے سُن! وادیِ اسلام و ایمان کی باتیں سُن۔ اگر عرفان یہ ہے تو پھر تیرا ایمان کیا ہے، اے مسلمان۔ عرفان ہی ایمان ہے۔ غور سے سُن)

ایک مرتبہ حضرت مُلّا شاہؒ نے فقیر کو کہا کہ حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا ہے کہ ایک دن میں نے ہزار آدمیوں کو مومن بنایا یعنی ایمانِ حقیقی تک جس سے مراد عرفان ہے، انھیں پہنچایا۔ اس فقیر نے کہا: "کیا آج بھی یہ ممکن ہے؟ فرمایا کیوں نہیں! پھر چار پانچ اصحابِ کبار کی موجودگی میں آپ نے مجھے خطاب کرتے ہوئے کہا: "اگر ہم، تم اور یہ جماعت لوگوں کو لے کر بیٹھیں

تو ہزار سے زیادہ لوگوں پر کشائش ہو سکتی ہے اور وہ ایمانِ حقیقی سے بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں۔ فی الواقع آپ نے جو فرمایا، وہ آپ کی قدرت، تصرّف اور کمال سے بعید نہیں۔ ان کی تھوڑی سی توجہ سے یہ سب کچھ ممکن ہے:

شعر

فیضِ رُوح القُدس، ار باز مدد فرماید　　دیگران ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

(رُوح القُدس کا فیض اگر پھر مدد فرمائے تو دوسرے بھی وہ کچھ کر سکتے ہیں، جو حضرت عیسٰیؑ نے کیا تھا)

ایمان کی تین قسمیں ہیں: ایمانِ عوام، ایمانِ خواص اور ایمانِ خواص الخواص۔

ایمانِ عوام یہ ہے کہ حق سُبحَانَہ تَعَالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہِ النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ الَّذِیۡ یُؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَ کَلِمٰتِہٖ وَ اتَّبِعُوۡہُ لَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ[1]

(سو ایسے اللہ تعالےٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی اُمّی پر جو کہ اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی پیروی کرو تاکہ تمھیں سیدھی راہ مل جائے۔)

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے:

"اَلۡاِیۡمَانُ اَنۡ تُؤۡمِنَ بِاللّٰہِ وَ مَلَآئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَ الۡبَعۡثِ بَعۡدَ الۡمَوۡتِ وَ الۡجَنَّۃِ وَ النَّارِ وَ الۡقَدۡرِ خَیۡرِہٖ وَ شَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ"

(ایمان اس کا نام ہے کہ تم خدا، فرشتوں (آسمانی) کتابوں، اللہ کے پیغمبروں، موت کے بعد جی اٹھنے، بہشت و دوزخ، خیر و شر کے اندازوں کو خداوند تعالےٰ کی طرف سے ہونے پر ایمان لاؤ)

ایمانِ خواص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتوں میں سے کوئی صفت دل پر تجلّی ڈالے اور مومن کے تمام اعضاء مُطیع و منقاد ہو جائیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنی صفات میں سے ایک صفت کی تجلّی حضرتِ موسٰی عَلَیۡہِ السَّلَام کے دل پر ڈالی، تو وہ گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو کہا:

---

[1] قرآن کریم: ۹ الاعراف، ۱۵۸

"تُبْتُ اِلَیْکَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ"[1]

(میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور یقین کرنے والوں میں سب سے پہلا ہوں)

ایمانِ اخص الخواص یہ ہے کہ انسان میں انانیت باقی نہ رہے۔ اس پر تجلّیٔ ذات ہو جائے اس کی ظاہری ہستی مضمحل ہو جائے اور وہ زمان و مکان اور قُرب و بُعد سے فارغ ہو جائے چنانچہ حق سُبْحَانَہٗ تَعَالٰی نے اس ایمان کی طرف اشارہ کیا ہے:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ"[2]

(اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسُول پر ایمان لاؤ)

یعنی اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، ایمانِ خواص بھی لاؤ اور اے وہ لوگو جو ایمانِ خواص لائے ہو، ایمانِ اخص الخواص بھی لاؤ۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے:

یَا مُعَاذُ اَتَدْرِیْ مَا حَقُّ اللّٰہِ عَلٰی عِبَادِہٖ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَی اللّٰہِ، قُلْتُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ: قَالَ فَاِنَّ حَقَّ اللّٰہِ عَلَی الْعِبَادِ اَنْ یَّعْبُدُوْہُ وَلَا یُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا تا آخر حدیث

یعنی اے معاذ! تو جانتا ہے کہ بندے پر خدا کا حق کیا ہے اور بندوں کا حق خدا پر کیا ہے؟ اس نے کہا کہ خدا اور رسُول بہتر سمجھتے ہیں۔ پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: "خدا کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی پرستش کریں اور اس کے ساتھ کسی غیر کو شریک نہ سمجھیں اور اس کے سوائے کسی اور کی طرف متوجّہ نہ ہوں۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا شبِ معراج میں بعینہٖ یہ حال تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

---

[1] قرآن کریم: ۹/۷/۱۴۳

[2] قرآن کریم: ۵ اَلنِّسَآء، ۱۳۶

"مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی[1]"

(نگاہ نہ تو ہٹی نہ ٹیڑھی ہوئی)

یعنی چشمِ پیغمبرؐ نے غیر کی طرف توجہ نہیں کی۔ نیز فرمایا:

"فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی[2]"

(سو دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم)

اور جب وہاں سے آگے بڑھے تو "اَوْ اَدْنٰی" کے مرتبے پر پہنچے اور پھر فرمایا:

"فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی[3]"

(پھر اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمائی تھی)

ایسے ایمان کی اس آیۂ کریمہ میں خبر دی ہے:

"اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ[4]"

(پس ایمان جو رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے منسوب ہو یقین ہے کہ وہ ایمانِ حقیقی ہوگا۔)

اگرچہ ابتدا میں اس فقیر (دارا شکوہ) کی نسبت حضرت غوث الثقلین، ابو محمد شاہ محی الدین سیّد عبدالقادر جیلانیؒ کے مقدس آستانے کے کتوں کے زمرے میں تھی اور زمانۂ طفولیت سے آج تک کہ اٹھائیس سال ہو گئے ہیں، میں نے تمام حالات اور اوقات میں باطنی طور پر آپ ہی کی مقدس اور منوّر روح سے پرورش پائی ہے ہر جگہ اور ہر وقت آپ نے میری مدد اور اعانت فرمائی

---

[1] قرآنِ کریم: ۲۷/ النّجم ۱۷

[2] قرآنِ کریم: ۲۷/ النّجم ۹

[3] قرآنِ کریم: ۲۷/ النّجم ۱۰

[4] قرآنِ کریم: ۳/ البقرۃ

ہے اور حق بات یہ ہے کہ آپ نے زانو بہ زانو بٹھا کر اس بندہ شرمندہ کی تربیت کی ہے لہٰذا یہ فقیر امیدوار ہے کہ اس کے بعد بھی دنیا و آخرت میں وہ میرے دست گیر ہوں گے لیکن حیاتِ ظاہری میں حضرت پیر دستگیر میاں جیو رَحمَۃُ اللہِ عَلَیہ نے اس عاجز پر کمال عنایت کی تھی اور وفات کے بعد بھی اویسی طریقے پر اس مُرید کی تربیت کی۔

ان مبارک ایام میں جب یہ فقیر (دارا شکوہ) کشمیر میں حضرت اخوند سَلَّمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی باسعادت خدمت سے مشرّف ہوا تو بدرجۂ کمال میری تربیت فرمائی اور انتہائی لطف و کرم کیا، جو تحریر و تقریر سے بالا ہے۔ مجھے آپ نے ذکرِ الٰہی میں مشغول کیا اور جو میں چاہتا تھا، وہ مجھے تھوڑے ہی عرصے میں ان کی صحبت، خدمت اور ارشاد کی برکت سے میسّر آ گیا۔ جو کرم آپ مجھ پر کرتے، وہ ان اصحاب پر بھی نہیں کرتے تھے، جو بیس تیس سال آپ کی خدمت میں رہے، جیسا کہ آپ کے بیشتر مکتوباتِ گرامی سے ظاہر ہوگا، جو آپ نے اس فقیر کو لکھے۔ آپ نے انتہائی شفقت اور مہربانی سے بہت سی باتیں جو اس فقیر کے متعلق فرمائی تھیں، ان کے لکھنے میں حجاب مانع ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک رات جب آپ کو بہت خوش و خرّم دیکھا تو عرض کی کہ ایسی خوشی، سُرور اور تر و تازگی اور نُور اس فقیر نے کسی کے چہرے پر نہیں دیکھا۔ آپ مسکرائے اور کمالِ عنایت سے اس مُرید کو فرمایا: "ہم نے بھی آپ جیسے چہرے کی خوبی کسی میں نہیں دیکھی"۔ فقیر اٹھ کر آداب بجا لایا۔

ایک دن آپ نے مجھے اجازت عطا فرمائی کہ اس گروہ کے طالبوں کو ارشاد اور ہدایت کروں مکرر تلقین بھی فرمائی اور اس بات پر زور بھی دیا لیکن فقیر نے پاسِ ادب سے یہ نامناسب سمجھا کہ شاید یہ عظیم کام مجھ سے بن نہ پڑے، یہ خیال بھی آتا تھا کہ انھیں کچھ ہدایت کر بھی سکوں گا یا نہیں اور پھر حق سُبحَانَہٗ تَعَالٰی مجھے اس طریقے پر استقامت بھی دے گا یا نہیں نیز دوسروں کی گشائش مجھ سے ہو بھی سکے گی یا نہیں لیکن آپ نے فرمایا تھا اس لیے بالآخر میں نے یہ فرض اپنے ذمّے لے لیا۔ بعض علمأ

جنھوں نے یہ سنا مجھے ملامت کی۔ میں گھر آیا۔ اسی خیال میں تھا کہ قرآنِ مجید سے، جس کے ساتھ "تفسیرِ حسینی" بھی شامل کی گئی تھی، استخارہ کیا تو یہ آیۂ کریمہ نکلی :

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ [1]"

"تفسیرِ حسینی" میں اس آیت کی یہ تفسیر کی گئی ہے کہ ہم نے قوموں میں سے ہر گروہ کے لیے ایک خاص دین اور شریعت قائم کی ہے، جسے انھوں نے ہمارے حکم سے قبول کیا ہے۔ پس نہیں چاہیے کہ وہ تم سے دین کے بارے میں نزاع کریں کیونکہ تمھارے دین کے احکام اس سے کہیں بالا ہیں کہ ان میں نزاع تصور بھی کیا جاسکے۔

مصرع

در نورِ آفتاب، چہ جای تامل است

(آفتاب کے نور کے ہوتے ہوئے اس پر غور و تامل کرنے کی کیا ضرورت ہے)

لوگوں کو تم صحیح طور پر اپنے پروردگار کی عبادت اور توحید کی تلقین کرو، خواہ وہ تم سے لڑیں جھگڑیں کیونکہ تم بے شک راستی پر ہو۔ حق ظاہر ہو گیا ہے اور حکم لازم ہو چکا ہے تم انھیں کہو کہ دشمنی اور جھگڑے جو تم کرتے ہو، خدا انھیں خوب جانتا ہے اور وہ تمھیں اس کا بدلہ دے گا۔

میں نے اپنی یہ سرگذشت جب حضرت کی خدمت میں عرض کی تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا: "بہت اچھا ہوا کہ اس کی اجازت تم نے حق سُبحانہٗ تعالیٰ سے بھی حاصل کر لی تمھیں مبارک ہو اور مسکراتے ہوئے فرمایا: "شاید تمھارے اعتقاد میں ابھی کچھ شبہ رہ گیا تھا!" میں نے عرض کی کہ یہ استخارہ شبہے کی بنا اور انکار کی غرض سے نہ تھا بلکہ دلی اطمینان کی خاطر تھا، چنانچہ حضرت

---

[1] قرآن کریم: ۱۷/ الحج ۲۲: ۶۷، ۶۸

ابراہیم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا تھا:

رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی[1]

(اے پروردگار مجھے دکھا کہ تو مُردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے)۔

حق سُبحانہٗ تعالیٰ نے فرمایا:

اَوَلَمْ تُؤْمِنْ[2]

(کیا اس بات پر تیرا ایمان نہیں)

حضرت ابراہیمؑ نے کہا:

بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ[3]

(صرف اس وجہ سے کہ میرے دل کو تسلّی ہو جائے)

جب قرآنِ کریم سے جو درحقیقت خدائے تعالیٰ سے بے واسطہ باتیں کرنا ہیں، اس قسم کی واضح آیت اور صریح حکم ظاہر ہُوا تو فقیر اسے اپنی سعادت سمجھا اور شکر بجا لایا۔

ایک مرتبہ حق تعالیٰ کے دیدار کے مسئلے پر فقیر کو مشکل درپیش تھی۔ کچھ شُبہ سا دل میں پیدا ہُوا۔ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کی۔ حضرت نے اس کا جو جواب دیا، اس سے ایک مشکل تو حل ہو گئی لیکن دوسری بات جو بہشت میں حق تعالیٰ کے دیدار کے متعلق میں نے دریافت کی تھی، اس کے متعلق تسلّی نہ ہوئی۔ مجھے یقین تھا کہ حضرت کا جواب میری سمجھ میں نہ آسکا اور پاسِ ادب سے دوبارہ پوچھ بھی نہ سکا۔ اور پھر ان کی ہیبت بھی بہت ہے چنانچہ حضرت اخوند کی مجلس میں کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ بات کر سکے یا ہنسے

---

[1] قرآنِ کریم: ۳ اَلْبَقَرَۃ ، ۲۶۰

[2] قرآنِ کریم: ایضاً

[3] قرآنِ کریم: ایضاً

یا کسی قسم کی بے ادبی کا مرتکب ہو۔ اصحاب پر بے مثال لطف و کرم ہونے کے باوجود آپ جیسا رُعب و دبدبہ میں نے کسی میں نہیں دیکھا۔

وہاں سے اُٹھا تو شبہ ابھی باقی تھا بلکہ یہ شُبہ میرے دل میں جاگزیں تھا۔ راستے میں مَیں نے سرورِ کائنات، بہترینِ موجودات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی رُوحِ پُرفتوح کی طرف توجہ کی تو کیا دیکھتا ہُوں کہ آنحضرتؐ کی رُوحِ طیّب خلفائے راشدین رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن کے ارواح کے ساتھ تشریف فرما ہے۔ آنحضرتؐ سے میں نے اسی مسئلے کے متعلق عرض کیا۔ سیّدِ کونین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے جواب میں فرمایا: "کیا تم اللہ تعالیٰ کو قادرِ مطلق سمجھتے ہو کہ وہ جس طرح چاہے اپنا آپ مومنوں کو دکھائے؟"۔ یہ سُن کر دفعتہً میری مشکل حل ہوگئی اور شُبہ رفع ہوگیا۔ جب میں پھر حضرت اخوند کی خدمت میں حاضر ہُوا اور یہ واقعہ عرض کیا تو آپ بہت خوش ہُوئے اور فرمایا: "ایسا ہی ہے اور جنھوں نے یہ جواب تمھیں دیا، انھوں نے ہمیں بھی یہی فرمایا ہے اور یہ جواب احاطۂ تحریر میں لانے کے قابل ہے۔ لہٰذا اسے لکھ لو"۔

جمادی آلاخر کی ساتویں تاریخ کی رات فقیر ایک ضروری کام کی خاطر رخصت لینے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا تو اس وقت چند یارانِ کامل اور اصحابِ خاص وہاں موجود تھے۔ آپ اصحاب کا حال بیان فرما رہے تھے۔ مُلّا سعید کے متعلق فرمایا کہ وہ صحیح النّسب سیّد ہیں۔ انھوں نے کمال فضیلت حاصل کی ہے۔ تیس سال سے ہم اور وہ یک جا ہیں کشمیر میں ہمارے مقیم ہونے کی وجہ بھی یہی ہے۔ کیونکہ انھوں نے خود یہاں سکونت اختیار کرلی ہے اور ہمیں کسی دوسری جگہ جانے نہیں دیتے۔ آج کل یہ طریقت میں بہت کامل ہیں اور عارف باللہ ہیں۔ ہم کبھی بعض لوگوں کی تربیت ان کے سپرد کر دیتے ہیں۔ ان کے فرزندوں کو ہم اپنا فرزند سمجھتے ہیں اور ان سب کو ہم نے فضیلت دی۔

مُلّا سنگین ہمارے طریقے میں آنے سے پہلے اہلِ سیف تھے اور جوانمردی کے جوہر دکھاتے

تھے، اور اب جو یہ اس طریقے میں آئے ہیں تو یہاں بھی اسی طرح جوانمردی، دلیری اور ذوق و وجد سے عمل پیرا ہیں۔ اپنا کام انھوں نے مکمل کر لیا ہے۔ میں نے ایک گروہ کی تربیت ان کے سپرد کی ہے۔

آپ کمالِ مہربانی سے مُلّا سنگین کو ہمیشہ "دیوانہ" کہہ کر خطاب کرتے ہیں۔ فنافی الشیخ، جس کا ذکر اکابر سے سنا ہے، وہ مُلّا سنگین پر صادق آتا ہے۔ کیا رفتار! کیا دستار! اور کیا اشعار! غرض ہر بات میں مُلّا سنگین حضرت سے مشابہت رکھتے ہیں۔

مُلّا محمد امین کشمیری کے متعلق فرمایا کہ یہ فضلائے شہر میں سے ہیں۔ انھوں نے مُروّجہ علوم کی تحصیل کی ہے، درس بھی دیتے ہیں۔ بہت خوش خط ہیں۔ طبع موزوں رکھتے ہیں۔ راہِ سلوک میں آکر قدم خوب جمایا ہے اور بہت اچھے طریقے سے یہ مسلک اختیار کیا ہے جیسی ظاہری فضیلت حاصل کی ہے، ویسی ہی باطنی فضیلت بھی انھیں میسّر ہے۔

مُلّا عبدالنبی کے متعلق ارشاد ہوا کہ یہ اس شہر کے فضلاء میں سے ہیں۔ انھوں نے باطن کو آراستہ کر لیا ہے۔ ان کا وقت ہمیشہ خوشی سے گزرتا ہے۔ جہاں ہم سیر کو جاتے ہیں اکثر ہمارے ہمراہ یہ بھی ہوتے ہیں۔

ایک اور حاجی عبداللہ تھے جنھیں اس فقیر (داراشکوہ) کی التماس پر آپ نے ذکرِ الٰہی میں مشغول فرمایا تھا اور (لاہور سے کشمیر) آکر آپ کی بابرکت صحبت سے مُشرّف ہوئے تھے۔ ان کے متعلق فرمایا کہ حاجی ان دنوں سرگرمی سے مشغول ہے۔ اس پر تمھارا بہت حق ہے کیونکہ تمھاری خاطر ہی ہم نے حاجی کو قبول کیا تھا۔

بعد ازاں کافی عرصے تک اصحابِ مذکور کے ساتھ حضرت کی خدمت میں بیٹھا رہا اور حقائق و معارف اور گہرے رُموز کی باتیں ہوتی رہیں۔ آخر آپ نے مجھے اجازت دی۔ مجھے انھوں نے دستِ مبارک سے عنایت نامہ تحریر فرمایا کہ جو اصحاب شبِ قدر میں، یعنی اسی رات موجود تھے، دُعا

دیتے ہیں۔ پھر فقیر کو خطاب کر کے فرمایا: "تم ہمارے اصحاب کو نصیحت کرنا کیونکہ تمھاری عقل ان سب سے زیادہ ہے تم ان سے باتیں کیا کرنا کیونکہ مجھے یہ پسند ہے۔ اگر ہمارے درویشوں میں سے کوئی حد سے بڑھ کر بات کرے تو اسے تنبیہہ کرنا اور باز رکھنا۔

فقیر نے رخصت ہوتے ہوئے آپ کی خدمت میں دو باتیں عرض کی تھیں؛ ایک یہ کہ دُعا کیجیے کہ میں ایمانِ حقیقی کی سلامتی کے ساتھ اس دنیا کو چھوڑوں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ یقیناً عارف کا خاتمہ خیر و خوبی سے ہوتا ہے۔ اسے کوئی خوف اور رنج نہیں ہوتا کیونکہ بُعد وہجران اس پر حرام ہے۔ اس کے باوجود ہم دعا کرتے ہیں۔ پھر دستِ مبارک اٹھائے اور دُعا کی۔

دوسری عرض یہ تھی کہ اگر فقیر سے کبھی کوئی خطا یا بے ادبی سرزد ہوئی ہو تو معاف فرمادیں، نیز اگر اس فقیر کے متعلق کوئی ایسی ویسی بات کہے، تو اس پر یقین نہ فرمائیں آپ کی عنایت سب کی نسبت مجھ پر زیادہ رہی ہے (خیال ہے) کہیں ایسا نہ ہو کوئی کہے کہ اس کا میل جول بعض دوسرے درویشوں اور مشائخ سے ہے اور ان کی باتیں سیکھتا ہے اور حضرت کو یہ بات ناگوار گزرے، کیونکہ اس گروہ میں غیرت بہت ہوتی ہے۔ حضرت کی رضامندی میرے لیے دنیا اور عقبیٰ کی نجات کا وسیلہ ہے۔ فرمایا: "ہم تم سے خوش ہیں اور ہماری کمال رضامندی اور خوشنودی تمھیں حاصل ہے۔ جس روز سے تم نے ہمارے پاس آنا شروع کیا ہے اور اس عرصے میں جو قدم بھی تم نے اٹھایا ہے، وہ از روئے ادب اور ہماری خواہش کے موافق اُٹھایا ہے۔ راہِ طریقت میں جس طرح تم ہماری خواہش کے مطابق چلے اور کوئی نہیں چلا۔ تمھارا مُرشد خود اللہ تعالیٰ تھا جس نے بغیر کہے اور تعلیم دیے اپنے بندے کو اس طرح راہ پر ڈال دیا تمھاری روش عین ہماری مرضی کے مطابق رہی ہے تمھارے متعلق کوئی ہمیں کیا کہے گا، تمھارا خدا ایک ہے اور اس خدائے واحد تک ہم نے تمھیں پہنچایا ہے۔ کوئی اور خدا نہیں جس تک دوسرے مشائخ تمھیں پہنچائیں گے۔" اس گفتگو کے بعد میں اٹھا اور آپ کے پائے مبارک پر اپنا سر رکھا۔ پھر (اُٹھا تو) فقیر کے ساتھ آپ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مجھے رخصت

کیا اور فرمایا: "جو لوگ آج کل ہم سے وابستہ ہیں، ان سب کو ہم تمھارے سپرد کرتے ہیں۔ ہم نے انھیں کہہ بھی دیا ہے۔ اس گروہ سے تم باخبر رہنا۔ ہمارا طریقہ یہ ہے کہ اصحاب سے گفتگو جاری رکھی جائے تاکہ سب کی استعداد درست رہے۔

باوجودیکہ حضرت اپنے مخلصوں، دنیا داروں، مریدوں اور یاروں کے آنے پر بغرضِ تواضع کھڑے نہیں ہوتے کیونکہ ان کا طریقہ نہیں، لیکن مجھ پر آپ بے حد شفقت اور انتہا درجے کی عنایت فرماتے ہیں۔ میں جس وقت بھی ان کی بابرکت خدمت میں، جو میرے لیے سعادتِ دارین اور نیک بختی کا گنجینہ ہے، حاضر ہوتا اور پھر جب وہاں سے رخصت ہوتا تو حضرت کھڑے ہو کر تواضع فرماتے۔

مُلّا سعید نے فقیر کو پیغام بھیج کر بتایا کہ آپ کے چلے جانے کے بعد حضرت نے فرمایا تھا کہ اس نوجوان سے ہمیں امید ہے کہ طریقۂ قادریہ کو رواج دے گا اور اکثر لوگوں کو اس سے ہدایت حاصل ہو گی۔

مُلّا سنگین نے کہا کہ ایک دن حضرت نے فرمایا: "اے دیوانے! ہم نے اکثر لوگوں کو ذکرِ الٰہی میں مشغول کیا اور امید تھی کہ یہ ہمارے طریقے کو رواج دینگے لیکن کسی سے یہ امید پوری نہ ہوئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، کہ اس آدمی زادہ جوان سے ہمیں امید ہوئی ہے کہ یہ ہمارے طریقے کو رواج دے گا اور ہماری خواہش اور ہمارے مُدعا کے مطابق عمل کرے گا اور (رُشد و ہدایت کی) گفتگو جاری رکھے گا۔

فقیر کو انھوں نے کبھی نام لے کر خطاب نہیں کیا۔ جب اصحاب میں میرا ذکر آتا تو "جوان و آدمی زادہ" کہہ کر بات کرتے۔ فقیر پر انتہائی عنایت ہونے کی وجہ سے آپ نے ایک غزل کہی اور فقیر کو ارسال فرمائی۔ غزل یہ ہے:

غزل

اے بے خبر ز عالمِ رازِ نہانِ دل　　　رُو نے شود ترا کہ شوی ہمزبانِ دل

دانستہ ای اگر افلا تبصرون! حق — حق گفت: انا الحق و نزنی در دہانِ دل

دانستہ ای کہ چیست دل اے بیخبر زِ دل — اے بے خبر زمرتبۂ لامکانِ دل

شاہنشہی مُلکِ حقیقت مسلّم است — تا کیست محرمِ حرمِ آستانِ دل

پیوستہ شُد ز آفتِ صیاد در نجات — مرغے کہ جا گرفت در آن آشیانِ دل

دلخواہ راہِ دل ز فلکہاست برتر آن — دامانِ مردمی شود ت ز دبانِ دل

پامال حال قال شود سرِ احمدیست — از دل نشستہ علم و رق نکتہ دانِ دل

شاہِ جہانِ عالمِ تن نیست، شاہیئے — شاہِ جہانست کُو شدہ شاہِ جہانِ دل

صاحبقرانِ اوّل و ثانی قرین چیست — دارا شکوہِ ماشدہ صاحبقرانِ دل

آخر ز کائناتِ متاعِ دو کون را — کرد اُو بدستِ خود ز متاعِ دکانِ دل

گر جُزو وکُل شود چہ عجب ذرّہ آفتاب — شُد بادشاہِ کُل کہ شُد او پاسبانِ دل

فضلِ خدا است چون رمہ بستہ گردن اند — شاہانِ عصر تا کہ شُدہ او شبانِ دل

توفیق یافت صاحبِ دل شد ز علمِ شاہ — خود نیک گشت واقفِ سُود و زیانِ دل

حضرت جو رقعات اور مکتوبات اپنے مخلصوں اور معتقدوں کو تحریر فرماتے ہیں، حقائق، دقائق، لطائف، نکات اور رُموز پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان مکتوبات میں سے جو حضرت سے وداع ہونے کے بعد آپ نے اس فقیر کو لکھے، ان میں سے چند تبرک اور تیمن کی خاطر اس کتاب میں درج کیے جاتے ہیں

"دولتِ دیدار نصیب!۔ جو خط تم نے شیخ محسن قاصد کے ہاتھ بھیجا، موصول ہوا، مضمون سے اطلاع پائی، اور ان مطالب سے، جو سر تا سر اظہارِ محبت و شفقت تھے، آگاہی ملی۔ ایسا کیوں نہ ہو؟ اگر نہ ہو تو شرافت اور نجابت کا اور مصرف کیا ہو گا اور اس متاعِ عالی کی قدر عالی مرتبہ لوگوں کے سوا اور کون جان سکے گا؟

مصرع

قدرِ زر زرگر بداند قدرِ جوہر جوہری

(سونے کی قدر سنار ہی جانتا ہے اور جوہر کی قدر جوہری)

اس بات کے تصوّر سے کہ تم اس کام میں مشغول ہو خداوند ہی جانتا ہے کہ مجھے کس قدر خوشی اور بالیدگی ہوتی ہے اور یہ بھی سوچتا ہوں کہ برعکس اس کے اگر لحظہ بھر کے لیے تم سے غفلت ہو جائے تو اس خوش دلی اور بالیدگی میں کس قدر کمی واقع ہو گی۔ آخری بات یہ کہ تم ایسے عالی جناب اور عالی شعور پر بھروسا کر کے میں اپنے آپ کو تسلی دیتا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ اور اس کی شان و بزرگی کو پیشِ نظر رکھو تو ممکن ہے کہ غفلت جو (روحانی) عیش و سُرُور کی بُنیاد کھودنے والی ہے، کبھی قریب نہ آنے پائے۔ دربارِ حقیقت میں باریابی پانے والوں کو ہماری طرف سے دعائے فراواں۔ نیز اس بات کا خیال رکھنا کہ وہ تمھارے سپرد ہیں۔

دولتِ دیدار نصیب! امید ہے کہ حق سُبحانَہٗ وَتَعَالیٰ اپنے آشنا کو اپنے سے دور نہیں رکھے گا، جیسا کہ ارشاد ہوا:

مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا فَقَدْ تَقَرَّبْتُ اِلَیْہِ ھَرْوَلَۃً

(جو میری طرف ایک بالشت بھر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں)

پس اس کا دوڑنا کس مرتبے کا ہو گا۔ تسلی رکھو کہ ایک بار پہچان لینے کے بعد نہ پہچاننا محال ہوتا ہے۔ اس امر کا ذکر اکثر جگہ آیا ہے لیکن کوشش چھوڑنی نہیں چاہیے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے انسان کی قوت اور طاقت اسی دن اور اسی کام کے لیے ہے۔ قوت اور طاقت کو اسی کی طرف مصروف

رکھنا چاہیے (خصوصاً یہ اس شخص کے لیے ضروری ہے جس نے راہ پالی ہے) اگر رستہ پالینے والا ایسا نہ کرے تو اس کے دعویٰ عاشقی پر افسوس ہے۔

دولتِ دیدار نصیب! خدا آپ کو محفوظ و مامون رکھے۔ آمین!

مثنوی

یک نفس بے اُو برآوردن خطاست — چہ بکج رُو با زمانی چہ براست

چوں ترا خود اندک آمد بند راہ — چہ بکوہے بازمانی چہ بکاہ

(حق تعالےٰ کے بغیر ایک سانس لینا بھی خطا ہے خواہ تو اس کی طرف سے منہ موڑے خواہ اس کی طرف متوجہ رہے اگر راستہ تمھارے لیے بند ہے تو خواہ وہ پہاڑ کی وجہ سے بند ہو یا کاہ کے سبب)

مصرع

بارہا گفتہ ام و بار دگر میگویم

(بارہا میں نے یہ کہا ہے اور ایک بار پھر یہ کہتا ہوں)

مجھ دیوانے کو گفتگو کی وادی میں لائے ہو تو ناچار مجھے اس وادی کے متعلق کچھ کہنا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ کس کے متعلق یہ کہنا بہتر ہو گا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ بہر حال میں خود اسی صورتِ حال کے متعلق گفتگو کرنا چاہتا ہوں اور صرف بہانہ ہی ڈھونڈتا ہوں میرا مقصد یہی ہے اور ظاہر ہے کہ مقصد تمھارا بھی یہی ہو گا۔ اب یہ تمھاری ہمت ہے۔ اہلِ ہمت سے (فیض) حاصل کرو اور موجودہ وقت کے لیے اسے صرف کرو۔ زیادہ کیا کہوں! معلوم نہیں بات کہاں تک پہنچے۔ ڈرتا ہوں۔ وقت نازک آپڑا ہے۔ دیکھیں کیا گزرتی ہے تقریر اور تحریر کا تعلق اس شخص سے ہے جو اپنی ہوس کی حفاظت کرنا مصلحت نہ سمجھے۔

دولتِ دیدار نصیب ! اگر ایک بار کسی بزرگ کی انتہائے بزرگی پر نظر ڈالی جائے اور اُسے بے پایاں بے حد اور بے جہت سمجھا جائے تو علم، فکر اور عقل کے ذریعے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس بزرگ کا مرتبہ کیا ہے۔ زمین و آسمان کی وسعتوں پر نظر ڈالی جائے تو انھیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر ایسی ہستی پر نظر ڈالی جائے جس کی کوئی حد اور انتہا نہیں تو کیا معلوم ہو سکے گا؛ اسے تو صرف چشمِ خریدار ہی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ چونکہ تم اس حقیقت سے شناسا اور آگاہ ہو اس لیے فکر و ملاحظہ کی وادی کی طرف بس اشارہ ہی کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ اشارہ تم نہ سمجھ پاؤ تو کسی دوسرے کے لیے اسے سمجھنا کیونکر ممکن ہے۔ (باوجود ان اوصاف کے) پیغمبرِ شریعت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی وادیٔ حمد و ثنا میں فریاد کی۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف جس کے نام پر میری جان فدا ہے، کس زبان سے کی جا سکتی ہے۔ اس ذاتِ پاک کے مقابلے میں واصل کی حقیقت کیا ہے؛ اور کامل کی بساط کیا ؟ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے راست بیانی میں کمی نہیں کی۔ جو فرمایا ہے، درست فرمایا ہے اور وہ عارف کی عقل، فکر اور فہم کے عین مطابق ہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ مِنْہُ (اللہ اس سے بڑا ہے) چونکہ اللہ تعالیٰ ہر بیان سے بالا ہے، آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ بھی کیا کرتے۔ البتہ حضورِ شوق اور عشق کو بروئے کار لائے، اپنی قوت صرف کی اور اپنی پوری صلاحیت سے کام لیا۔ جو شخص اس حقیقت سے آگاہ ہے وہ اچھی طرح قیاس کر سکتا ہے کہ وہ کیا ذات ہے ! کیا ذاتِ عزیز ہے ! کیا ذاتِ عظیم ہے ! اور کیا ذاتِ خالق ہے کہ تمام کام اسی کی مرضی سے ہوتے ہیں اور تمام ہونے والی باتیں اسی کے سبب ظہور میں آتی ہیں۔ اس کے سوائے اور کوئی نہیں۔ پس سعادت مند شخص وہ ہے جو کاموں کو اس سے متعلق سمجھے۔ اس میں شک نہیں کہ ہر شخص کا دل اسی طرح کا ہوتا ہے جس طرح کے اس کے معلومات ہوتے ہیں۔ چنانچہ عالموں کا دل علم اور اس کے مطالب یعنی مسائلِ عالم سے عبارت ہے۔ زاہدوں کے دل میں زہد، تقویٰ، خوفِ دوزخ، آرزوئے بہشت اور حصولِ مقصد پر عمل پیرا ہونے کی تمنا ہوتی ہے۔ عارفوں کا دل یہ چاہتا

ہے کہ جو کچھ انھیں معلوم ہُوا، اسے دیکھیں کہ کیا ہے ؟ (زہے نصیب) کیا خوب ہے ان کا علم! اور کیا اچھے ہیں ان کے معلومات! اور کیسے (بلند مرتبہ) ہیں وہ اہلِ علم! وہ شخص سعادت مند ہے جو اس علم سے معلوم تک پہنچا ہوا اور جب معلوم پر اس کی نظر پڑے، تو وہ اپنے آپ کو دل سے ہٹا دے اور معلوم سے وابستہ ہو جائے گویا حقیقی ہستی میں مبدّل جائے۔ اس صورت میں جس کے ساتھ وہ اپنے دل کو وابستہ کرتا ہے، خود وہی وہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کا جسم اور دل وجان ایک ہو جاتے ہیں۔ جب کسی صاحبِ شعور، جو قطرے کی مانند ہے، کی نظر ناپیدا کنار سمندر پر پڑتی ہے، تو وہ قطرے ہی میں مقیّد کیوں رہے جب تک (اپنی ہستی سے) واقف نہیں، وہ قطرہ ہی ہے۔ جب وہ اس سے واقف ہو جاتا ہے تو قطرے کی قید سے خلاصی پا لیتا ہے۔ اس کا جُزوی علم، کلّی علم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ بلکہ جہاں وہ پہنچتا ہے، وہاں علم اور جہل کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ تعیّنات سے قطع نظر کر کے اگر خالصتاً ذاتِ مطلق کی طرف توجہ کی جائے اور عالمِ اطلاق میں اس کی صفات دیکھی جائیں، جن کا (دیکھنے والے کو) علم ہو چکا ہے تو عالمِ اطلاق، عالمِ اطلاق نہیں رہتا بلکہ وہ صفات میں محدود ہو جاتا ہے۔ گویا پھر وہ وحدت سے کثرت کی طرف آتا ہے۔ میں نے اپنے رسالوں میں (یہ حال) تفصیل سے لکھا ہے اگر مطالعہ سے گزریں تو جو مشکلات ہونگی، وہ حل ہو جائیں گی۔

دولتِ دیدار نصیب!

مہربانیت را شماری نیست　　　　زندگانیت را شمار مباد

(تیری مہربانیوں کا کوئی شمار نہیں؛ اسی طرح تیری زندگی کے دنوں کا بھی کوئی شمار نہ ہو)

"بغداد و شخصوں کے حالات اور ان کی بے اعتدالیوں کا جو تم نے ذکر کیا ہے۔ یہ ہم پر تجھالیے اِشراق، کشف اور خارق کی صورت میں ظاہر ہُوا۔ کیونکہ چند مرتبہ مجھے ان کے متعلق لکھنے کا خیال آیا تھا

اب جو تمہیں اہل اللہ کے مشرب میں داخل ہونے کی توفیق حاصل ہوئی ہے تو بعض مخالفوں اور ان کے حالات سے باخبر رہنا، کیونکہ ان لوگوں کی خوشنودی اسی بات میں ہوتی ہے کہ جو شخص اہل سعادت میں داخل ہُوا ہے، وُہ رُوگردانی کرلے اور پھر بدکردار بن جائے۔ میں حیران ہُوں کہ تمہارے دل سے یہ کیونکر محو ہُوا ہوگا!۔ ہم مجلس حضرات کی موجودگی میں ہم نے تمہیں بتایا تھا کہ ہم فقیران بدبخت شریروں کو تنبیہ نہیں کرسکتے جنھوں نے اگرچہ مشرب تو ہمارا ہی اختیار کر رکھا ہے لیکن وہ خود جو چاہتے ہیں اکتے اور کرتے ہیں تمہیں (ان کی تنبیہ کی) استطاعت ہے۔ ہمیں تمہاری آشنائی سے اس سے بہتر فائدہ کیا ہوگا؛ اب جس طرح تم مناسب سمجھو، کہو اور کرو۔ ہم راضی ہیں۔ لیکن دیکھنا! ناانصافی نہ ہو۔ احتیاط ضروری ہے کیونکہ ہر ایک کے دوست بھی ہوتے ہیں اور دشمن بھی۔ اس بے ہوش کاشغری نے جو کچھ کہا ہے، اس پر تو تعجب نہیں لیکن خلیفہ پر تعجب ضرور ہے کیونکہ وہ عالم شخص ہے۔ وہ اپنی یا فقراء کی ذلت پر کیسے آمادہ ہُوا! (بہرحال) جیسے بھی ہو، تنبیہ ضروری ہے۔

دوسرے یہ کہ جو لوگ ذکر میں مشغول ہیں اور دل سے تمہارے ساتھ ہیں، ان کی خبر رکھنا اور انھیں کام بتاتے رہنا کیونکہ ان کا مجھے اکثر خیال رہتا ہے۔ نیز یہ بھی کہ اگر ابو المعالی کی اصلاح کر لی ہو تو یہ تمہاری کرامت ہوگی۔ البتہ کوشش کرتے رہو کہ حضرت میاں جیوؒ رَحمَۃُ اللہ عَلَیہ کی روح شریف کی خوشنودی اسی میں ہے۔ ہم فقیر اور کیا کہیں!؟

یہ عنایت نامہ جو یہاں درج کیا گیا ہے، اس عریضے کے جواب میں ہے جو فقیر نے ان کی خدمت میں ارسال کیا تھا۔ چونکہ میں جانتا ہوں کہ اس قبلۂ حقیقی سے زیادہ باتیں کرنا اور زیادہ لکھنا انھیں پسند نہیں، ناچار کبھی کبھی عریضہ بھیجتا ہوں اور زیادہ لکھنا بھی سُوئے ادب سمجھتا ہوں۔

" دولتِ دیدار نصیب! تم نے یہ ظاہر کیا تھا کہ میں ادب کی رعایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے

ہے کہ جو کچھ انھیں معلوم ہُوا، اسے دیکھیں کہ کیا ہے ؛ (زہے نصیب) کیا خوب ہے ان کا علم! اور کیا اچھے ہیں ان کے معلومات! اور کیسے (بلند مرتبہ) ہیں وہ اہلِ علم! وہ شخص سعادت مند ہے جو اس علم سے معلوم تک پہنچا ہوا اور جب معلوم پر اس کی نظر پڑے، تو وہ اپنے آپ کو دل سے ہٹا دے اور معلوم سے وابستہ ہو جائے گویا حقیقی ہستی میں مبدّل جائے۔ اس صورت میں جس کے ساتھ وہ اپنے دل کو وابستہ کرتا ہے، خود وہی وہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کا جسم اور دل و جان ایک ہو جاتے ہیں۔ جب کسی صاحبِ شعور، جو قطرے کی مانند ہے، کی نظر ناپیدا کنار سمندر پر پڑتی ہے، تو وہ قطرے ہی میں مقیّد کیوں رہے جب تک (اپنی ہستی سے) واقف نہیں، وہ قطرہ ہی ہے۔ جب وہ اس سے واقف ہو جاتا ہے تو قطرے کی قید سے خلاصی پا لیتا ہے۔ اس کا جُزوی علم، کلّی علم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ بلکہ جہاں وہ پہنچتا ہے، وہاں علم اور جہل کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ تعیّنات سے قطع نظر کر کے اگر خالصتاً ذاتِ مطلق کی طرف توجہ کی جائے اور عالمِ اطلاق میں اس کی صفات دیکھی جائیں، جن کا (دیکھنے والے کو) علم ہو چکا ہے تو عالمِ اطلاق، عالمِ اطلاق نہیں رہتا بلکہ وہ صفات میں محدُود ہو جاتا ہے۔ گویا پھر وہ وحدت سے کثرت کی طرف آتا ہے۔ میں نے اپنے رسالوں میں (یہ حال) تفصیل سے لکھا ہے اگر مطالعہ سے گزریں تو جو مشکلات ہونگی، وہ حل ہو جائیں گی۔

دولتِ دیدار نصیب!

مہربانیت را شماری نیست　　　زندگانیت را شمار مباد

(تیری مہربانیوں کا کوئی شمار نہیں، اسی طرح تیری زندگی کے دنوں کا بھی کوئی شمار نہ ہو)

"بخدا، دو شخصوں کے حالات اور ان کی بے اعتدالیوں کا جو تم نے ذکر کیا ہے۔ یہ ہم پر بطالے اِشراق، کشف اور خارق کی صورت میں ظاہر ہُوا۔ کیونکہ چند مرتبہ مجھے ان کے متعلق لکھنے کا خیال آیا تھا

اب جو تمھیں اہل اللہ کے مشرب میں داخل ہونے کی توفیق حاصل ہوئی ہے تو بعض مخالفوں اور ان کے حالات سے باخبر رہنا، کیونکہ ان لوگوں کی خوشنودی اسی بات میں ہوتی ہے کہ جو شخص اہلِ سعادت میں داخل ہُوا ہے، وُہ رُوگردانی کرلے اور پھر بدکردار بن جائے۔ میں حیران ہُوں کہ تمھارے دل سے یہ کیونکر محو ہُوا ہوگا! ہم مجلس حضرات کی موجودگی میں ہم نے تمھیں بتایا تھا کہ ہم فقیر ان بدبخت شریروں کو تنبیہ نہیں کرسکتے جنھوں نے اگرچہ مشرب تو ہمارا ہی اختیار کر رکھا ہے لیکن وہ خود جو چاہتے ہیں کہتے اور کرتے ہیں۔ تمھیں (ان کی تنبیہ کی) استطاعت ہے۔ ہمیں تمھاری آشنائی سے اس سے بہتر فائدہ کیا ہوگا! اب جس طرح تم مناسب سمجھو، کہو اور کرو۔ ہم راضی ہیں۔ لیکن دیکھنا! ناانصافی نہ ہو۔ احتیاط ضروری ہے کیونکہ ہر ایک کے دوست بھی ہوتے ہیں اور دشمن بھی۔ اس بے ہوش کاشغری نے جو کچھ کہا ہے، اس پر تو تعجب نہیں لیکن خلیفہ پر تعجب ضرور ہے کیونکہ وہ عالم شخص ہے۔ وہ اپنی یا فقراء کی ذلّت پر کیسے آمادہ ہُوا! (بہرحال) جیسے بھی ہو، تنبیہ ضروری ہے۔

دوسرے یہ کہ جو لوگ ذکر میں مشغول ہیں اور دل سے تمھارے ساتھ ہیں، ان کی خبر رکھنا اور انھیں کام بتاتے رہنا کیونکہ ان کا مجھے اکثر خیال رہتا ہے۔ نیز یہ بھی کہ اگر ابوالمعالی کی اصلاح کرلی ہو تو یہ تمھاری کرامت ہوگی۔ البتہ کوشش کرتے رہو کہ حضرت میاں جیوُ رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کی روح شریف کی خوشنودی اسی میں ہے۔ ہم فقیر اور کیا کہیں!"

یہ عنایت نامہ جو یہاں درج کیا گیا ہے، اس عریضے کے جواب میں ہے جو فقیر نے ان کی خدمت میں ارسال کیا تھا۔ چونکہ میں جانتا ہوں کہ اس قبلۂ حقیقی سے زیادہ باتیں کرنا اور زیادہ لکھنا انھیں پسند نہیں، ناچار کبھی کبھی عریضہ بھیجتا ہوں اور زیادہ لکھنا بھی سوئے ادب سمجھتا ہوں۔

"دولتِ دیدار نصیب! تم نے یہ ظاہر کیا تھا کہ میں ادب کی رعایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے

بہت کم لکھتا ہوں :

کم می کنی نگاہ، ولی خوب می کنی　　　قربانِ طرح و طرزِ نگہ کردنت شوم

(تم میری طرف کم دیکھتے ہو لیکن خوب دیکھتے ہو۔ اس اندازِ نگاہ کے مَیں قربان ہُوں)

یہ رعایت کیا کم ہے کہ اچھے وقت میں اپنی رضا اور خوش دلی سے دعائیں کی جائیں۔

اللہ تعالیٰ تمام ظاہری اور باطنی مطالب تمھارے نصیب کرے۔

"آمِینَ رَبَّ الْعَالَمِینَ!" (جہانوں کے رب! ایسا ہی ہو)

"دولتِ دیدار نصیب! دوستانِ مخصوص، علی الخصوص تمھارے جیسے مخصوص دوست کی جمعیّتِ ذوق کی خبر سے میری جمعیّتِ خاطر اور ذوق میں صد گُونہ اضافہ ہُوا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالشُّکْرُ لِلّٰہِ کہ اس متکبّر اور مغرور فقیر کے نزدیک زمین کا بنانا اور آسمان کو تراشنا نہایت آسان ہے لیکن زمین و آسمان کے مالک کی معرفت میں دل کو زندہ کرنا غایت درجے مشکل ہے۔ اگر زمین اور آسمان کے اس احاطے میں حقیقت کا سروسامان نہ ہو تو گھر کی بنیاد رکھنا عبث ہے۔ اور ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ جو طریقہ ہم نے تمھیں بتایا تھا، اسے پیشِ نظر رکھو، تاکہ ذوق کی زیادتی کا سبب بنے۔

اِنْشَاءَ اللّٰہُ الْمَذُوقَ۔ (اگر اللہ چاہے ذوق والی چیز کو)

تمام دوستانِ حاضر اور حاضرینِ مجلس کو، جو قطب دائرے کے گرد بَنَاتُ النَّعْش کی طرح جمع ہیں، سب اصحاب کی طرف سے دعا کیجیے۔

"دولتِ دیدار نصیب! طلب کی انتہا سُلُوک ہے اور سُلُوک کی انتہا معرفت اور معرفت کی کوئی انتہا نہیں۔ معرفت کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے اور عارف کے لیے اس سے گزرنا ہمیشہ روا

ہے۔ تجلی غیر مکرّر ہے اور یہ امر مسلّم ہے کہ یہ تجلی ہر وقت تازہ بہ تازہ ہے۔ یہ تازگی قیاس سے بالا ہے۔ حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں لامحدود اور لانہایت ہے۔ اس سخن عالی کو سمجھنا بڑی بات ہے۔ مبارک سفر، سفرِ باطن ہے، سو وہ بخوبی انجام کو پہنچانا۔ رہا دنیا کا ظاہری سفر تو وہ پیچھے پیچھے ہے۔ اس کے انجام پانے میں کوئی شک وگمان نہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ کے وجودِ اعظم کا یقین ہوگا، اس کے دشمنوں اور غیروں کا لشکر یقیناً شکست کھائے گا۔

کمالات عارف کے تصرّف میں ہوتے ہیں اور یہ امر مسلّم ہے کہ اس کے ارادے کو یہ سب کچھ میسّر ہے۔ تمھارے دل پذیر اور بے نظیر کلام کے لطف کا کیا کہوں! اس پاک مٹی سے کیوں لذیذ میوے پیدا نہ ہوں۔ اس ضعیف کی طرف سے سب کو سلام۔

تَمَّ الْكَلَامُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْعَلَّامِ

(بفضلِ خدا کلام ختم ہوا)

جس سال فقیر قندھار کی مہم کی طرف متوجہ ہوا، تو والئ ایران نے چاہا کہ جنگ کرے۔ حضرت نے اپنے دستِ مبارک سے عنایت نامہ لکھ کر یہ تحریر کیا تھا:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ [1]

(جب تو نے کنکریاں پھینکی تھیں تو یہ تو نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں)

حق سُبحانہٗ تعالیٰ نے اسی مہینے اس کو ایسا گرایا کہ وہ پھر نہ اٹھ سکا۔ لوگوں نے زہر دے کر اسے مار دیا۔

٭ دولتِ دیدار نصیب! وہی مددگار ہے اور وہی ساتھ دینے والا ہے:۔

---

[1] قرآن کریم: ۹ الانفال ۸/۱۷

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ[1]

(اللہ کی طرف مدد اور جلد فتح پائی)

بہر حالے کہ باشی باخدا باش

(جس حال میں ہو خدا کے ساتھ ہو)

صاحبِ دل کو اس قسم کی مہموں میں کوئی نامحدود خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔ اگر دل، عارف کا دل ہے، تو خاطر جمع رکھو کہ وہ بے خطرہ ہے اور ایسا کیوں نہ ہو؛ بہرکیف جس حال میں تم ہو، ثابت قدم رہو۔ حق سُبْحَانَہٗ تعالیٰ مجازی کاموں میں بھی تمہیں بامُراد کرے گا، جس طرح اس نے حقیقی کاموں میں کیا ہے، جو نہایت اہم ہیں۔ اِنْشَاءَ اللّٰہُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ (اگر اللہ نے چاہا جہانوں کو پالنے والے نے) ملا سنگین[2] اللہ تعالیٰ کی توفیق سے رفاقت کے لیے آمادہ ہیں۔ حاجی عبداللہ کا دل بھی فقیروں کے ہمراہ ہے۔ عجز و انکسار کے باوجود کہا ہے "اَنَا عِنْدَ مُنْکَسِرَۃِ الْقُلُوْبِ" (میں ٹوٹے ہوئے دلوں کے نزدیک ہوں) ہمارا حال یہی ہے جو بیان کیا گیا ہے۔"

یہ دو عنایت نامے، جن سے اس فقیر (دارا شکوہ) پر کمال مہربانی اور شفقت ظاہر ہوتی ہے، آپ نے اس فقیر کی بڑی بہن کی طرف لکھے، جو رابعۂ عصر، فاطمہ و مریم وقت، عارفہ، عابدہ، اور واصلہ کاملہ ہیں اور جنھوں نے حضرت اخوند سَلَّمَہُ اللّٰہُ تعالیٰ وَ اَبْقَاہٗ کی خدمتِ شریف سے ذکرِ الٰہی کی مشغولیت حاصل کی ہے، ان پر حضرت کی خاص عنایات اور نوازشیں ہوتی ہیں۔

"ذاتِ الٰہی کی توحید کا حال جو تمام تر سعادتوں کا سرمایہ ہے، انھیں بتایا گیا اور یہ مبارک

---

[1] قرآن کریم: ۲۸/الصّف ۱۳

[2] مسودہ: ملا سکین

وقت اُنھیں مُیسّر آیا، جو تمام مبارک اوقات سے افضل ہے۔ جسے ایسا وقت مُیسّر آجائے اس کا دِل قیامت کے خوف و عذاب سے بے فکر ہو جاتا ہے، چنانچہ سب انبیاء اور اولیاء کا اس پر اتفاق ہے۔ آیاتؔ احادیث سے بھی یہ ظاہر ہے۔ اگر بیان کروں تو یہ کسی تفصیل میں نہ سمائے گا۔ مختصر یہ کہ اپنے بھائی سے کچھ حاصل کرو۔ اسے خدائے تعالیٰ نے بہت کچھ دیا ہے اور وہ بزرگانِ حال و سابق کا منظورِ نظر بھی ہے

جب بحرِ محیط سے مراد محیطِ کل ہے تو سمندر کے ایک قطرے کے نقصان سے سمندر کو کیا نقصان ہو سکتا ہے اور پھر جب عالم سے مراد کل زمین، آسمان، عرش، کرسی اور ہزاروں اور لاکھوں ایسے عرش اور کرسیاں ہیں، تو یہاں چیونٹی کے پاؤں کو ضرر پہنچنے سے عظمت اور بزرگی والی دنیا کو کیا نقصان ہو سکتا ہے۔ یہ عظمت و بزرگی کے باوجود اس صاحبِ حقیقی کے بے نہایت، بے پایاں اور بے حد وجود کے سامنے (کہ اس طالب کی ہزار جانیں اس کی قدرت پر فدا ہوں) وہی نسبت رکھتی ہے، جو ایک چیونٹی کا پاؤں ساری موجودات کے مقابلے میں رکھتا ہے۔ کیوں؟ اس وجہ سے کہ مذکورہ موجودات اپنی عظمت اور بزرگی کے باوجود حد اور انتہا رکھتی ہیں لیکن اس بزرگ و برتر وجود کی کوئی حد اور انتہا نہیں، جیسا کہ اس مضمون سے ظاہر ہے:

"وَهُوَ لَا مَحْدُوْدٌ وَهُوَ لَا نِهَايَةَ لَهٗ"

(نہ وہ محدود ہے اور نہ کوئی اس کی انتہا ہے)

نیز شرعِ شریف میں بھی ایسا ہی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ سب چھوٹی بڑی چیزیں موجود ہیں، اس وجودِ لامحدود کے مقابلے میں بمنزلۂ عدم ہیں۔ پس مومن ہو یا کافر، بہشت ہو یا دوزخ، سب محدود ہیں۔ اسی طرح بہشت کی لذّتیں اور دوزخ کے عذاب بھی محدود ہیں۔ اس لیے یہ سب کچھ اس وجودِ لامحدود کے سامنے، جسے عالی فکر لوگ بھی نہیں سمجھ سکتے، کیا حیثیت رکھتا ہے؟

اَلْحَقُّ یَعْلُوْ عَنِ الْکُلِّ" (حق سب چیزوں سے بلند ہے) جاہل لوگ جو اس قسم کی بحث اہل اللہ سے کرتے ہیں، وہ فہم و نظر کی کوتاہی کی وجہ سے کرتے ہیں کیونکہ ان کی نظر اس وجودِ لامحدود پر نہیں پڑی ہے اور نہ انھیں یہ معلوم ہے کہ اہل اللہ جو کچھ کہتے ہیں، وہ شرع شریف کے عین مطابق ہے۔ وہ خود اپنی شرع سے، جس پر انھیں فخر ہے، غافل ہیں اور اپنے خدا کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔ انھیں یہ بھی خبر نہیں کہ شریعت کا ایک مرتبہ ایسا بھی ہے، جو نہایت بلند ہے۔ جس سے مراد اللہ کی توحید اور شہودِ الٰہی کی معرفت ہے اور یہ منصب اس کے خواص یعنی انبیاء اور اولیاء کو نصیب ہوتا ہے۔ یہ بات تحقیق شدہ ہے کہ اس گروہ کی نظر شریعت کے اس بلند مرتبے پر ہے، جسے حقیقت کہتے ہیں اور جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، شریعت، طریقت اور حقیقت سب شریعت ہی کے مراتب ہیں۔ پہلے مرتبے کو "شریعت" کہتے ہیں جس پر اہلِ ظاہر عمل پیرا ہیں اور وہ اس مرتبے میں رہتے ہیں۔ دوسرا مرتبہ "طریقت" ہے جس پر اہلِ سلوک کاربند ہیں۔ تیسرا مرتبہ "حقیقت" ہے، جو اہلِ حقیقت کا صحیح راستہ ہے۔ تحقیق سے کہا جاسکتا ہے کہ جو اہلِ حقیقت اس لاانتہا ذاتِ حقیقی تک یعنی اپنے مطلبِ اعلیٰ اور مقصدِ عالی پر پہنچے ہیں۔ ان کی زبانوں پر مختلف کلمے آئے ہیں:

مثلاً حضرت شیخ حسین بن منصور نے "اَنَا الْحَقُّ" کہا۔ شیخ بایزید کی زبان پر "سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِیْ" (میں اپنی پاکیزگی بیان کرتا ہوں میری شان کتنی بلند ہے) آیا اور شیخ جُنید رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ "لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللہِ" (میرے جبّے میں سوائے خدا کے اور کچھ نہیں) بول اُٹھے اور حضرت شیخ عبدالقادر قَدَّسَ اللہُ سِرَّہٗ کی زبان سے "ھٰذَا عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللہِ" (یہ تمام اولیاء کی گردن پر) ظاہر ہُوا۔

ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ میں خود اپنی ذات میں حق ہوں۔ ان سب اولیاء اللہ کی بلند مرتبہ نظر اس وجودِ لامحدود پر پڑی ہے اور جب انھوں نے اپنی ذات کو اس بے حد، لاانتہا

اور بے پایاں وجود میں فنا کیا ہے تو اس صورت میں جب وہ اپنے آپ کو "حق" کہتے ہیں، تو اس سے خداوند تعالیٰ کا وجودِ مطلق ہی مُراد ہوتا ہے۔ ان کی نظر میں (خود اپنی ذات نہیں بلکہ) اس ذاتِ لامحدود کا نقشہ ہوتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ (ہر حالت میں خدا کا شکر ہے) کہ ہم فقیروں کا مشرب اسی مرتبۂ عالیہ کو پہنچتا ہے جو اس طریقے میں بوجہ احسن میسّر آتا ہے اور بدرجۂ اَتم اس کی تکمیل ہوتی ہے۔

لیکن اس عالم میں کسی شطاحی عابد کی زبان پر ایسا کوئی کلمہ نہیں آیا۔ حق تعالیٰ اس سے اپنی پناہ میں رکھے بِعِنَایَۃِ اللّٰہِ وَحِفْظِ حَفِیْظِ الْعِبَادِ الْعُبَّادِ (اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اور عبادت گذار بندوں کی نگہداشت کرنے والے کی حفاظت سے) اب پھر میں اپنی بات کو دہراتا ہوں کہ حق تعالیٰ یعنی وجودِ لاانتہا کو تم ان سابقہ مکتوبات کی مدد سے سمجھ سکتے ہو، جن میں اس کی تفصیل و تشریح بھی بیان ہوئی ہے جہاں تم اس وقت بیٹھے ہو، وہاں سے شش جہت پر نظر رکھو اور اس وجودِ اعظم کی لاانتہا حقیقت کو دیکھو جس کے مقابلے میں تمام زمینیں، آسمان، عرش و فرش محض لاشے ہیں۔ کُل کو چھوڑ کر جزو پر نظر ڈالنا بہت نقصان کا موجب ہے اور ہر چند کہ کُل و جُزو کو اس عالی جناب سے نسبت دینا مناسب نہیں، کیونکہ وہ جَلَّ جَلَالُہٗ ہے اور کسی ایسی نسبت سے پاک ہے لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں۔ کُل و جُزو کا بیان اس لیے آیا ہے کہ طالبوں کی سمجھ میں آسکے۔ ورنہ یہ باتیں سمجھنے کی ہیں کہنے کی نہیں۔ ان کا تعلق حال سے ہے، قال سے نہیں۔ اسی وجہ سے بزرگوں نے یہ باتیں اشاروں کنایوں میں کہی ہیں، جو ہر شخص کے فہم میں نہیں آسکتیں۔ اس لیے یہ گروہ ہر ایک کو اس طرف مشغول کر کے دردِ سر نہیں خریدتا۔ وہ خوب غور کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص شکّی مزاج کا ہو، تو اسے اپنے مسلک میں داخل نہیں کرتے، کیونکہ اگر ان کے دلائل کو ہموار کرنے کی کوشش بھی کی جائے تو ان کا شک اور بڑھتا ہے اور بعض دوسرے شکوک بھی پیدا ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے بزرگوں نے کہا ہے، کہ

صوفی کی روش عقل پر مبنی ہے اور عقل بھی ایسی جو کامل ہو، ناقص نہیں۔ کیونکہ اہل اللہ کو عاقل کہا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ اس گروہ کی نظر، جو اپنے آپ پر اور اپنے خدا پر رہتی ہے، بہت بلند ہے۔ کوتاہ نظروں کے نزدیک جو مرتبہ مومن، کافر، بہشت و دوزخ، نعمت و عذاب کا ہے، اسے تم جاہلوں کے حوالے کر دو۔ اور اپنے آپ کو پہچانو، نیز اپنے منصب کی نگہداشت کرو۔ تمھاری جنّت خداوند تعالیٰ کی ذات ہے اور تمھارا دوزخ ذاتِ خداوندی سے دُوری۔ جو خدا کی ذات سے دُور رہا، جہنّم واصل ہُوا۔ وہ کبھی وہاں سے نہ نکل سکے گا۔ تمھاری جنّت جاودانی ہے اور تمھارے ہاتھ سے یہ کبھی نہ جائے گی۔ عقل و خرد کو کام میں لاؤ۔ اپنی اور ہماری نعمت کو ضائع نہ ہونے دو۔ آج کل یہ سعادت بعض بزرگوں کو بھی حاصل نہیں، دوسروں کا تو ذکر ہی کیا۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ اکثر لوگ اس حقیقت کے مُنکر تھے اور اس بارے میں ہم سے بحثیں کرتے تھے۔ اب انھوں نے اس مسئلے کی حقیقت کو سمجھ لیا ہے اس لیے وہ فخر کرنے لگے ہیں کہ ہم بھی کچھ ہیں لیکن استاد کے بغیر دل سے اس حقیقت کو سمجھنا محال ہے۔ مختصر یہ کہ وہ جو کہتے ہیں کہ ہمارے اندر موجود ہے، وہ دراصل ان میں موجود نہیں۔ ان کا یہ کہنا محض تقلید ہے اور بس یہ تقلید بھی انھوں نے ہماری کی ہے:

شعر

حرفِ بیداری گہی یارانِ سر در خواب را　　　می زنند لیک آن را ہم زما دُزدیدہ اند

(سوئے ہوئے یاروں کو اگر کوئی بیداری کی بات سُوجھی ہے تو اس میں بھی انھوں نے ہماری خوشہ چینی کی ہے)

مصرع:　　بارہا گفتہ ام و بارِ دگر می گویم

(میں نے کئی بار کہا ہے اور اب بھی وہی کہتا ہوں)

اپنے عزیز بھائی کی قدر خوب اچھی طرح پہچانو۔ اگر اس کا وجودِ شریف نہ ہوتا تو یہ سعادت تمھیں نصیب نہ ہوتی۔

اگرچہ تمھارے خط سے بزبانِ قلم تو حال معلوم ہُوا لیکن اس کے لیے گفتگو کی بھی ضرورت ہے
بہرحال یہ بھی ہمیں آپ کے بھائی کے یہاں آنے سے میسّر آئی۔ خدا اسے زندہ اور بامُراد رکھے۔ آمین!
اگر تم اس کی قدر نہ کروگی تو ہماری قدر کیا کروگی؟ جو کچھ تمھیں لکھا گیا ہے، مناسب ہوگا کہ دونوں
مِل بیٹھ کر اس کا مطالعہ کرو اور خوب غور کرو۔ میں نے بہت واضح طور پر لکھا ہے۔ اس کے لیے
میں نے کسی دوسرے پر اعتماد نہیں کیا کہ شاید وہ واضح طور پر اسے سپردِ قلم نہ کر سکے۔ امید ہے اس
بارے میں آپ کو اور کچھ لکھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ سمجھ لو کہ جس نے اپنے خدا کو پا لیا، اسے کسی اور چیز
کی کیا ضرورت ہوگی؛ شکوک و شُبہات محض کم فہمی کی بنا پر ہوتے ہیں۔"

"دولتِ دیدار نصیب، ظاہری اور باطنی بادشاہ! تم نے جو یہ تحریر کیا تھا کہ بعض اولیاءٗ
نے اپنے حالات اس طرح لکھے ہیں کہ ان پر کسی قدر علمِ ولایت کا دروازہ کھلا ہے اور بعض یہ
کہتے ہیں کہ ان پر کسی قدر دریچہ وا ہُوا ہے اور تم نے کچھ اپنا حال بھی لکھا ہے۔ اے راست گو تمھیں
معلوم ہونا چاہیے کہ جن لوگوں نے در اور دریچے کے کھلنے کے متعلق لکھا ہے وہ راہِ سُلوک میں
پیچھے رہ گئے ہیں اور وہ دریچے سے بھی کچھ نہیں دیکھ پائے۔ دیکھنا اور پانا تو شاذونادر ہی ہوتا ہے۔
پوشیدہ راز کو پا لینے والا اہلِ سُلوک میں اس طرح ہے، جیسے ستاروں میں آفتاب ہوتا ہے۔ جس نے
حق تعالیٰ کا دروازہ پا لیا ہے، وہ آفتاب کی مانند ہے۔ ایسے اہلِ سُلوک عارف ہوتے ہیں۔ پس ان
سب میں سے ممتاز وہ ہے جس نے کچھ دیکھ لیا ہے تمھارا، تمھارے مرشد کا اور تمھارے اصحاب کا کام
سب ممتاز کاموں میں ممتاز تر ہے۔ وحدت کا کام دیدِ حق ہے جس کی وجہ سے نظری علم حاصل ہوتا ہے
وہ لوگ جو خدا کے طالبوں کی دُور دراز راہ کو نیم نگہ سے طے کرا دیتے ہیں، انھیں خدائے تعالیٰ نے
وحدت کا علم بخشا ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ [1]

(یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جس پر چاہے کرے)

ہمارے نبی کریم کو باقی انبیاء علیہم السلام پر فضیلت اسی برکت کی وجہ سے ہے پس تمہیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت مرشد کی برکت سے حاصل ہو گئی ہے:

شعر

ہر کہ پی در پئے رسولؐ نہاد　　　از ہمہ راہروان بہ پیش افتاد

(جس نے آنحضرتؐ کے نقشِ قدم پر قدم رکھا وہ سب رہروں سے آگے بڑھ گیا)

صرف ذات کو پالینا ہی محال نہیں بلکہ اسے دیکھنا بھی محال ہے کیونکہ اسے ان آنکھوں سے بے پردہ دیکھنا ممکن نہیں، البتہ یقین ہو تو اسے دیکھ بھی سکتے ہیں۔ یقین کے کام میں جو کیفیت ہوتی ہے، وہ یہ ہے:

شعر

دست بر صورتی کہ بگذاری　　　مشتِ جوہر بدست برداری

(حسنِ ازلی و ابدی، صورت کے لیے تو اپنا ہاتھ وقف کرتا ہے وہ ہاتھ جواہر سے بھر جاتا ہے)

اگرچہ میں دیوانہ وار بات کہہ رہا ہوں لیکن غلط نہیں کہتا۔ دیوانہ اپنے کام میں ہوشیار ہوتا ہے۔ سب کو اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہیے"

یہ مکتوب شریف حضرت نے مرید نوازی فرماتے ہوئے ان چند فقروں کے جواب میں لکھا تھا، جو اس فقیر نے اُن کی خدمت میں ارسال کیے تھے۔ وہ فقرات بھی ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

---

[1] قرآن کریم: ۲۸/الجمعۃ ۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اِنَّ اللّٰہَ یَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ

(میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ بیشک اللہ تعالیٰ عمر کی زبان سے بولتا ہے)

ہر سائل کا سوال مسئول فیہ کی طرف سے مسئول عنہٗ کی طرف ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ سائل کی زبان سے ادا ہوتا ہے اور ہر مسئول عنہٗ کا استماع سائل سے ہوتا ہے، خواہ وہ سائل سب کو نہ جانتا ہو اور نہ سمجھتا ہو اور یہ بھی نہ جانتا ہو کہ "کُلُّ مَوْجُوْدَاتٍ وَاحِدٌ" (تمام موجودات اصل میں ایک ہی ہیں) اس گروہِ عالیہ میں سے بعض کا خیال یہ ہے کہ ترقی اور کمال کی کوئی انتہا نہیں، کیونکہ تجلّی کی بھی کوئی حد نہیں۔ یہ تجلّی ہر لحظہ ظہور میں آتی ہے۔ پس لازم ہے کہ ترقی کی بھی کوئی انتہا نہ ہو۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اگر صوفی کی عمر ہزار سال کی بھی ہو جائے، پھر بھی وہ رُو بترقی رہے گا۔ مشائخ سلف میں سے بعض نے اس کے ثبوت میں اس قسم کے اقوال پیش کیے ہیں:

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے لیے بدبختی کی علامت اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی کہ جو موجودہ حال سے آگے ترقی نہ کرے۔ ایسا شخص نقصان میں رہتا ہے۔ حضرت نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں:

"مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ"

(جس کے دونوں دن برابر ہوں وہ نقصان میں ہے)

نیز یہ فرمایا ہے کہ جس سالک کے دو دن ایک حالت میں گزریں، وہ نقصان میں ہے اسے چاہیے کہ اس حال کی تلافی اور تدارک کرے۔ اس گروہ کی رائے بھی یہی ہے لیکن اس فقیر پر اپنے مرشد، یعنی غوث الآفاق، استادِ اہل اللہ، عارف باللہ مولانا شاہ سَلَّمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاَبْقَاہُ کی برکت سے آفتاب کی طرح روشن ہو گیا ہے کہ صوفی کے مرتبوں کی کوئی حد و انتہا تو ضرور ہے۔ کمال حاصل کر لینے کے بعد اس کی ترقی رک جاتی ہے بلکہ اس عاجز کے نزدیک (اس مرتبے پر پہنچ کر) ترقی کا

رُک جانا ہی ترقی ہے، کیونکہ ہر مرتبے میں کمال کا ایک درجہ ہے اور ترقی کے مرتبے کا کمال اسی میں ہے کہ اور ترقی نہ ہو، چنانچہ اس حدیث سے جو بطور سند پیش کی گئی ہے، ظاہر ہوتا ہے کہ سالکوں کے حق میں مقید نہیں اور واصلین کے حق میں مطلق نہیں اور لفظ "یَوْمَاهُ" زمانے پر دلالت کرتا ہے۔ اس طرح مشائخ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تعالیٰ کے اقوال سے بھی سند پیش کی جاتی ہے حقیقتِ حال یہ ہے کہ وہ بات کو سمجھ نہیں پائے، نہ معنویت تک ان کی نظر گئی ہے کیونکہ بات کی معنویت تو درکنار، بات کی ظاہری واقفیت بھی سالک کے لیے ناقص ہے اور وہی مثال ہے کہ حدیثِ نبوی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ

"لِیْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ"

(اللہ کے ساتھ میری ایک گھڑی ایسی ہے جس میں نہ جبریل کی گنجائش ہے اور نہ کسی پیغمبر کی)

کو تنزلِ احوال کے حق میں بطور دلیل پیش کریں اور کہیں کہ حضرت پیغمبر صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ کو ہمیشہ ایک وقت، ایک حال اور ایک قسم کی جمعیتِ خاطر حاصل نہ تھی لیکن ایسا نہیں۔ بلکہ اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ ہمیشہ ایک ہی حال میں رہتے تھے، ترقی اور تنزل کا کوئی امکان نہ تھا۔ بلکہ آنحضرتؐ تو یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مجھے لگاتار ایسا وقت میسر آتا ہے، کہ اس میں کسی مقرب فرشتے یا نبی مُرسل کی گنجائش نہیں ہوتی۔ آنحضرتؐ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ مجھے یہ حالت کبھی کبھی میسر آتی ہے۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ کا وقت عام ہے جو زمانے سے بے نیاز ہے۔ اس وقت کی نہ ابتدا ہے، نہ انتہا:

"لَیْسَ عِنْدَ رَبِّكَ صَبَاحٌ وَلَا مَسَاءٌ"

(تیرے رب کے ہاں نہ صبح ہے نہ شام)

اس حدیث شریف کے یہ معنی کیوں مُراد نہ لیے جائیں، جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے اور جس سے آنحضرتؐ کی جمعیتِ خاطر اور کمالِ حال کا پتا چلتا ہے۔ (اس کے برعکس) جو وہ معنی بتاتے

رُک جانا ہی ترقی ہے، کیونکہ ہر مرتبے میں کمال کا ایک درجہ ہے اور ترقی کے مرتبے کا کمال اسی میں ہے کہ اور ترقی نہ ہو، چنانچہ اس حدیث سے جو بطور سند پیش کی گئی ہے، ظاہر ہوتا ہے کہ سالکوں کے حق میں مقیّد نہیں اور واصلین کے حق میں مطلق نہیں اور لفظ "یَوْماً" زمانے پر دلالت کرتا ہے۔ اس طرح مشائخ رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تعَالیٰ کے اقوال سے بھی سند پیش کی جاتی ہے حقیقتِ حال یہ ہے کہ وہ بات کو سمجھ نہیں پائے، نہ معنویت تک ان کی نظر گئی ہے کیونکہ بات کی معنویت تو درکنار، بات کی ظاہری واقفیت بھی سالک کے لیے ناقص ہے اور وہی مثال ہے کہ حدیثِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

"لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ"

(اللہ کے ساتھ میری ایک گھڑی ایسی ہے جس میں نہ جبریل کی گنجائش ہے اور نہ کسی پیغمبر کی)

کو تنزّلِ احوال کے حق میں بطور دلیل پیش کریں اور کہیں کہ حضرت پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کو ہمیشہ ایک وقت، ایک حال اور ایک قسم کی جمعیتِ خاطر حاصل نہ تھی لیکن ایسا نہیں۔ بلکہ اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ ہمیشہ ایک ہی حال میں رہتے تھے، ترقی اور تنزّل کا کوئی امکان نہ تھا۔ بلکہ آنحضرتؐ تو یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مجھے لگاتار ایسا وقت میسر آتا ہے، کہ اس میں کسی مقرّب فرشتے یا نبی مُرسل کی گنجائش نہیں ہوتی۔ آنحضرتؐ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ مجھے یہ حالت کبھی کبھی میسر آتی ہے۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کا وقت عام ہے، جو زمانے سے بے نیاز ہے۔ اس وقت کی نہ ابتدا ہے، نہ انتہا:

"لَیْسَ عِنْدَ رَبِّكَ صَبَاحٌ وَّلَا مَسَاءٌ"

(تیرے رب کے ہاں نہ صبح ہے نہ شام)

اس حدیث شریف کے یہ معنی کیوں مُراد نہ لیے جائیں، جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے اور جس سے آنحضرتؐ کی جمعیتِ خاطر اور کمالِ حال کا پتا چلتا ہے۔ (اس کے برعکس) جو وہ معنی بتاتے

ہیں، اس سے تو آنحضرتؐ کے کمال کا نقصان لازم آتا ہے۔ سیّدِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کا حال ہمیشہ کمالِ وحدت میں رہنا بہتر ہے یا کبھی تفرقے کی حالت میں اور کبھی جمعیتِ خاطر کی حالت ہے۔

مشائخ رَحِمَہُمُ اللّٰہ کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ اولیاء کے درجات کی حد ہوتی ہے۔ "نَفَحَاتُ الْاُنس" میں مشائخ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ بعض اولیاء بے نشان اور بے صفت ہیں اور اولیاء کے درجات کا کمالِ حال بھی بے صفتی اور بے نشانی ہی کو بتایا ہے:

مصرع

آنرا کہ نشان نیست نشانش مائیم

(جس کا کوئی نشان نہیں اس کا نشان ہم ہیں)

نیز جو لوگ ترقی کو لا انتہا سمجھتے ہیں، اگر وہ حق جَلَّ شَانَہٗ کی ذات اور حقیقت کے بارے میں، جو ترقی اور تنزّل سے مبرّا اور پاک ہے، ترقی و تنزّل، رنگ و بو اور کمال و زوال کو جائز قرار دیں تو موحّد صوفی کی ذات میں بھی یہ جائز ہوگا، اور اگر اس مرتبے پر ترقی کو روا نہیں سمجھتے تو موحّد صوفی کی ذات میں بھی، جو مرتبۂ صرفیت کو پہنچ گیا ہے، جائز قرار نہیں دینا چاہیے۔ جب انسان نوافل کے قرب سے گزر کر فرائض کے قرب کو پہنچتا ہے، تو اس کے حق میں یہ کہا جاتا ہے۔

"وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی"[1]

"جو کنکریاں تو نے پھینکی ہیں وہ اصل میں تو نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی ہیں)

گویا کہ ایسا شخص عینِ حق ہو گیا ہے۔ اس کے فانی وجود کا ایک ذرہ بھی باقی نہیں رہتا، نہ دونوں جہانوں کا وجود ہی اس کی نظروں میں باقی رہتا ہے۔ یگانگت کے مرتبوں میں بھی وہ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ گویا وہ حق کی طرف سے تھا اور وہ حق ہی میں جا ملتا ہے۔ پس حق سے بالاتر

---

[1] قرآن کریم: ۹ اَلْاَنْفَال ۱۷

مرتبہ اور کونسا ہوگا کہ اس میں موحد اور زیادہ ترقی کرے مشہور مصرع ہے:

بالاتر از سیاہی رنگ دگر نباشد

(سیاہی سے بڑھ کر اور کوئی رنگ نہیں ہوتا)

"اَلْفَقْرُ اِذَا تَمَّ فَهُوَ اللّٰهُ"

(یہ فقر جب کمال کو پہنچ جائے تو وہی خدا ہے)

اور جو شخص ابھی ترقی کی منزل میں ہے وہ:

"وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ"[1]

(اور کسی کا اندیشہ بھی نہیں ان پر اور نہ وہ مغموم ہونگے)

کے مرتبے کو نہیں پہنچا ہوتا کیونکہ خوف اور اندوہ ترقی اور تنزل کا لازمہ ہیں۔ خوف و اندوہ اس بات کا ہوتا ہے کہ شاید ترقی ہو یا نہ ہو۔ اور جب ترقی و تنزل کی منزل باقی نہیں رہتی تو خوف و اندوہ بھی جاتا رہتا ہے پھر آرام در آرام اور استقامت در استقامت حاصل ہو جاتی ہے۔ نیز آیۂ کریمہ:

فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ[2]

(اور آپ جس طرح کہ آپ کو حکم ہوا ہے مستقیم رہیے)

سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ صوفی کمال کے درجے میں آکر رک جاتا ہے کیونکہ استقامت کا مطلب (کھڑا ہونا اور) ٹھہرنا ہے اے محمد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مرتبۂ وحدت میں ٹھہر اور قیام کر جو تبدیلی کی آفت اور کثرت سے مبرا ہے۔ نیز یہ آیۂ کریمہ:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ[3]

---

[1] قرآن کریم: اَلْبَقَرَة ۶۲، ۱۱۲، ۲۶۲/۲۷۴

[2] قرآن کریم: ۱۲/ هُوْد، ۱۱۲

[3] قرآن کریم: ۶/ اَلْمَائِدَة ۳، ۵

تو اس کی واضح دلیل ہے کیونکہ اس سے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کا کمال بھی ظاہر ہوتا ہے اور درجات کی تکمیل بھی اور یہ آیۂ کریمہ معراج النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے بیان میں ہے:-

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا[1]

(اور جو شخص اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے)

اس آیۂ کریمہ کا اشارہ بھی اسی حال کی طرف ہے کہ جو شخص وحدت اور حقیقتِ مطلق کے مقام پر پہنچ جاتا ہے، جس کے آگے اور کوئی مقام نہیں، تو وہ امن میں آجاتا ہے اور خوف و اندوہ سے خلاصی پا لیتا ہے۔ چونکہ اس مقام پر نہ تنزّل کا خوف ہے، نہ ترقّی ہی تصوّر میں آسکتی ہے۔ جو لوگ ترقّی کو لا انتہا تجلّی ثابت کرتے ہیں، درستی پر نہیں، کیونکہ جب تک نگاہ متجلّی پر ہو، تب تک متجلّی لہٗ، غیر تجلّی اور متجلّی ہوتا ہے اور بعینہٖ تجلّی اور متجلّی نہیں ہوتا اس حالت میں وہ عین دوئی اور شرک کی حالت میں ہوتا ہے، اسے دُوئی سے خلاصی حاصل نہیں ہوتی اور جس میں ذرّہ بھر بھی غیریت باقی ہے، وہ موحّدوں اور کاملوں کے نزدیک مُشرک ہے اور نقصان میں ہے:

مثنوی

ترا باید کہ جان و تن نماند دگر ہر دو بماند، من نماند

(تجھے اس طرح ہو جانا چاہیے کہ نہ جسم کا احساس رہے نہ جان کا اور اگر دونوں کا احساس باقی رہے تو تیرے من کی حیثیت ہیچ ہے)

زِ تو تا ہست مُوئے ماندہ برجا بدآن یک موئے مانی بند برپا

(اگر تجھے اپنے ایک بال کا بھی احساس ہو تو تُو اس بال کی وجہ سے پابزنجیر ہوگا)

تو تا یکبارگی جان در نبازی جُنب دانم تُرا و نانمازی

---

[1] قرآن کریم: ۴ آل عمران ۹۷

(اگر تو یک بارگی جان سے بے نیاز نہیں ہوجاتا تو میں تجھے گنہگار اور بے نماز سمجھوں گا)

تو خود تجلّی کیوں نہیں کرتا کہ تو خود ہمیشہ متجلّی لہٗ ہو جائے۔ چونکہ یہ مسئلہ دقیق ہے اور فقیر پر اسی طرح واضح ہُوا ہے، اسی لیے میں دوستوں کو لکھ کر مطلع کر رہا ہوں۔ اگر کوئی بات واضح نہ ہو تو لکھ بھیجیں تاکہ اسے اور واضح کر دیا جائے۔ اَللّٰہ بَس وَ مَا سِوَی اللّٰہ ہَوَس (اللہ کافی ہے اور ماسوا اللہ محض ہوس ہے)

دولتِ دیدار نصیب! وَھُوَ مُنَزَّہٌ عَنِ التَّرَقِّی وَالتَّنَزُّلِ (وہ ترقّی اور تنزّل سے پاک ہے)

ترقّی اور تنزّل کے بارے میں جو کچھ تم نے لکھا ہے، بادشاہانہ، صاحبانہ، عارفانہ، محققانہ، مردانہ، مستانہ اور شجاعانہ لکھا ہے! مر واقع یہ ہے کہ جب تک آدمی درمیان ہے۔ ترقّی کی امید اور تنزّل کا خوف لاحق ہے اور جب آدمی درمیان میں نہ رہے تو پھر ترقّی کی امید اور تنزّل کا خوف کیسے ہوگا، ایسی صورت میں جو باقی رہتا ہے، وہ حق ہے اور حق سب چیزوں سے مُبرّا ہے تحقیق وہی ہے جو ہمیں حاصل ہو چکی ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے سوائے اور میں کیا کہوں اگرچہ اس وقت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنے کی بھی گنجائش نہیں لیکن جس حال میں بھی ہوں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنا چاہیے۔ جس مضمون کا یہ مکتوب بھیجا گیا ہے بعینہٖ یہی حال فقیر کے دل کا ہے۔ فقیر کا یہ اعتقاد ہے اور تمہارے تمام دوستوں کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ذات کا طالب مطلوب کی ذات کے پالینے کے بعد تمام صفات اور تعیّنات میں اسی ذاتِ مطلوب کا مشاہدہ کرتا ہے، خواہ تجلّی ہر لمحہ تازہ اور بے انتہا ہی کیوں نہ ہو۔ وہ خواہ کسی صورت میں جلوہ گر ہو، وہی ہوتا ہے۔ اس کے سوا کوئی اور وہ جلوہ گری نہیں کر سکتا

بہر رنگی کہ خواہی جامہ می پوش　　　کہ من آن جلوۂ قدمی شناسم

(تو جس رنگ کا جامہ چاہے پہن لے، میں تیرے جلوۂ قامت کو خوب سمجھتا ہوں)

حقیقت یہ ہے کہ اس گروہ کی حالت جلوۂ دید، آرام اور تسلّی کی حالت ہوتی ہے۔

اور اب بھی اگر ترقی کی اُمید باقی ہو تو اس گروہ کو اہلِ آرام و تسلی کہنا غلط ہو گا۔ اب اِس کو غلط کہو گے یا اس کو غلط سمجھو گے؛ اس فقیر کے مشرب میں تو آرام اور تسلی زندہ و پائندہ ہے۔ اگرچہ فقیر کا نام تک باقی نہیں۔ خاطر جمع رکھو! یہ وقت تمام مطالب حاصل کرنے کا ہے۔ ہمارا یہ مشرب عجیب ہے:

اِنِّی مُحَقِّقٌ غَرِیْبٌ (میں نادر تحقیق کرنے والا ہوں)

چیزی چہ کنم لائقِ انعامت نیست

(میں کیا کروں کہ کوئی چیز تم پر نثار کرنے کے لائق نہیں)

حضرت مُلّا شاہ کا کلام عالی قدر مجموعۂ نظم ہے جس میں قسم قسم کی تحقیقات و تدقیقات، عجیب اور طرح طرح کے نکات و اشارات بیان کیے گئے ہیں۔ تمام دیوان ایسے حقائق سے پُر ہے جو کسی اور دیوان یا بیان میں نہیں دیکھے گئے۔ آپ کا دیوان غزلیات، رباعیات، مثنویات پر مشتمل ہے۔ نیز اس میں مکتوبات اور شرح رباعیات بھی شامل ہیں۔ حضرت کے اعجاز نما اشعار میں سے ہر بیت، شاہ بیت ہے۔ اس کا مطلب و معنی جہانِ مطالب و معانی پر حاوی ہے اور اسم مبارک بھی آپ کا "شاہ" ہے اس لیے اپنے نام کی مناسبت سے "شاہ" تخلص فرمایا۔ حضرت کے چند بے نظیر، دل پذیر اور آبدار اشعار یُمن و برکت کی غرض سے درج ذیل ہیں۔

حضرت مُلّا شاہ سَلَّمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ وَ اَبْقَاہُ کا ایک قصیدہ یہ ہے:

لفظ، معنی گردد و معنی، بلفظ آید ترا	چشمِ معنی بین شود ہرگاہ، با لفظ آشنا
سلطنت خواہی بعرفان آکہ از عشق رُوی	کار نکشاید اگر با عشق آری التجا
کیمیا گر خاک زر سازد عجائب میبری	فقر باشد کیمیا گر، خاک را سازد خدا
نیستم منصور و نُصرت خواہ از منصورِ وقت	ناصرِ وقتم بہ سطرِ غیہ کردہ لا اِلٰی
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مقصود را	شاخہا ببریدہ ام از بہرِ سبزیٔ لا

چشمه‌ها را چشمها روشن کن و شو رو شناس ‏‏ ذاتِ بحری را که باشد مرجعِ سرچشمه‌ها

از سرِ هر چشمه بگذر، چشم با چشمه ندوز ‏‏ بحر شو، تا با تو باشد چشمه‌ها را چشمها

لام الف با خود الف با لا چها از بهر چیست؟ ‏‏ از برائے نصب‌ها افراختند این نصبها

دین و دُنیا ماسوا گوید سوائے عارفت ‏‏ ماسوا عین است، موجِ بحر غیر است این چرا

از سواد ماسوا، ماسوی او گشتیم عین ‏‏ عینِ ما از عین روشن شد سواد شد عینِ ما

آتشِ ما سوخت عالم را و خاکستر نشد ‏‏ آتشِ ما را نباشد، هیچ گه رُوی فنا

آتشِ ما را بقا بادا که اُو خوش ساخت سوخت ‏‏ ای خوش آن آتش، فنا را سوزد و سازد بقا

عاشقم، نی عارفم، نی جزو نی کل، نی جسم ‏‏ هستیِ مطلق که شد ارض و سما ما فیهما

فیهما ما و بما ما و همه ما، ما همه ‏‏ ما و غیرِ ما همه ما، آورد هستیِ ما

آدم ار اُفتد بسوئے حق، بجز حق چیست او ‏‏ چیست حالِ قطره، گر در بحر اُفتد از هوا

شاهِ معنی شو، خلاص از لفظ گو یا معنی است

چونکه در گوشت ندا شد، بانگِ من صمت بجا

غزلیات

شُکر که امروز شد دولتِ فردائے ما ‏‏ رُتبهٔ اعلےٰ گرفت، همّت والائے ما

رشتهٔ تسبیحِ ما، رشتهٔ زنّار شد ‏‏ ره سوئے میخانه دارد مرشدِ دانائے ما

اوّل و آخر نداشت، اصلِ تُرا هر که یافت ‏‏ آدم و حوّا نبود، بی بی و بابائے ما

روشنیِ کفرِ ما، ظلمتِ اسلام سوخت ‏‏ تا چه زند فتنه‌ها، سر دگر از پائے ما

قیدِ غلامی نماند، از نگهِ خاصِ او ‏‏ قاضی و مفتی نگر، رحمتِ مولائے ما

دیده دری بود قصد، شد مراد این غرض ‏‏ دست بجائے نهاد، دیده بینائے ما

غایتِ کار آنچہ بود، در برخِ ما کشود
جلوہ گری دست بست، شاہدِ دعوائے ما

کوکبۂ بختِ ما، روئ زمین بر فروخت
مشہدِ انوار شد، جائے تماشائے ما

شاہِ جہان آفرین، جائے مرا بر گرفت
گفت کہ برخیز شاہ، جائے تو شد جائے ما

نہ چراغیست درین خانۂ ویرانۂ ما
روشن از آتشِ عشق تو شدہ خانۂ ما

آری این راست کہ مرغیم، ولی سیمرغیم
دامِ ما تا چہ بود، تا چہ بود دانۂ ما؟

در پئے خانۂ جانانۂ ما شد ہمہ عمر
بود خود خانۂ ما، خانۂ جانانۂ ما

صدقِ دیوانگیٔ ما، مگر اعجاز نمود
شدہ جانانۂ ما، عاشقِ دیوانۂ ما

نکند تا بہ ابد، یاریٔ ہشیاری ہیچ
گر بسہو آنکہ رسد، بر درِ مے خانۂ ما

مدعی در پئے افسونِ گرفتاریٔ خلق
آتشِ پنبۂ گوشش، شود افسانۂ ما

رہِ دیوانگیش شانہ زد پے، بغلط
کیست دیوانۂ ما، عاقلِ فرزانۂ ما

حرفِ دیوانگیست در دلِ ما
چہ زند سر، دگر از این گلِ ما

در تماشاش فرض ہا ہمہ رفت
چیست پرسیدنٔ از نوافلِ ما

روئے او در مقابلِ مرأت
روئے ما بود، در مقابلِ ما

در رہِ عشق آنکہ ما را کشت
غیرِ ما کس نبود، قاتلِ ما

وصل داد این خبر کہ غیرِ یکی
نیست موصولِ ما، و واصلِ ما

درطلب یافتیم خود، خود را — بود حاصل تمام، حاصلِ ما

از سرِ اتحاد این برخاست — میلِ ما اوست، اوست مائلِ ما

ما کہ جز حق نہ ایم، از عرفان — پس چہ پرسی، ز حق و باطلِ ما

از میان چیست پردۂ حائل

شاہ خود بند بود و حائلِ ما

ہمہ او نیست، چیست اے بابا — آنکہ خواہی تو کیست؟ اے بابا!

از نشان پی بہ بے نشاں بردن — کارِ فہم زکیست؟ اے بابا!

عمر اگر صرفِ این مشاہدہ نیست — از پئے چیست زیست؟ اے بابا!

جہل عذر است، این نباید گفت — جہل خوئے خریست؟ اے بابا!

آن گلِ روے جلوہ گر ہمہ سو — دیدہ ات ننگریست؟ اے بابا!

شور و غوغائے اوست در دو جہان — نشنوی از کریست؟ اے بابا!

در رہش شاہ کار سر بازیست

کار کے سرسریست اے بابا!

خانۂ ملّائے ما، با دانشش بادا خراب — با وجودِ آفتاب، از شمع می بیند کتاب

با وجودِ آنکہ آب از سر گذشت، از تشنگی — العطش می گوید و می بیند او سوئے خراب

از سفاہت عاجزم دارد، ز روے اتفاق — در حجاب افتد اگر، پیشِ بصیر آرد حجاب

از ہزاران یک کسی دل باید و نے از ہزار — مشرب ما عکس شد، وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّواب

قفل را از گوش گیر و بر زبان نہ، تا زبان — از زبان بنود، بود از گوش نفعِ بے حساب

دیدۂ اغیار بین و یار بین، این یار بین! — دیدۂ خفاش را کے تاب، تابِ آفتاب

معرفت کے یار ہر کس ہو مگس، یا ہمچو خس — گر پرد اُو در ہوا، یا گردد اُو بر رُوے آب

عمر کوتاہ و شتاب راہ، بہرِ منزل است — رہ نشد کوتاہ مسکین را، چہ حاصل از شتاب

کار باید کرد، گو فرزندِ پیغمبر بوَد — گر حسب بنود، نباشد سُود، از این انتساب

این ریاضاتِ سلوک، از بہرِ توحید است و بس — چون بمنزل شد، برابر گشت بیداری و خواب

سُرخرو آنکس کہ او، از وصلِ حق محروم نیست — اے سیہ رُو آنکہ ہست از آتشِ ہجران کباب

پوست شرع است و طلب مغز است و مغزِ آن سلوک — مغزِ آن جمعیت است و معرفت لُبِّ لباب

من اگر از خود زنم دم، ہیچ ناید باورت — کے توان کردن قیاسِ بحر، از رُوے حباب

مشتِ خاکی، برتر از افلاک گردید، از وجود — گر بپوشد مشکل است و ور نجوشد بے حساب

دستِ عارف فوقِ اَیدِیہم یَدُ اللہ آمدہ — از "ترانی" خوش مشو، ز "لن ترانی" رُو متاب

بارہا گوید ز بابِ فقر، گوید شاہ، باز
عقل داری فرق کن، پروازِ شہباز و ذباب

عارف مدان اگر ز ملامت سلامت است — یعنی علامتِ رہِ عرفان ملامت است

عارف رہی کہ جانبِ وحدت رساند و ماند — ز آنجا گذر نکرد کہ جاے اقامت است

مشکل بآن کسی، کہ ز ہستی گذر نکرد — خود نیست را چہ ہیبتِ روزِ قیامت است

امروز کارِ دل چو نشد، کار شد تمام — امروز اگر نشد، ہمہ فردا ندامت است

چنگِ ارادتی، کہ بدامانِ مرد نیست — دُوری ز وصل، از اثرِ آن شآمت است

راهِ طلب، بصبر بسر میرود همه   این دانه را ثمر شدن، از استقامت است

رفتن بروئے آب و هوا هیچ نیست شاه

از خود خلاص یافتن، اینجا کرامت است

دل اگر دریا شود، یک قطرهٔ دریا شود   قطرهٔ دریائے دل، دریائے بے همتا شود

جزو کل گردد، شود کل جزو، جزو و کل یکیست   جزو و کل از یک دگر این نیست مستثنیٰ شود

ذره خورشید است، خورشید است هر یک ذرهٔ   پُرچنین سر چشم اگر بینا شود، بینا شود

هر کرا دردانشد، دردانشد، اینست و بس!   بشنو از من، هر کرا دروا شود، دروا شود

نیست پستیئے اگر پستی است بربالائے دوست   هر که بالا دید، هر پستی اُو بالا شود

ماشدن آسان نباشد، آری این مقدار هست   چند رُوے بایدش، باما شود، تاما شود

هر که بے استاد زد چنگی، بدامانِ طلب   آخر اُو از پا شود، گر دست سرتا پا شود

آنکه طعنِ ملپئے سُودی کند، آسُوده نیست   او تمامی سُود گردد، گر درین سَودا شود

شاه را خوش مشربِ پاکیست، ای جان هر کہ اُو

از سرِ اخلاص طالب گشت، تالب ها شود

اہلِ دل را زِ دو عالم، چہ تمنّا باشد؟   دل کہ پیشش دو جهان، قطرهٔ دریا باشد!

نگرانی و پریشانیِ مجنون چہ بود؟   اگر از شش جهتش، جلوهٔ لیلیٰ باشد

کوہکن تلخیِ ہجران چہ کشد، چون همه جا   رُوے شیرین، اگرش چشم تماشا باشد

وحدتِ ذات بود، عاشق و معشوق یکیست   قایلِ وحدتِ ذات، ارچہ کہ تنها باشد

دل اگر زنده شود، مرگ کجا؟ مُردن کو؟ — عیش راهست، گر اسباب مهیّا باشد

غم امروز خورد، هر که بود خانه خراب — خانه معمور، خلاص از غمِ فردا باشد

مستِ مے نیست، که گه مست و گهی مخمور است — مستِ خود است مدام است، بہر جا باشد

از نگاهِ ملک الموت، ندارد پروا — آنکه او را نظرِ پاکِ مسیحا باشد

یارِ ما نیست، که پوشیده بوَد، در عالَم — یار پیداست، اگر چشمِ تو بینا باشد

راه و رفتار، بهر کس نتوان نسبت داد

شاه! راه از تو، رفتن همه از ما باشد

رُباعیات

ای خواجه! نماند حالتِ پیشیِ ما — دیگر شده، بیگانگی و خویشیِ ما

گشتیم غنی از حق و درویش ز غیر — اینست ببین غنا و درویشیِ ما

چون پے زده‌ای یقین رهِ مطلق را — لا رَیب گذار قیدِ بے رونق را

تن کیست؟ این (حال) عبودیت چیست؟ — حمّالی، ازین بیش مفرما حق را

همدم چو نه، گذار شغلِ دم را — رَو از رهِ توحید، بجو همدم را

شد حق طلبی، بشغل، دمِ آدم را — جوید بچراغ نیّرِ اعظم را

بردیم بسر تردّدِ لابُد را — رفتیم تمام راهِ بود و شُد را

شد مطلب ما، مقابلِ آئینهٔ دل — دیدیم در آئینه جمالِ خود را

"اُو اُو" گفتن بعارف، این نیست روا   "اُو" "اُو" اگرت بُودست، اینست خطا
اُو اُو بود آنگہی که اُو بود بجا   اُو اُو نبود دگر تو دانی و خدا

گفتم توحید را و گشتی در تاب   در تاب نه، در تاب کر اینست دُرِ ناب
ظاہر شود و باز ہمانجا غایب   موج دریا، ز ذاتِ دریا، در یاب

آن یوسفِ مہ جمال، در ہر چہ نیست   بر تخت کسے تا ننشیند، شہ نیست
در دستِ تصرفست بے حق در ذکر   راہے که بمنزل نرساند، رہ نیست

خس در آتش فتد بگو، خس چه کند؟   آتش در خس افتد بگو، پس چه کند؟
ہر چند بود حوصله کس را عرفان   بر حوصله غالب ار شود، کس چه کند؟

از شش جہتم روے نمودی آخر   از ہر طرفی دلم ربودی آخر
بیرون و درون جلوہ گری میدیدم   بر تحقیق آمدم تو بودی آخر

فرقست اے جان، میانۂ عشق و ہوس   نتواند کرد، کارِ پروانه مگس
آورد صبا بوئے تو، رفتیم از خود   تا بادنمی وزد، نے جنبد خس

زنہار بہرزہ تخمِ اسرار مپاش   ترسم که شود مزرعِ اسرار تو فاش

خواہی ز شریعت بحقیقت وا فستی — بے شرع مباش وبستۂ شرع مباش

بردر کہ زدم، نیافتم، اے درویش — چون یافتمش، یافتمش از درِ خویش
از حق داران وحق گذاران دیدم — درگردنِ خویش، حق خویش از ہمہ بیش

آنرا کہ بماست بر سرِ ایمان جنگ — اُو مؤمن وزِ ایمانِ من اُو را صد ننگ
مومن نشود تا کہ برابر نشود — با بانگِ نماز، بانگِ ناقوسِ فرنگ

عمرے کہ بلند وپست بودم، بودم — در مرتبہ ہیچ وہست بودم، بودم
خود آمدہ ام، بخود پرستی اکنوں — آندم کہ خدا پرست بودم، بودم

شک نیست کہ اسم باسمّی مائیم — مفہوم تمام زشت وزیبا مائیم
گرگفت کسی بما بدی، رنجہ نہ ایم — با صدقِ تمام آشنا تا مائیم

جان قتہ بانِ سرِ تو، اے جانانہ — جویاے تو عالم و تو اندر خانہ
اے باہمہ آشنا و بیگانہ زکل — عالم بتو آشنا و تو بیگانہ

ای طالبِ ذات! از چہ رُو در بدری؟ — جویای خدا! چرا زِ خود بیخبری؟
عین ہمہ وجملگی عین تو اند — اینست حقیقت؛ ار بخود درنگری

از بستگیِ خویش اگر وا کردی | بردار سرِ خویش هیبت کردی
واگرد بگردِ خویش، مانندِ حباب | تا واگردی، ز خویش دریا کردی

از دُوریِ او، همیشه در آزاری | آزار زِ جهل تست، اگر هُشیاری
بیخانه، که هست کعبهٔ تست یقین | وصل است هر آنچه هجرمی پنداری

صد سال اگر به پاسِ این انفاسی | در وسواسی، که بستهٔ این پاسی
کی خود پاسی، که بستهٔ وسواسی | هر گاه که خویش را شناسی، ناسی

باللّٰه که بی واسطه و بین توئی | زینت گرِ کائناتِ کونین توئی
یک حرف ز راهِ درستی میگویم | ای جان کسی، خلاصهٔ عین توئی

مُلّا خواجہ بہاری

ایک اور طریقت و عرفان کی راہگزاروں کے سالِک ،حقیقت و وجدان کی معرفت سے آگاہ، توکّل و رضا کی کشتی، فقر و غنا کے طریقے کے جواں مرد، اہلِ حقائق کے شیخ ،علائقِ دنیاوی کے تارِک ، برگزیدہ حضرتِ باری تعالیٰ، مُلّا خواجہ بہاری ہیں ۔آپ کا مقامِ ولادت اور وطن شہر حاجی پور (پٹنہ) ہے ! اوائل عمری میں علومِ معقول کی تحصیل کی غرض سے وطن سے نکلے ۔کچھ عرصہ قصبۂ گودھ پور میں شیخ جلال ، جو اولیاءؒ کے لقب سے مشہور تھے ، استفادہ کیا ۔پھر وہاں سے سعادت کی کشش لاہور لے آئی ۔یہاں مُلّا فاضل سے علومِ ظاہری کی تحصیل کی اور انھیں کے گھر میں مقیم رہے ۔آخر حضرت میاں جیوؒ رحمۃُ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے اور اُن کے منظورِ نظر ہو گئے ۔حضرت میاں جیوؒ کے باسعادت دامن کو دستِ ارادت سے تھاما۔ اور ان کی خدمت میں رہ کر علمِ باطن کی تحصیل کی ۔گویا ظاہری علوم کے ساتھ باطنی علوم کے بھی جامع ہو گئے اور حضرت میاں جیوؒ رحمۃُ اللہ علیہ کے طریقۂ شریف کے مطابق ریاضت و مجاہدہ کرنے کے لیے جنگلوں میں جا کر ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنے لگے ۔یہاں تک کہ مرتبۂ کمال کو پہنچے اور صاحبِ حالات و مقامات ہوئے

تجرید اور توکّل میں بہت ممتاز ہیں ۔آپ کی ملاقات متعدّد مشائخ سے ہوئی آپ ہمیشہ فرماتے ہیں کہ مجھے جو کچھ ملا ، حضرت شیخ میرؒ کے طفیل ملا ۔جب حضرت پان کھا کر گراتے تو میں اسے اٹھا کر کھا لیتا اور اس کی برکت سے مجھ پر علوم کشف ہوئے ۔جو شخص آپ سے قرآنِ کریم ، احادیث ،فصوص، لمعات ،لوائح اور مثنویٔ معنوی کے مطالب دریافت کرتا ہے ، تو کہتے ہیں :

باوجودیکہ مجھ میں اتنی علمیت نہیں لیکن سب کا مطلب بیان کر سکتا ہوں اور ایک شعر کے متعدّد معنی پیش کر سکتا ہوں ، جو چاہے پوچھ کر آزمائش کرلے ۔

یہ حقیقت ہے کہ آپ بعض مشکل مطالب بڑی خوبی سے بیان کرتے ہیں چنانچہ حکیم سنائی کے
ذیل کے شعر

مجلسِ وعظ رفتنت ہوس است   مرگِ ہمسایہ، واعظِ تو بس است

کے متعلق آپ نے کہا ہے کہ ہمسائے سے مراد قوا اور اعضائے جسمانی ہیں۔ بڑھاپے میں ان میں سے ہر ایک کی قوت ختم ہو جاتی ہے، جیسے دانت، آنکھ، کان، ہاتھ اور پاؤں کی۔ یہ سب اعضاء دل کے ہمسائے ہیں۔ اس شعر میں دل کو خطاب کیا ہے کہ اعضاء کے ضُعف و سُستی سے نصیحت حاصل کرے اور خبردار رہے۔

آپ کسی سے فُتُوح وغیرہ قبول نہیں کرتے تھے مگر ہاں قلیل مقدار میں جو ان کے معتقدین خلوص کی بنا پر لاتے، لے لیتے۔ حضرت میاں جیوؒ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی وفات کے بعد آپ کو قبولِ عام حاصل ہُوا اور خواص و عوام گروہ در گروہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ آپ سے متعدد کرامات اور خوارقِ عادت باتیں ظہور میں آئیں اور اہلِ لاہور میں ان کی عام شہرت ہوئی۔

شیخ وجیہ الدین نے، جو فاضل اور راست گو شخص تھے، بیان کیا کہ غازی خاں نامی درویش کے ہاں شادی تھی۔ مُلّا خواجہ اور بہت سے فقرا وہاں موجُود تھے۔ سب رات بھر بیدار رہے۔ راوی کہتا ہے میں خود بھی شب بیداری میں شریک تھا۔ سردی کا موسم تھا۔ رات بھر خوب آگ جلائی گئی۔ صبح ہوئی تو توحید کے بارے میں گفتگو چھڑی۔ محمود نامی ایک درویش نے، جو لاہور کے مشاہیر میں سے تھا، گفتگو کا آغاز کیا۔ مُلّا خواجہ سے خطاب کر کے کہا: "آپ کا وحدت الوُجود کے متعلق کیا خیال ہے"۔ حضرت مُلّا خواجہ پر اس سوال سے خوشی کی کیفیت طاری ہوئی۔ فرمایا: "یہ ہے توحید!" اُٹھے اور آگ میں کود پڑے۔ تھوڑی دیر آگ میں اس طرح بیٹھے کہ ان کے دامن تک آنچ بھی نہ پہنچی اور سلامتی سے باہر آ گئے۔ لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے اور اُن سے ان کا جامہ حاصل کر کے اس کے ٹکڑے کیے اور تبرک کے طور پر وہ ٹکڑے لے گئے۔ آپ نے اُٹھ کر جنگل کا رُخ کیا یہ واقعہ اس سرگذشت کی مانند ہے جو حضرت مُلا عبدالرحمٰن جامی قَدَّسَ اللہُ سِرَّہٗ نے "نفحاتُ الاُنس" میں

بیان کی ہے: ایک مرتبہ ابو نصر سراجؒ سردی کے موسم میں آتشدان میں آگ جلا رہے تھے۔ حاضرین معرفت کی باتوں میں مشغول تھے۔ دفعتہً شیخ پر حالت طاری ہوئی تو آگ کی طرف بڑھے اور آتشدان کے عین درمیان سجدۂ خدا بجا لائے لیکن آپ کے چہرے کو آنچ تک نہ آئی۔ لوگوں نے کیفیت حال پوچھی تو فرمایا: "جس شخص نے اللہ کی بارگاہ میں اپنی آبرو نثار کر دی ہو، آگ اس کا چہرہ نہیں جلا سکتی۔ یہی حکایت انھوں نے خود اس فقیر سے بیان کی اور کہا کہ میں موحّد ہوں کہ آگ میں بھی کود سکتا ہوں۔ برص کے مریض کے ساتھ کھانا کھا لیتا ہوں اور سب کے پاؤں میں گرتا ہوں"۔

پھر فرمایا: "کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس مسئلے پر بات کروں کہ توحید کیا ہے"؟ میں نے عرض کی: "ضرور فرمائیے"۔ آپ کہنے لگے کہ ایک دن لوگوں نے مجھے اس طرح خطاب کیا: "اے شاہ ولی! اے مُلّا خواجہ! اے شیخ ولی!" پھر کہا "اے کافر! اے یہودی" حق تعالیٰ کی یگانگت کی قسم! کہ نہ مجھے اس کی تعریف بھلی معلوم ہوئی، نہ اس کی مذمت ہی بُری لگی۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ایک رات مُلّا فاضل کے گھر آش پکی تھی اس کی اہلیہ نے آش کا پیالہ اٹھایا اور چاہا کہ خود لے جا کر مُلّا خواجہ کی خدمت میں پیش کرے۔ جب وہ حجرے کے دروازے پر پہنچی تو دیکھا کہ ان کے اعضائے جسمانی حجرے میں جُدا جُدا پڑے ہیں۔ اس نے خیال کیا کہ کسی نے انھیں قتل کیا ہے اور ان کے جوڑ جوڑ الگ کر دیئے ہیں۔ اس کے دل پر سخت ہیبت طاری ہوئی۔ چیختی چلاتی مُلّا فاضل کے پاس آئی اور جو دیکھا تھا، بیان کیا۔ مُلّا سراسیمہ ہو کر دوڑا۔ جب ان کے حجرے میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ مُلّا خواجہ بیٹھے ہیں اور ذکر میں مشغول ہیں۔ اس پر وہ دبے پاؤں وہاں سے لوٹ آیا اور بیوی سے کہا کہ اولیاء کے اپنے حالات و مقامات ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ ایسی حالت میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔

کہتے ہیں، ایک شخص کے بیٹے کے جسم پر برص کے داغ نمودار ہو گئے۔ طبیب اس کا علاج نہ کر سکے۔ آپ بچوں کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ اس لیے وہ مریض لڑکا کبھی کبھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ آپ

نے اس کے باپ سے کہا، اس کا کوئی اور علاج نہ کرنا، ہم اس کا علاج کریں گے۔ جس وقت لڑکا آپ کے پاس آتا تو برص کے داغوں کو اپنی انگلیوں سے ملتے، یہاں تک کہ آپ کی انگلیوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دی اور چند ہی روز میں برص کے سفید داغ جاتے رہے۔

یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ جب والیٔ ایران صفی مزرا نے ۱۰۵۱ھ میں قندھار پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو فقیر (دارا شکوہ) نے اس کے بارے میں حضرت کی خدمت میں عرض کی۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی کیا بساط ہے کہ آئے! وہ کسی آفت میں مبتلا ہو جائے گا۔ یہاں وہ ہرگز نہ آسکے گا چنانچہ ہاتھ سے اس کی ہلاکت کا اشارہ کیا۔ آپ کے ارشاد کے ایک ماہ بعد خبر ملی کہ صفی مرزا کو زہر دے کر مار دیا گیا ہے زہر کا یہ اثر ہوا کہ اس کا جسم چھلنی ہو گیا۔

حضرت مُلّا خواجہ بہت خوش گفتار اور خوش بیان ہیں۔ بات کرتے ہیں تو کبھی کبھی ان پر جذبہ طاری ہو جاتا ہے کسی سے ڈرتے نہیں۔ بڑے جلال میں باتیں کرتے ہیں۔ آپ کے ظاہر و باطن سے فقر اور تجرید عیاں ہے۔ شادی نہیں کی اور اب بقید حیات ہیں۔ لاہور میں پہلے تو مُلّا فاضل کے مدرسے میں قیام تھا، اب کسی اور جگہ مُقیم ہیں۔ فقیر کی ان کے ساتھ اکثر صحبت رہی ہے۔ بہت دن ہم نے ایک ساتھ گزارے ہیں۔ حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کا عُرس وہی کرتے ہیں۔ تا حال انھوں نے کسی کو ذکر میں مشغول نہیں کیا۔

شیخ محمدؒ لاہوری

اہلِ تمکین کے سردار، اربابِ یقین سے ربط رکھنے والے، کاملِ علوم، واعظِ رسوم، زہد و ورع کے طریقے کے سالک، اہلِ توکّل وصفا کے زکی، عارف باللہ، جاہ و مرتبہ سے دُور، صبر و رضا کے زاویہ نشین شیخ محمد لاہوری علومِ معقول میں بڑی دسترس رکھتے ہیں۔ شہر لاہور کے مدرّسوں میں سے تھے۔ آخر وہ وقت بھی آیا کہ تمام کتابیں فُقرا کے حوالے کیں، درس چھوڑا، ترکِ علائق کیا اور حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچ کر بیعت کر لی۔ میرے استاد اخوند میرک شیخؒ اور آپ ایک ہی جگہ مُلّا عبدالسلام مفتی لاہوری سے درس لیتے تھے۔ پھر حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں شغلِ خاص میں مشغول کیا، جو عام شغل سے، جس میں آپ یاروں کو مشغول فرمایا کرتے تھے، مختلف تھا۔ شیخ محمد پر آپ کی خاص عنایت تھی۔ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم تھا کہ شیخ عیال دار اور کمال درجے کے متوکّل شخص ہیں، اس لیے جو طعام معتقدین آپ کی خدمت میں لے کر آتے، پہلے اپنے دستِ مبارک سے شیخ محمد کے عیال کے لیے کھانا الگ کرتے اور خود کپڑے میں باندھ کر کسی کے ہاتھ شیخ محمد کے گھر بھجوا دیتے۔ نیز جو فتوح آتا، اس میں سے بھی شیخ محمد کا حصہ الگ کر کے انھیں عنایت کرتے۔ شیخ محمد پر حالات و کمالاتِ عالی ظاہر ہوتے ہیں۔ بہت بڑے بزرگ ہیں۔ تاحال بقیدِ حیات ہیں اور لاہور کے محلہ "اتھر" میں رہتے ہیں۔ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے یاروں میں فقر اور عجز و فنا میں ممتاز ہیں۔ گوشہ نشینی اختیار کر رکھی ہے۔ اس لیے کسی سے زیادہ میل جول نہیں رکھتے۔ دن میں اکثر حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے روضے پر جاتے ہیں اور راتوں کو ایک تنگ سے حجرے میں زمین پر قبلہ رو بیٹھ کر مراقبہ کرتے ہیں۔ جب تک ان سے کوئی سوال نہ کرے اور بات نہ پوچھے ہم کلام نہیں ہوتے۔ نہ خود ہی بات کرتے ہیں۔ ہمیشہ سر جھکائے رہتے ہیں۔

اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ پسندیدہ کے حامل ہیں۔ مجھے بے حد عزیز رکھتے ہیں۔ میں بھی ان کا معتقد ہوں شیخ کو بعض باتوں میں مجھ پر حق بھی حاصل ہے۔ آپ کامل فقیر ہیں آدابِ شریعت کو بہت ملحوظ رکھتے ہیں۔ اگر مجلس میں اس گروہ کے علاوہ کوئی اور شخص بیٹھا ہو تو اسرار کی کوئی بات نہیں کرتے۔ ایک دن اس فقیر کو کہا کہ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ نے جب مجھے ذکرِ الٰہی میں مشغول کیا تو چند دن بعد دریافت فرمایا کہ کہو اب حق تعالیٰ سُبحانہٗ کے مقابلے میں یہ ساری دنیا تمھیں کیسی نظر آتی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ آسمان کا ہر ستارہ مجھے ناخن کی پشت کی مانند نظر آتا ہے۔ میری نگاہ کا یہ عالم ہے کہ وہ خود لامحدود ہو کر ذاتِ لامحدود پر پڑ رہی ہے اور اس کے مقابلے میں تمام موجودات مجھے ہیچ نظر آتے ہیں۔

حضرت شیخ محمد نے فرمایا کہ سالک، راہِ طریقت پر چلتے ہوئے شروع میں اپنے آپ کو سمندر میں پانی کے ایک قطرے کی مانند سمجھتا ہے، جو مروارید بن گیا ہو۔ جب وہ طریقت کی منزلیں طے کر لیتا ہے اور اسے فنا کا مقام حاصل ہو جاتا ہے تو اس کے مروارید ہونے کی صفت جاتی رہتی ہے اور وہی پانی کا قطرہ جو مروارید بن گیا تھا، خود سمندر بن جاتا ہے جیسے کہ ذرّہ یخ، جو شروع میں پانی تھا اور جمنے کی وجہ سے اس کا نام یخ ہو گیا۔ جب وہ سمندر میں دوبارہ گرا اور پگھلا تو (سمندر کا حصّہ ہو کر) سمندر بن گیا۔ اب جس قدر تلاش کرو وہ کہیں نظر نہیں آسکتا۔ اس کی انتہا کا یہ عالم ہے کہ جب اس کا وجود درمیان سے ہٹا تو سمندر کے سوا کچھ نہ تھا۔

شیخ سے میں نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ آپ کو معلوم تھا کہ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کا وقت آگیا ہے؟ آپ نے کہا بیشک مجھے معلوم ہو گیا تھا۔ تندرستی کے زمانے میں تو وہ اکثر راتوں کو مجھے اپنے مقدس حجرے میں اپنے پاس رکھا کرتے تھے۔ انھیں جب عارضہ لاحق ہوا تو ایک دن میں نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ آپ کو جب گھٹنے کا درد یا کوئی اور تکلیف ہوتی تو آپ فرماتے تھے کہ جنگل میں جا کر فلاں دعا پڑھوں تاکہ تکلیف اور بڑھے۔ یہ سُن کر آپ نے مُسکراتے ہوئے فرمایا کہ شیخ محمد!

اب یہ وقت ویسا نہیں۔ میں سمجھ گیا کہ آپ کی رحلت کا وقت آپہنچا ہے۔ جس دن آپ کا آخری وقت قریب آ گیا تو صبح کے وقت ایک شخص کو بھیج کر تاکید کی کہ خواہ میں جنگل میں ہوں یا گھر میں، مجھے بلا لائے۔ میں اس وقت جنگل میں تھا۔ وہ شخص مجھے وہاں سے بلا لایا۔ جب میں آپ کی خدمت میں پہنچا تو لوگوں کو فرمایا کہ سب باہر چلے جائیں۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر دیر تک باتیں کرتے رہے اور از راہِ عنایت مجھے کچھ راز و اَسرار کی باتیں بتائیں اور اسی روز رحمتِ حق سے جا ملے۔

میاں شیخ محمد، حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا اخلاص اور نیازمندی رکھتے ہیں۔ آپ نے بارہا فرمایا ہے کہ وادیٔ تحقیقات میں متاخرین میں سے حضرت میاں شیخ میرؒ جیسا استاد اور زیادہ علم رکھنے والا شخص کوئی نہیں۔ آپ کے درجات کو پہنچنا بہت دشوار ہے۔

میاں شیخ محمد حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے اکثر لوگوں کو ذکرِ حق میں مشغول کرتے ہیں۔ اخلاقِ حسنہ کے مالک ہیں۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتے ہیں۔

میاں حاجی محمّد بنیانی

ایک اور اہلِ مُجاہدہ کے داعی، مشاہدے میں مستغرق، طریقتِ خداشناسی کے سالک، میاں حاجی محمد بنیانی ہیں۔ آپ حضرت عباسؓ کی اولاد سے ہیں۔ فقر اور تجرید کے طریقے کو خوب جانتے ہیں۔ حضرت میاں جیوُ رَحمۃُ اللہِ عَلَیہ کے ارشاد کے بموجب آپ نے بہت سفر کیے ہیں۔ سپاہیانہ لباس زیبِ تن کرتے ہیں۔ حضرت میاں جیوُ رہ کے قدیمی یاروں میں ہیں۔ ہم عصر انھیں بہت عزیز سمجھتے ہیں۔ حضرت مُلّا شاہ سَلّمہُ اللہُ تَعَالیٰ اَبقَاہٗ ان کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ اوائل ایام میں وہ حضرت میاں جیوؒ کی خدمت میں آئے اور صاحبِ امتیاز ہوئے۔ تین سال تک حضرت کے ساتھ رہے۔ اس سے پہلے سپاہگری کے دوران طریقۂ چشتیہ میں مشغول رہے تھے لیکن کافی عرصے بعد بھی جب انھیں کشائش نصیب نہ ہوئی، تو حضرت میاں جیوُ رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کی خدمت میں آئے اور مشغولِ ذکر ہوئے یہاں ان پر حالات و مقامات کے دروازے کھلے اور تھوڑی ہی مدت میں اپنی مُراد پائی، جس کے وہ طلب گار تھے۔

اس فقیر (دارا شکوہ) کی ان سے اکثر صحبت رہی ہے۔ فقر کو بہت پسند کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں حضرت میاں جیوُ رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کی خدمت میں اوائل جوانی میں حاضر ہُوا تھا۔ حضرت طالبوں کی تربیت و تہذیب پر بہت توجہ دیتے تھے۔ وہ خود جب باغوں میں جاتے تو میں ان کے ہمراہ ہوتا تھا۔

حضرت کے اقوالِ نیک اور وہ اشعار جو حضرت پڑھا کرتے تھے، انھیں خوب یاد ہیں۔
حضرت کے اکثر خوارق انھوں نے بیان کیے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "ستر سال حضرت نے حق سُبحَانَہٗ کی یاد میں اس طرح گذارے کہ دل میں کسی غیر کا خیال نہ آیا۔ آپ کے ساتھ درخت ہم کلام ہوتے

تھے۔ علاوہ ازیں حضرت کے متعدد عجیب و غریب حالات میرے مُشاہدے میں آئے۔ اکثر لوگ حضرت میاں جیوُ رحمۃُ اللہ علیہ کے مُرید ہوئے جنھیں حضرت نے بالآخر رُشد و ہدایت کی اجازت بھی دی میں نے میاں حاجی سے ان کے ابتدائی حالات دریافت کرنے کے لیے سوال کیا تو کہا:

"شروع میں میرا پیشہ ملازمت تھا اور صدی منصب پر فائز تھا۔ آخر میں نے ملازمت چھوڑ دی اور قبلۂ عارفاں (حضرت میاں جیوُ ؒ) کی خدمت سے وابستہ ہُوا"۔ حضرت نے دریافت فرمایا: "تمھاری عمر کتنی ہے"؛ میں نے عرض کی اکتیس سال! مجھے انھوں نے مُریدی میں قبول فرمالیا اور پوچھا کسی اور جگہ بھی ذکرِ الٰہی میں مشغُول ہوئے تھے؛ عرض کی کہ سلسلۂ چشتیہ میں مشغول رہا ہوں۔ پھر یہ دریافت کیا کہ اب تک کشائش ہوئی کہ نہیں؛ میں نے صورتِ حال عرض کی کہ اپنے بائیں جانب میں نے اتنی توجہ کی کہ وہ جگہ سخت ہوگئی لیکن کشائش نصیب نہ ہوئی۔ پھر حضرت نے مجھے ذکرِ الٰہی میں مشغول فرمایا اور دو تین دن میں ہی ریاضت کے بغیر مجھے کشائش نصیب ہوگئی جس سے میں حیران رہ گیا۔ اس کشائش کا کچھ حال میں نے حضرت کی خدمت میں بیان کیا۔ آپ مسکرائے اور فرمایا، ہمارا طریقہ ایسا ہی ہے یعنی بغیر اس کے کہ کوئی جوڑ ٹوٹے اور ورم آئے، کشائش ہوجاتی ہے۔

میاں حاجی شعر بھی کہتے ہیں اور لقائی تخلّص کرتے ہیں۔ ان کے بعض اشعار درج ذیل ہیں:

سروِ قدت کہ در چمنِ جاں ثمر دہد — ہر صبح ز آفتاب بشام از قمر دہد
در حیرتم، تلخ کلام، از دہانِ تو — یک زہر خندِ لعلِ لبت، صد شکر دہد
نازم بچشمِ تو، کہ بہنگامِ ہر نگاہ — یک جان ز تن رباید و صد جانِ دگر دہد
صد آفریں بصانعِ بیچون کہ از کرم — شکّر لبے ترا و مرا چشمِ تر دہد
جانیکہ زندگانی نقد است آرزو — آن جان لقائی از غمت ای سیمبر دہد

ای چشمِ تو، دلربای مردُم — وی لعلِ تو، جانفزای مردُم
چشمت کُشد و لبت دہد جان — یعنی کہ توئی خدائے مردُم
در جانِ منی، چو جان درین تن — در دیدہ توئی بجای مردُم

صد شکر کہ از عشقت، مردودِ جہاں گشتم — ناموس چکار آید، رسوائے محبت را
دیوانۂ عشقِ تو، تنہاست زغیرِ تو — ذوقیست بہ تنہائی، تنہائے محبت را

یہ شعر بھی انھیں کا ہے

صفاتِ حسنِ تو ز آنرو نمی توان گفتن — کہ چشم نیست زبان را و چشم را نہ زبان

ذیل کی غزل انھوں نے حضرت میاں جیو رح کی وفات پر لکھی تھی۔

غزل

شبے کہ از غمِ آں غمگسار می گریم — چو ابر نعرہ زنان، زار زار می گریم
بسانِ ابر، گہے گریہ، گہ فغان دارم — بحالِ زارِ خودم، ابروار می گریم
بغم تو، از دلِ پُرخون نمی رود، چہ کنم! — من از غمِ تو، چو ابرِ بہار می گریم
بیادِ شمعِ جمالِ تو، بی تو شمع صفت — گہی بدامن و گہ بر کنار می گریم
غریب و بیکسم، اندر دیارِ خود، بی تو — بجستجوی تو، در ہر دیار می گریم
قرار و صبر برفت، از دلِ شکستۂ من — بہ آہ و نالۂ دل، بیقرار می گریم
فغان کہ سوختم از داغِ عشقِ پنہانی — ز دردِ داغِ نہان، آشکار می گریم
نشستہ در دلِ تنگم، چو خارہای فراق — صباح و شام از آن خار، خوار می گریم
چو گلعذارِ من، از دیدہ ام نہان گردید — ز بہرِ دیدنِ آن گلعذار می گریم

بگفت ناصحم، این گریات چراست چنین؛ بگفتمش، کہ من از عشقِ یار می گریم

لقای از غمِ آن ماہِ خوش لقا مُردم

من از دو دیدۂ خونبار زار می گریم

ایک تکیہ، جس کا سہارا لے کر حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ نے سات سال یادِ خدا میں گزارے تھے، وہ انھوں نے میاں حاجی محمد کو عطا کیا تھا۔ انھوں نے کمال عنایت فرما کر مجھے دے دیا حضرت میاں جیو آپ کو بہت چاہتے تھے اور آپ کے حق میں انھوں نے سفارش بھی فرمائی تھی اور ہمیشہ آپکے حال پر دل وجان سے ان کی توجہ رہی ہے۔ (اس لیے یہ آپ کا حق ہے)

میاں حاجی نے یہ بھی بتایا کہ حضرت میاں جیو کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے کسی رات بھی پہر دو پہر سے زیادہ نہیں سو سکا تھا اور بیداری کی حالت میں بھی اکثر پریشان رہتا تھا لیکن حضرت میاں جیو کی خدمت میں آنے کے بعد دو تین دن ہی گزرے تھے کہ ایک رات میں ذکرِ الٰہی میں مشغول بیٹھا اور لذت و ذوق کے عالم میں تمام رات بیدار رہا لیکن نیند کا کوئی اثر مجھ پر ظاہر نہ ہوا دل میں خیال آیا کہ یہ قدرت مجھے کیونکر حاصل ہوئی۔ حضرت میاں جیو نے سر اوپر اٹھا کر فرمایا: تو خود بیدار نہیں رہا۔ جب شکاری شکار کو پکڑ لیتا ہے تو تمام رات جاگ کر اس کی نگہداشت کرتا ہے۔ میں نے تمھیں اپنے ہاتھ سے پکڑا اور جاگ کر تمھاری نگہداشت کی۔ اس وجہ سے تم رات بھر جاگے ہو۔ یہ سن کر میں نے توبہ کی، اور مرشدِ کامل کے قدموں پر سر رکھا۔

یہ فقیر اکبر آباد میں تھا کہ خبر ملی، میاں حاجی محمد نے ۱۰۵۴ھ ہفتم ماہِ مبارکِ رمضان بروز سہ شنبہ جہانِ فانی سے رحلت کی۔ انھیں حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ منورہ کے قریب میاں نتھا کی قبر کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

شیخ احمد سنامی

ایک اور عالمِ باعمل، عارفِ کامل، شیخِ باوقار، صاحبِ فقر و انکسار، بادۂ گمنامی کے سیاح، شیخ احمد سنامی حضرت میاں جیوؒ کے جلیل القدر قدیمی مُریدوں میں سے ہیں۔ قصبۂ سنام کے رہنے والے ہیں۔ علومِ باطنی کی تحصیل حضرت میاں جیوؒ کی خدمت میں رہ کر ہوئی۔ علومِ باطن میں کامل ہو گئے ہیں اور متعدد ریاضتیں اور مجاہدے کیے ہیں۔ اکثر وقت جنگلوں اور پہاڑوں میں گزارتے ہیں۔ لوگوں کے ساتھ میل جول سے اجتناب کرتے ہیں۔ شہر میں بہت کم ٹھہرتے ہیں۔ منزلِ طریقت میں رُو بترقی ہیں۔ ترک و تجرید اور تفرید و توکّل میں عالی درجہ رکھتے ہیں۔ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ ان کے فقر و غنا کی تعریف کیا کرتے تھے۔ ایک تکمے والا کرتہ، جو فقرائے ہند کا لباس ہے، پہنتے ہیں۔ چادر بہت کم اوڑھتے ہیں۔ لُنگی زیبِ تن کرتے ہیں اور رُومال باندھتے ہیں۔ عمر ستر سال سے تجاوز کر گئی ہے لیکن بڑھاپے میں بھی ہمیشہ پیدل چلتے ہیں۔ اوائلِ حال میں جب وہ پہاڑوں میں جاتے تو تیس چالیس دن تک مشغولِ حق رہتے۔ اس وقت ان کے پاس کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں ہوتا تھا۔ کبھی کبھی شہر لاہور میں بھی آجاتے۔ ایک دو ہفتے کے بعد جب حضرت میاں جیوؒ کی خدمت میں آتے تو حضرت پر ظاہر ہو جاتا کہ انھوں نے کئی دن سے کچھ کھایا نہیں۔ جس وقت انھیں دیکھتے، تو شفقت فرماتے اور کچھ کھلا دیتے۔ شیخ ہمیشہ خشک روٹی کا ٹکڑا اپنی چادر میں باندھ رکھتے تھے۔ جب کوئی آشنا یا بیگانہ کچھ کھانے کو کہتا، تو وہی خشک روٹی کھا لیتے اور فرماتے کہ میں نے روٹی کا کچھ حصّہ کھا لیا ہے اور کھانے کے لیے کچھ باقی بھی ہے۔ اب اور کھانے کی احتیاج نہیں۔ کسی سے کچھ نہیں لیتے۔ شادی بھی نہیں کی۔ خشوع و خضوع کے طریقے کو انھوں نے انتہا تک پہنچایا ہے۔ لوگوں کے انبوہ سے پرہیز کرتے ہیں اور اپنا حال سب سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔ بات کم کرتے ہیں۔ شہر یا کسی ایک مقام پر مستقل سکونت

نہیں کرتے۔ ان کا کوئی گھر یا ٹھکانا نہیں۔ جہاں پہنچتے ہیں، وہاں چند روز ٹھہر کر کسی دوسری طرف کو چل دیتے ہیں۔ آپ سے متعدد کرامتیں بھی ظہور میں آئی ہیں۔ آج کل جہاں کہیں سے طعام آتا ہے، انکار نہیں کرتے اور تناول فرما لیتے ہیں۔ حضرت میاں جیو رح نے فرمایا تھا کہ یہ تو شیخ احمد روحی ہو گئے ہیں۔ فقیر (دارا شکوہ) نے انھیں دو بار دیکھا ہے۔ بہت کم بولتے ہیں۔ اکثر خاموش رہتے ہیں۔ لوگوں کے میل جول کو پسند نہیں کرتے۔ شیخ احمد دہلوی آپ کے بہت معتقد ہیں یہ دونوں اکثر اکٹھے رہتے تھے۔

آپ کی رحلت ۱۰۵۹ھ گیارہ ماہ شعبان بروز جمعہ ہوئی۔

شیخ احمد دہلوی

زُہد و تقویٰ کے طریقوں کے سالک، مہر و محبت کی زبان، حقائق و معارف سے آگاہ، مسائلِ دنیوی سے بے نیاز، شیخ احمد دہلوی حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے مُریدوں اور محبوبوں میں سے ہیں۔ آپ برِّ صغیر پاکستان و ہند کے بزرگ زادوں اور حضرت ابراہیم ادھم کی اولاد سے ہیں۔ صاحبِ ریاضت و مجاہدہ ہیں۔ علومِ ظاہری و باطنی اور علومِ غریبہ میں انھیں کمال حاصل ہے۔ حضرت کی صحبت میں رہ کر آپ نے معارف حاصل کیے ہیں۔ بقیدِ حیات ہیں، بلکہ ابھی تو ان کا عہدِ شباب ہے۔ اکثر سفر میں رہتے ہیں، کبھی اپنے وطن دہلی چلے جاتے ہیں اور کبھی کانگڑہ کے پہاڑوں کی سیر کرتے ہیں۔ علمِ تصوّف سے خوب بہرہ یاب ہیں۔

کتاب "فصوص"[1] اور "فتوحاتِ مکیہ"[2] کا درس دیتے ہیں۔ "فصوص" کا کچھ حصہ فقیر (دارا شکوہ) نے ان سے پڑھا ہے اور ان سے صحبت بھی رہی ہے۔ ایک بار سفر میں فقیر کے ہمراہ بھی رہے تھے۔ جامعِ صفات ہیں۔ تیر اندازی کا فن خوب جانتے ہیں۔ طبابت میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔

شیخ احمد نے فرمایا تھا کہ کوہستان کانگڑہ میں مَیں نے بنگال کے رہنے والے ایک شخص کو دیکھا جو نو مسلم تھا۔ سابقہ نام اس کا جگن ناتھ تھا اور اسلامی نام عبدالسلام۔ علومِ معقول و منقول میں یگانۂ زماں تھا۔ اکثر علومِ عجیبہ مثلاً علمِ حروف خوب جانتا تھا۔ اس جیسے جامعِ علوم کم ہی ہوتے ہیں۔ علمِ حروف میں نے اس سے سیکھا۔ سیاحت خوب کی تھی۔ اکثر مشہور شہروں میں گھوما پھرا، ایک مرتبہ اس نے

---

[1] مُصنّفہ محی الدین ابن عربی
[2] ایضاً

مجھے کہا کہ صوفی وہ ہوتا ہے کہ جس چیز کا تصور کرے، خود بھی وہی ہو جائے۔ میں نے کہا: "تم جو کہہ رہے ہو، ممکن ہے ویسا ہی ہو، لیکن میں نے اب تک کوئی ایسا صوفی نہیں دیکھا۔ جب تک خود نہ دیکھ لوں، کیسے یقین کروں"۔ اس نے کہا: "بہت خوب"۔ ایک دن میرے پاس ایک مریض آیا۔ اس وقت عبدالسلام بھی بیٹھا ہوا تھا۔ کہنے لگا: "شیخ احمد! میری نبض تو دیکھنا" میں نے نبض دیکھی تو اسے تندرست پایا پھر وہ بولا "اب اس مریض کی نبض دیکھو" نبض دیکھنے میں مجھے خاصہ ملکہ حاصل ہے۔ نبض دیکھی تو اسے بہت مضمحل پایا۔ بعدازاں عبدالسلام نے مریض کی طرف آنکھیں بند کر کے توجہ دی۔ تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھولیں اور کہا: "اب پھر میری نبض دیکھو" میں نے دوبارہ اس کی نبض دیکھی تو اس کی حرکت بیماروں کی سی تھی۔ عبدالسلام نے کہا "مجھے فلاں بیماری ہے اور میری حالت ایسی ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا: "مریض کی نبض پھر دیکھیے اور اس کا حال پوچھیے"۔ اب جو میں نے مریض کی نبض دیکھی تو اس کی حرکت بھی بالکل عبدالسلام کی نبض کی طرح محسوس ہوئی۔ مریض کا حال پوچھا، تو اس نے وہی بتایا، جو عبدالسلام نے اپنے متعلق کہا تھا۔

حضرت میاں ابوالمعالی

ملامت کی آفتوں سے پاک، دلوں کے بھیدوں سے آگاہ، موجودات کے پوشیدہ اسرار سے باخبر، شیخ میاں ابوالمعالیؒ ہیں۔ ان پر حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی خاص عنایت رہی تھی حضرت فرماتے تھے، ظاہر اُن کا ویسا ہی ہے، جیسا کہ تم کو نظر آتا ہے۔ وہ ہم پر اعتراض بھی کرتے ہیں اور ہم سے منکر بھی ہیں لیکن جس کام پر وہ توجہ دیتے ہیں، وہ ہو جاتا ہے ایک مرتبہ یہ فقیر بیمار ہوا تو حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوالمعالیؒ سے کہا کہ جنگل میں جاکر ہمارے اس دوست کے لیے فلاں چیز پڑھیے کہ یہ اچھا ہو جائے۔ آپ جنگل کو گئے اور حضرت کے ارشاد کے مطابق عمل کیا اور فقیر کو صحت ہو گئی۔

حضرت ابوالمعالیؒ بھیرہ کے رہنے والے ہیں۔ آپ کے والد وہاں کے قاضی تھے۔ وہیں تحصیلِ علوم کی، پھر بیوی بچوں کو وہیں چھوڑ لاہور آگئے اور حضرت میاں جیوؒ کی خدمت میں رہ کر مشغولِ حق ہوئے۔ وہ کہتے تھے کہ حضرت نے مجھ پر ایسی نظرِ عنایت کی کہ تھوڑے ہی عرصے میں دلی کشائش حاصل ہو گئی اور کچھ ایسی حرارت پیدا ہوئی کہ جسم جلنے لگا۔ ہر چند کہ دھنیا میرے جسم پر ملا گیا اور مجھے کھلایا بھی گیا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ ان کے بڑے بیٹے بڑے لائق طالب علم ہیں لیکن انھیں اپنے پاس آنے کی اجازت نہیں دیتے اگر کبھی وہ لاہور ان کے پاس آ بھی جائیں تو کہتے ہیں: "اگر اسی وقت واپس نہیں جاؤ گے تو میں تمھیں مار دُوں گا۔" آپ نے بہت ریاضت اور مجاہدے کیے ہیں۔ میں نے حضرت میاں جیوؒ کی زبانِ صدق بیان سے اکثر ان کی تعریف سُنی ہے لیکن حضرت کے بعض مُریدوں نے مجھے بتایا تھا کہ شیخ ابوالمعالی رُوحانی قیود سے باہر ہو گئے تھے۔ اس وجہ سے حضرت میاں جیوؒ ان کی طرف سے کچھ آزردہ خاطر سے تھے۔ شیخ پر ایک جذبہ طاری ہوا اور صاحبِ سُکر ہو گئے۔ اور ملامتی طریقہ اختیار کیا۔ حضرت میاں جیوؒ کے طریقے میں

رہ کر کسی اور نے یہ روش اختیار نہیں کی۔ ایسی صورت میں واجب باتیں اور فرائض ترک ہو جاتے ہیں اور ان کے ظاہری اعمال و افعال شریعت کے منافی نظر آتے ہیں۔ آج کل بقید حیات ہیں اور لاہور میں مقیم ہیں۔ ان سے متعدد کرامتوں کا ظہور ہُوا ہے۔ اکثر غیر عالم لوگ ان کے معتقد ہیں۔ کسی شخص نے بیان کیا کہ ایک دن میں حضرت ابوالمعالیؒ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور ان کے افعال و اعمال بظاہر شریعت کے منافی دیکھے۔ میں نے خیال کیا کہ انھیں حضرت میاں جیوؒ کا مُرید کہتے ہیں اگر ان کے سبھی مرید یہ طریقہ اختیار کر لیں تو حضرت کا سلسلہ کہاں باقی رہے گا! میرے اس اندیشے کی اطلاع حضرت کو ہوئی تو فرمایا: "اے درویش! تو میاں جیوؒ کے سلسلے کو جاننا چاہتا ہے؟ ان کا سلسلہ پندھرواں ہے، باقی چودہ سلسلوں سے انھیں کوئی سروکار نہیں۔"

فقیر (دارا شکوہ) حضرت شیخ کو مَلامتی طریقے سے باز رہنے کے لیے کہتا تھا اور ان کے اس طریقے سے رنجیدہ بھی تھا۔ ایک دن میرے مرشد (مُلّا شاہؒ) نے مجھ سے پوچھا: "کیا تم نے لاہور میں حضرت ابوالمعالیؒ کو دیکھا ہے؟ عرض کی کہ میں نے انھیں اس وقت سے نہیں دیکھا جب سے انھوں نے اپنا طریقہ بدل دیا ہے۔ میں نے حضرت ابوالمعالیؒ کے متعلق کچھ باتیں کہیں لیکن آپ نے فرمایا: "ایسا نہ کہو۔ وہ خوب آدمی ہیں! تمھیں ان کے ظاہر سے کیا سروکار! انھوں نے باطن پاک کر لیا ہے اور صاحبِ معرفت ہیں۔ نیز فرمایا: "ان دنوں وہ اپنے حال میں نہیں اور شعُور کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اگر وہ میرے پاس آئیں تو میں پھر ان کو شعُور کی حالت میں لے آؤں۔ میں نے انھیں تھوڑی سی حقیقت ہی بتائی تھی کہ ان کی حالت غیر ہو گئی تن بدن میں جیسے آگ بھڑک اٹھی۔ کپڑے پارہ پارہ کر دیئے۔ اگر وہ میرے ساتھ ہوتے تو یہ حالت نہ ہوتی۔ ہمارے یہ مُرید بھی اگر ہمارے ساتھ نہ رہیں تو یہی حال ان کا بھی ہو لیکن میں رات دن ان سے باخبر رہتا ہوں۔"

حضرت ان کی تعریف کرتے تھے لیکن فقیر کو ان سے اتفاق نہ تھا۔ اس مرتبہ ایک دن میں نے حضرت ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی۔ طویل عرصہ تک صحبت رہی۔ فی الواقع شیخ بڑی صلاحیتوں کے مالک اور اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ توحید اور معارف بیان کرتے ہُوئے خوش ہوتے ہیں، تو

بڑے فصیح طریقے سے اظہارِ خیال کرتے ہیں اور رُموز کی طرف بڑے لطیف اشارے کرتے ہیں۔ شعر خوب کہتے ہیں سراپا سوز و درد ہیں۔ بات بات پر آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ اکثر روتے رہتے ہیں۔ فقیر (دارا شکوہ) نے ایسا سوز و گداز کبھی کسی میں نہیں دیکھا۔ مجھے بہت چاہتے ہیں، ہر قسم کے تکلف سے بے نیاز ہیں۔

مثنوی معنوی کے چند شعروں کی شرح، جو آپ نے لکھی، وہ خود اس فقیر کو دی۔ یہ شرح بعینہٖ ذیل میں درج کی جاتی ہے:

خدائے یگانہ کی ثنا جس کی بارگاہ میں دُوی کی گنجائش نہیں اور نبیٔ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی ذاتِ خاص پر سلام و درود کے بعد جن کی ذات لاثانی ہے اور جن کے پیکرِ لطیف کے سوا اور کوئی اس درود کا مستحق نہیں، فرماتے ہیں:

دریائے رُوح کے غوّاص، حقائق و عرفان کے جوہری، سرمستِ لایزالی ابوالمعالی کہتے ہیں کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ مثنوی معنوی مولوی کے بعض اشعار کی تشریح و تفصیل، جو متقدمین نے کی، وہ اب نایاب و ناپید ہے اور جو شرح و تاویل متاخرین نے کی ہے، وہ صوفیا کی اصطلاح کے خلاف ہے۔ اس لیے ان اشعار کے دقیق نکتے تشریح کے باوجود سربستہ رہے۔ ان کی تشریح و توضیح کے لیے میں نے انتہائی کوشش کی:

وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْہِ التُّکْلَانُ ؑ

(اللہ سے مدد مانگی جاتی ہے اور اسی پر بھروسا کیا جاتا ہے)

مولانا کے بعض اشعار کی تشریح جو حضرت ابوالمعالیؒ نے فرمائی اسے اُردو میں پیش کیا جاتا ہے:

شعر

ہر کہ جز ماہی ز آبش سیر شد ۔۔۔ و آنکہ بی روزیست روزش دیر شد

مچھلی ہر وقت دریا میں ہوتی ہے لیکن دَریا کی حالت کا اسے کچھ پتہ نہیں۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ[۱]

(اور ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ)

پس مچھلی غافل کا کنایہ ہے، جو دریا سے ہم آغوش تو ہے لیکن بے خبر ہے۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں:

ماہی اندر آب جُو و آبجو　　　میزند بر گوش و چشمش آب جُو

مچھلی کے وجود سے عاشق مراد ہے، جو از خود رفتہ ہو کر حق تعالیٰ سے پیوستہ ہے۔ وہ بحرِ حقائق اور معارفِ الٰہی سے سیراب ہوا ہے لیکن جو اس سے بے بہرہ ہے، یعنی آزاد، بے مقصد اور بے مُراد ہے، اس کے بامُراد ہونے میں دیر لگتی ہے اور اس کی جد و جہد کے لیے لمبی عمر درکار ہے:

شعر

صوفی ابن الوقت باشد، در مثال　　　لیک صافی فارغست، از ماہ و سال

اور اگر سالک، وقت اور حال کی پیروی کرتا ہے تو وہ ابن الوقت ہے اور صوفی کہلانے کا مُستحق نہیں لیکن اگر وہ ہر دو عالم سے مُستغنی ہے تو وہ صُوفی ہے اور ایسا صُوفی ابُوالوقت ہوتا ہے۔ ابُوالوقت ہونے کی کیفیت اسے اس وقت مُیسّر آتی ہے جب کہ وہ عالَمِ مِثال کی تجلّی سے فارغ ہو۔ عالَمِ مِثال، جسم اور جان کی درمیانی منزل ہے۔ صُوفیاء کی اصطلاح میں اسے "عالمِ برزخ" کہتے ہیں۔ یہ عالمِ شُہُود اور عالمِ ملکُوت کے مابین ہے۔ جسم سے اسے جمعیت اور یقین حاصل ہوتا ہے اور رُوح کے ذریعے وہ نُور اخذ کرتا ہے۔ پس صُوفی کی آنکھ میں، جو منبعِ بصیرت ہے، نُورانی صُورتیں جگمگانے لگتی ہیں اور وہ لامحدود اور بسیط نُور کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یہ نُور مرکب یا محدُود یا مُعیّن نہیں:

شعر

عشق را پانصد پَراست و ہر پَری　　　از فرازِ عرش تا تحتُ الثّریٰ

---

[۱] قرآنِ کریم: ۲۶/ ق ۱۶

عشق میں عرُوج و زوال ہوتا ہے، جس طرح کہ پرندے کو بلندی و پستی کا سامنا ہوتا ہے پس اس نسبت سے عشق کو پرندے سے تشبیہ دی ہے پرندہ اس لحاظ سے مخصوص ہے کہ اس کے پانچ سو پر ہیں مقصد یہ ہے کہ خدا کو ایک ہزار اور ایک ناموں سے یاد کیا جاتا ہے' ان میں سے ایک نام" اسمِ ذاتی'' ہے جس سے مراد عشق ہے۔ باقی ہزار ناموں کو جلالی اور جمالی ناموں میں منقسم کیا ہے۔ جن میں سے پانچ سو جلالی ہیں اور پانچ سو جمالی، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کا کوئی جُزو بھی تصوّر میں نہیں آسکتا۔ اس کی ذات ہی پیشِ نظر رہنی چاہیے! اس بیان سے واضح ہے کہ اللہ کی ذات جمالی و جلالی یعنی پانچ پانچ سو صفاتی ناموں کے پردے میں ہی مخفی اور مُضمر نہیں، بلکہ آسمان سے تحت الارض تک جو کچھ ہے، اسی کے تصرّف میں ہے:

شعر

حق معیّت گُفت و دِل را مُہر کرد تا کہ عکس آن بگوش آید نہ طرد

حق تعالیٰ نے عاشقوں کو بموجب "هُوَ مَعَكُمْ" (وہ تمہارے ساتھ ہے) اپنی معیّت کی دولت سے سرفراز کیا ہے اور اس سعادتِ عظمیٰ سے رہبری فرمائی ہے اور دلوں پر، جو معرفتِ الٰہی کے خزانے ہیں، اپنی حفاظت اور نگہداشت کی مُہر ثبت کی ہے۔ مُہر ثبت کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جمعیّتِ خاطر کا نغمہ تمہارے گوشِ دل میں سمایا رہے اور تفرقے کا راگ اس میں اثر نہ کرنے پائے:

شعر

می کنی جُزوِ زمین را آسمان می فزای در زمین از اختران

مولانائے روم یہاں حق تعالیٰ کی ان عنایات و عطیّات کا ذکر کر رہے ہیں جو انسان کو بخشے گئے ہیں۔ انسان ہر چند کہ زمین ہی کا جزو ہے لیکن طینت، سرشت، مرتبے اور معارف کی تحقیق کی بنا پر وہ آسمان کا جزو بھی ہے۔

مصرعِ دوم "می فزائی در زمین از اختران" میں اس حدیثِ نبوی کی طرف اشارہ ہے۔

"اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّہِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِہْتَدَیْتُمْ"

(میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی پیروی کروگے اس سے تم کو راہ مل جائیگی)

مثنوی

گفت درویشے بدرویشے کہ تو | چون بدیدی حضرتِ حق را بگو
گفت بیچون دیدم اما بہرِ قال | باز گویم مختصر آن را مثال
دیدم از سوی چپِ او آذری | سوی دستِ راست حوضِ کوثری
ہر کہ سوی آب می رفت از میان | او در آتش یافت، می شد در زمان
ہر کہ در آتش ہمی رفت و شرر | از میانِ آب، بر می کرد سر

مطلب یہ کہ ایک درویش دوسرے درویش سے دیدارِ حق کے مسئلے کے متعلق سوال کرتا ہے۔ دوسرا درویش جواب دیتا ہے کہ میں نے حق تعالیٰ کو بے مثل دیکھا ہے۔ بے مثل کو دیکھنا اللہ تعالیٰ کا عطیہ وکرم ہے، جو گفتگو اور بیان سے بالاتر ہے۔ میں یہ بات تمثیل کے طور پر یوں بیان کرتا ہوں۔ اے حق تعالیٰ کے جمال کے طالب! اور اے کمالِ مطلق کی جستجو کرنے والے! حضرت جلّ وعلا کو میں نے اس صورت میں دیکھا کہ اس کی بائیں جانب آگ کی بھٹی جل رہی ہے اور دائیں جانب پانی سے بھرا ہوا حوض ہے۔ اگر کوئی شخص آگ کی بھٹی میں بیٹھتا ہے، تو اس کا سر حوض کے پانی سے باہر آتا ہے اور اگر حوض میں اترتا ہے، تو وہ آگ کی بھٹی سے سر باہر نکالتا ہے، یعنی خداوند تعالیٰ کی ذاتِ پاک یگانہ ہے۔ اس کی دو صفتیں ہیں، جلالی اور جمالی۔ ایک صفت دوسری صفت میں آناً فاناً تبدیل ہوتی ہے۔ اور ایک کے باعث دوسری کی تجدید ہوتی ہے۔ اس تبدیلی اور تجدد میں ذرہ بھر دیر نہیں لگتی۔ حاصل کلام یہ کہ اس درویش نے بطورِ مثال یہ کہا کہ اس نے حق تعالیٰ کو پردۂ جلالی، یعنی قہر و آتش کی صورت میں، اور پردۂ جمالی یعنی پانی اور مہربانی کی صورت میں دیکھا۔ فی الواقعی ظاہر میں یہی دو صفتیں ہیں جن سے صوفی حق تعالیٰ کا

دیدۂ یقین سے مشاہدہ کرتا ہے :

آن یکی ماہی ہمین بیند عیان   وآن یکی، تاریک می بیند جہان

وآن یکی، سہ ماہ می بیند بہم   آن سہ کس بنشستہ، یک موضع نعم

(ایک وہ ہے جو چاند کو واضح طور پر دیکھتا ہے اور ایک وہ کہ چاند کے باوجود جہان اسے تاریک نظر آتا ہے دوسرے شعر میں "سہ" سے مراد تین ملکوتی مرتبے ہیں)

("ان اشعار کی تشریح حضرت ابوالمعالی نے اس طرح کی ہے،

حضرت شیرِ خدا علی کرّم اللہ وجہہٗ نے میدانِ جنگ میں ایک پہلوان کو چت گرا دیا۔ اس حالت میں اس ملعون نے حضرت کے روئے مبارک پر تھوک دیا۔ تھوک پھینکنا تھا کہ حضرت امیرؓ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ کافر پہلوان اس واقعہ سے اور حضرت علیؓ کے بے موقع رحم و کرم کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا اور واقعہ کی تحقیق کرنی چاہی۔ چنانچہ اس نے دریافت کیا کہ تھوک پھینکنے کے بیہودہ فعل پر جو آپ نے تحمل کیا اس کا سبب کیا ہے؛ حضرت علیؓ نے ظاہری تغافل، مگر باطنی توجہ سے اس نابکار کو حقیقتِ حال سے آگاہ کیا۔ آپ کے جواب نے بالآخر اسے تین ملکوتی مرتبوں، یعنی مرتبۂ اوّل، مرتبۂ اوسط اور مرتبۂ آخر تک پہنچا دیا۔ پھر پیشوائے دین اور اہلِ یقین کے رہبر حضرت امیر کرّم اللہ وجہہٗ کے قرب نے اس ہستی موہوم کے دل کی رہبری کی۔ اب وہ اپنے مرتبے کی تینوں حالتوں (اوّل، اوسط اور آخر) کو اپنے عقیدۂ ثلاثہ کے مطابق تین اشخاص سے نسبت دیتا ہے اور اپنے آپ کو درجۂ اعتبار سے ساقط اور منفی خیال کرتا ہے :

شعر

ہیچ قلبی پیش او، مردود نیست   زانکہ قصدش از خریدن، سود نیست

جس خریداری میں خریدار کے پیشِ نظر نفع کا خیال نہیں، اس کے نزدیک کوئی مال و اسباب مردود نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالےٰ کے نزدیک وحدت، مساوات اور برابری ہے۔

کیونکہ مرتبوں کا باہمی فرق تو عالمِ کثرت میں ہوتا ہے۔ عالمِ وحدت میں، جو خالص نُور اور وحدتِ کامل ہے مرتبوں کا کوئی فرق نہیں۔ بعض محققین نے کہا ہے:

"اَلتَّوحِیدُ تَرکَ الفَضلِ بَینَ الفَاضِلِ وَالمَفضُولِ"

(فاضل اور مفضول کی باہمی فضیلت کو ترک کرنے کا نام وحدت ہے)

آن خیالاتے کہ دامِ اولیاء است　　عکسِ مہ رویانِ بُستانِ خدا است

اولیاء اللہ کا دام دراصل مجازی دنیا کی اسیری ہے کیونکہ:

(اَلمَجَازُ) قَنطَرَۃُ الحَقِیقَتِ (مجاز حقیقت کی سیڑھی ہے)

پس جو چیز حقیقت کی طرف رہبری کرنے والی اور اس تک پہنچانے والی ہے، وہ دلی تعلق اور وابستگی کے اعتبار سے بمنزلہ دام ہے۔ اس بنا پر مجازی صورتوں کی تجلّیوں کے مشاہدے کو، جو حقیقت کے چہرے کے لیے نقاب اور پردہ ہیں، بندِ دام سے تشبیہ دی گئی ہے:

نفیٔ آن یک چیز و اثباتش رواست　　چون جہت شد مختلف نسبت دو تا است

مولانائے روم اس خدشے کو رفع کرنا چاہتے ہیں جو نفی و اثبات کے تضاد سے پیدا ہوتا ہے

کہا جاتا ہے کہ فردِ واحد میں نفی و اثبات اِجتماعِ ضِدّین کی حیثیت میں ہیں۔ مولانا کے نزدیک یہ اجتماعِ ضدّین نہیں۔ اِس اختلاف کو محض وہ "جہت" قرار دے کر رد کرتے ہیں، کیونکہ "نفی" خیالی یقین اور موہوم تقید کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس کے برعکس "اثبات" حقیقی کشادگی اور اطلاق کی طرف رجوع کرتی ہے:

شعر

مجتہد ہر گہ کہ باشد نص شناس　　اندر آن صورت نیندیشد قیاس

مجتہد کا لفظ یہاں نصّ صریح اور قیاس کی رعایت سے آیا ہے اور اِس سے مراد عارفِ کامل ہے جو مجاہدے اور ریاضت سے اپنے باطن کو پاک کر کے عین الیقین کے مقام پر پہنچتا ہے۔ اس کا مُشاہدہ

عالَمِ ظاہر اور عالَمِ باطن دونوں صورتوں میں نصِ قرآنی کے مطابق ہے۔ ایسا عارف کسی قیاس کا محتاج نہیں کیونکہ کشفِ باطن کی بدولت وہ وہبی علم تک رسائی پا لیتا ہے جو سراسر اشراق، کشف اور یقین ہے اور وہ ایسا علم ہے، جو کسی دلیل یا ثبوت کا محتاج نہیں :

شعر

من کلامِ حقّم و قائم بذات　　　قُوتِ جان جان است و یا قُوتِ زکات

یہ شعر مُنکروں اور حاسدوں کی گوشمالی کے لیے ہے جو مولانا کے کلام اور مثنوی کے مطالب کو پسند نہیں کرتے تھے بلکہ طعن کیا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں: "میں حق تعالیٰ کا کلام ہوں اور ذاتِ حق کی بدولت قائم ہوں۔ پس میرے کلام میں شک و شبہ کرنا، حق سے انکار کرنا ہے اور حق سے انکار، کفر اور گمراہی ہے پھر کلامِ حق کی دو صفتیں بیان کی ہیں۔ ایک رُوح کی غذا ہے اور دوسری قُوتِ زکوٰۃ :

شعر

نُورِ خورشیدم، فتادہ بر شُما　　　لیک از خورشید ناگشتہ جُدا

اِس سے پہلے شعر میں اپنے آپ کو کلامِ حق سے نسبت دی تھی۔ اس شعر میں اپنے آپ کو نُورِ آفتاب کہا ہے اور ظاہر ہے کہ نُورِ آفتاب ہر جگہ جاری و ساری ہے اور یہ نُورِ آفتاب سے جدا نہیں۔ مولٰنا فرماتے ہیں: "ہمیں کثرت میں وحدت کا مُشاہدہ کرنے کا مقام حاصل ہے جو فقر کے درجات میں سے آخری درجہ اور عرفان کے مراتب میں سے انتہائی مرتبہ ہے مُنکر کی عقل سے یہ مقام بہت بالا ہے :

شعر

بندِ چشمِ او شُدہ، چشمِ بدش　　　رفعِ سدِّ او بگشتہ، ہم سدش

مولانا نے جہاں چشمِ اوّل کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد بصیرت ہے اور جہاں چشمِ دوم کا ذکر آیا ہے، اس سے مُراد چشمِ ظاہر بین ہے۔ یہاں بند آنکھ کا ذکر آیا ہے۔ آنکھ کی برائی سے عالَمِ موجُودات

کی اسیری مراد ہے جو دل کے آئینے کا زنگ اور حقیقت کے چہرے کا نقاب ہے۔

مصرعِ دوم یعنی "رفعِ سدِ او گشتہ ہم سدش" سلوک سے تعلق رکھتا ہے صوفی سعی و کوشش کرتے ہوئے تو اپنی نفی کرتا ہے لیکن ہستیٔ موہوم اور ہستیٔ مقید دونوں کو دور کرنے کی کوشش بھی معنویت کی آگاہی کے راستے میں حائل ہے :

شعر

بند گوشِ او شدہ، ہم گوشِ او   ہوش با حق دار! اے مدہوشِ او

پہلے شعر میں دو آنکھوں کا ذکر آیا تھا ایک آنکھ سے بصیرت اور دوسری سے دیدۂ ظاہر بین مراد ہے اسی طرح شعر میں دو کانوں کا ذکر آیا ہے، ان سے ظاہری اور باطنی کان مراد ہیں۔ بند گوش سے مراد تشخصات و تعینات کی روئی ہے جو ظاہری کان سے ہٹا کر باطن کے کان میں رکھ دی گئی ہے اور وہ نغمۂ وحدت اور ترانۂ حقیقت کے سننے سے باز رکھتی ہے۔ اس کے بعد ایسے لوگوں کو تنبیہ کے طور پر کہا ہے:

ہوش با حق دار اے مدہوشِ او!

یعنی اس آیۂ کریمہ کے حکم کے بموجب :

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ - اَیْ لِیَعْرِفُوْنَ ط[1]

(اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں تاکہ مجھ جانیں)

تو مخلوقات میں محو و مدہوش ہے۔ تجھے چاہیے کہ ظاہری ہوش کے اوقات کو باطن کی مستی و مدہوشی کے مطابق صرف کرے، تاکہ ہوش اور مدہوشی دونوں کا احساس باقی نہ رہے اور ایک دوسرے کے لیے مداخلت اور مشارکت ممکن نہ رہے :

شعر

گر مشبہ را، موحد می کند   گر موحد را صور، رہ می زند

---

[1] قرآن کریم : ۲۷ الذّٰریٰت ۵۶

کبھی مشبّہ کو تشبیہ کی پستی اور صورت کی تنگی سے رہائی دے کر توحید اور بے رنگی کے مرتبے پر پہنچاتا ہے اور کبھی توحید کو ظاہری صورتوں کے دام میں جکڑتا اور عروج سے نزول کی طرف کھینچ لیتا ہے:

چشمِ حس را ہست مذہبِ اعتزال　　دیدۂ عقل است سُنّی در وصال

سُخرۂ حس اند، اہلِ اعتزال　　خویش را سُنّی نمایند، از ضلال

جسمانی آنکھ، جس سے صرف ظاہری چیزیں دکھائی دیتی ہیں، مذہبِ اعتزال کی مانند ہے۔ جس طرح فرقۂ معتزلہ کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے افعال کے خود ذمّے دار ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ رائی اور مرئی سوائے حق تعالیٰ کے اور کچھ نہیں، یہی حال جسمانی آنکھ کا ہے لیکن عقل کی آنکھ، جس نے باطن کی آنکھ کو معرفت اور یکتائی کے سُرمے سے مُنوّر کیا ہے، وہ ہر چیز کو حق تعالیٰ ہی سے متعلق سمجھتی ہے بلکہ حق تعالیٰ کے سوا نہ کچھ دیکھتی ہے، نہ کچھ جانتی ہے، نہ کچھ کہتی ہے اور نہ کچھ سنتی ہے۔

دوسرے شعر کا حل بھی اسی ضمن میں آجاتا ہے۔ مُعتزلہ کے لیے ظاہری حسّ کے ذریعے مطلب تک پہنچنا ممکن نہیں، نہ وہ مقصد کی شاہراہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ حسّ ان کا مضحکہ اڑاتی ہے اور معنوی سعادت یعنی تسنّن سے وہ محروم رہ جاتے ہیں:

نامصوّر، با مصوّر گفتنت　　باطل آمد بے زِ صورت رُستنت

نامصوّر، با مصوّر پیشِ اُوست　　کو ہمہ مغز است و بیرون شد ز پوست

ان دو شعروں کا مفہوم یہ ہے کہ سالک توحید اور اطلاق کو مجازی صورتوں سے بے تعلق ہوئے بغیر بیان نہیں کر سکتا کیونکہ یہ کام عارفِ کامل کا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے نفسِ بشری کے بند اور ہستیٔ موہُوم کی قید سے رہائی دے دی ہے اور خود اپنے سے آشنا ہونے کی اسے سعادت بخشی ہے:

شعر

تفرقہ در رُوحِ حیوانی بود　　نفسِ واحد، رُوحِ انسانی بود

رُوحِ حیوانی، جس کے باعث حرکت ہوتی ہے، صنوبر کی مانند ہے، جو تفرقے کی جگہ اور پریشانی کا مقام ہے کیونکہ وہ کثرت کا مظہر ہے اور نفسِ انسانی نور ہے، جو دنیا میں پھیلا ہوا ہے اور تمام موجودات پر احاطہ کیے ہوئے ہے، اسے صوفیاء کی اصطلاح میں "تعیینِ اوّل"، نورِ محمدی اور برزخ بھی کہتے ہیں :

شعر

نُورِ انسانی کنفسِ وَاحِدَہ　　　رُوحِ حیوانی سفالِ جامِدَہ

رُوحِ انسانی تمام موجودات میں سرایت کیے ہوئے اور ان پر احاطہ کیے ہوئے ہے اس لیے واحد ہے اور اس کا تصرّف کُل میں ہے لیکن رُوحِ حیوانی کا تعیّن بے بس اور بیکار مٹی کی صورت میں کیا گیا ہے :

عقلِ جُزو از رمزِ این آگاہ نیست　　　واقفِ این سِرّ، بجز اللہ نیست

جُزوی عقل، جو تشخصات اور جُزویات کے عالَم کو دیکھتی ہے، وہ کُل کو پانے اور اطلاق کا مشاہدہ کرنے کے طریقے سے آگاہ نہیں۔ کُل کا ادراک اُکل کے سوائے بموجب "لَا یَعْرِفُ اللّٰہَ غَیْرُ اللّٰہِ" (اللہ کو اللہ کے سوائے کوئی نہیں جانتا) ممکن نہیں :

ہنوز طلعتِ تو دیدہ ام جمالِ ترا　　　بآفتاب تران دید، کآفتاب کجاست

(ابھی تیرے جمال کی ایک جھلک دیکھی ہے آفتاب کو تو آفتاب ہی سے دیکھا اور سمجھا جا سکتا ہے)

اشعار

آنچہ محسوس است، اگر معشوق است　　　عاشقی باشد کہ او را حس نیست

چوں وفا آن حسن افزوں می کند　　　کی وفا صورت دگرگون می کند

یعنی اگر باطن کے کشف کی دولت اور جذبہ سرشار سے تشبیہ اور تنزیہ مٹ جائے تو انسانی محسوسات غیریت کا نقاب سر سے اُتار کر عینیت کے حُسن میں ظاہر ہوتے ہیں اور عاشق کی لذّت میں اضافہ ہوتا

ہے۔ بعدازاں یہ نسبت رفتہ رفتہ وفا کے درجے پر پہنچتی ہے اور تکوین کی منزل سے چل کر تمکین کے مقام پر آجاتی ہے۔ پھر اس نسبت کا بدلنا ممکن نہیں۔

"لَا هِجْرَةَ بَعْدَ فَتْحِ الْمَكَّةَ"

(فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں)

اِس مقام کی طرف اشارہ ہے :

آفتابش چون برآمد زان فلک باشبِ تن گفت: ہین مَا وَدَّعَكَ[1]

(قسم ہے کہ) آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا اور نہ (آپ سے) دشمنی کی)

جب حضرت رسولِ اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ کے آفتابِ جمال کا نُور فلکِ ایجاد سے طلوع ہوا، یعنی اس نُور نے نشیمنِ جسم کے اندر اپنی جگہ بنائی، تو خاکی جسم نے، یہ دیکھ کر کہ بساطت کی حالت سے جدا ہو کر اس نے عناصرِ اربعہ کی ترکیب پالی ہے، اپنے تنزّل کو حق تعالیٰ سے محرومی تصوّر کیا۔ اسی بنا پر رُوحِ آفتاب نے شبِ تن یعنی جسم کو "مَا وَدَّعَكَ" سے خطاب کیا ہے :

شعر

وصل پیدا گشت، از عینِ بلا زآن حلاوت شد عبارت "مَا قَلیٰ"

عالمِ اطلاق سے تقیید کی حالت میں آنا اور کُل سے جزو کی طرف جانا، تنزّل اور بلا ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ حقیقت میں وصال کی استعداد حاصل کرنا اور "مَا قَلیٰ" (اس نے نہیں چھوڑا) کے خم خانہ سے بادہ نوشی کرنا ہے :

جنسِ ما چون نیست، جنسِ شاہِ ما مایِ ما شد، بہر مایِ اُو فنا

ہماری جنس "مَا لِلتُّرَابِ وَ رَبِّ الْاَرْبَابِ" (آقاؤں کے آقا سے مٹی کی کیا نسبت) کے بموجب

---

[1] قرآن کریم ۱۳ الضحیٰ ۹۳/۳

ہماری جنس جنسِ شاہ کی مانند نہیں پس ہماری جستجو سے کیا حاصل ہوگا اور ہماری کوشش کیا نتیجہ دے گی سوائے اس کے کہ ہم اپنی موہوم ہستی اور مقیّد وجود کو ایک قطرے کی مانند دریائے مطلق میں ڈال دیں:

شعر

اے بسا کس را کہ صُورت راہ زد　　قصدِ صُورت کرد و بر اللّٰہ زد

اس خوبصورت دنیا میں بہت سے لوگ ظاہریت کے جال میں اسیر اور نفسِ شوم کے گرفتار ہیں اور پردۂ کثرت کے تماشے میں محو ہونے کی وجہ سے وصال کی پوشیدہ دولت، یعنی وحدت سے محروم ہو جاتے ہیں:

چار کس را داد، مردی یک درم　　آن یکی گفت، این بہ انگوری دہم
آن یکی دیگر عرب بُد، گفت لا　　من عنب خواہم، نہ انگور ای دغا
آن یکی ترکی کہ بُد، گفت این بنم　　من نمی خواہم عنب، خواہم ازوم
آن یکی رُومی بگفت، این قیل را　　ترک کُن، خواہیم، استافیل را
یک درم شان می شود چار المراد　　چار دشمن می شود یک زِ اتحاد

ایک شخص نے چار آدمیوں کو ایک ایک درم دیا۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی زبان میں حقیقتِ واحد یعنی شرابِ عرفان کے انگور طلب کیے۔ (ایرانی نے انگور مانگے، عرب نے عنب طلب کیے، ترکی نے ازوم چاہے اور رُومی نے استافیل کی خواہش کی۔ مطلب چاروں کا انگور ہی ہے۔) جہاں تک زبان کا تعلق ہے ان کی طلب میں فرق تھا لیکن معنی کے لحاظ سے وہ چاروں متفق تھے۔ کیونکہ مقصد سب کا ایک ہی تھا، بلکہ وہ خود بھی راہِ طلب میں ایک تھے۔ البتّہ ان کی ظاہریت اور طریقے میں فرق ضرور تھا۔

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسْنُکَ وَاحِدٌ (ہماری تعبیریں مختلف ہیں اور تیرا حسن ایک ہے)

یہاں چار افراد کا ذکر بطور تمثیل آیا ہے مطلب وہی ہے جو اوپر بیان ہُوا:

ذاتِ ایمان نعمت و لوتیست ہَول　　　ای قناعت کردہ از ایمان، بقول

گرچہ آن مَطعُوم جانست و نظر　　　جسم را ہم زان نصیب است، ای پسر!

گر نگشتی دیوِ جسم آن را اکوُل　　　اسلم الشیطان نفرمودی رسولؐ

ان اشعار کا پس منظر چند کفار کے اسلام قبول کرنے کی سرگذشت ہے۔ نبی کریم صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اور حضورؐ کے صحابہؓ نے گھر پر کچھ کُفّار کی ضیافت کی۔ ان میں سب سے زیادہ پیٹو آنحضرتؐ کا مہمان بنا اس رات اہلِ بیت کے لیے جو کھانا پکا تھا، سب اس کے سامنے رکھا گیا۔ وہ سب کچھ کھا گیا، اور اس پر بھی سیر نہ ہُوا۔ اہلِ بیت فاقے سے رہے اور رات تسبیح و تہلیل میں گزاری۔ اس سے اگلی رات وہ کافر نُورِ اسلام سے منوّر ہُوا اور وحشیانہ صفات کے عوض دینی نعمتیں اسے حاصل ہوئیں۔ بعد ازاں اس کی بشری خوراک میں کمی آگئی اور رُوحانی اشتہا بڑھنے لگی۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ جب تک انسان عالمِ کثرت میں گرفتار رہتا ہے، اس کی طمع، حرص اور نفسانی خواہش بڑھتی ہے اور جب وہ منزلِ توحید میں آتا ہے اور اس کی حقیقت سے آشنا ہوتا ہے، تو اس کے دل کو جمعیت نصیب ہوتی ہے، اس کا چہرہ تازہ و شگفتہ ہو جاتا ہے، اور وہ ظاہری تفرقے سے نجات پا لیتا ہے:

بحثِ عقل و حسّ اثر دان، یا سبب　　　بحث جانی یا عجب! یا بوالعجب!

بحث و مباحثہ اور عقل و حسّ کے مشاغل حکماء کے لیے مخصوص ہیں، بلکہ یہ ان کا وظیفۂ حیات ہیں۔ اس سے بیان تو مؤثر ہوتا ہے لیکن طرح طرح کی الجھنیں بھی پیدا ہوتی ہیں، جو رُوحانی نور کو بجھا دیتی ہیں۔ ایسے لوگ عین الیقین کے مرتبے پر کیسے پہنچیں گے؛ اور حق الیقین کی منزل کو کیسے پائیں گے؟

شعر

ضَوءِ جان آمد نماند اے مُستضی　　　لازم و ملزوم نافی مقتضی

رُوح کا نُور جب ظاہر ہوتا ہے جس سے توحیدِ محض مُراد ہے، تو نُور کا طالب بموجب
اِذَاجَاءَ نَهْرُاللهِ بَطَلَ نَهْرُعِيْسٰى (جب اللہ کی نہر آگئی تو عیسیٰ کی نہر بیکار ہوگئی)
اس میں محو اور مُستغرق ہو جاتا ہے۔

اوپر کے شعر کے لازم و ملزوم ثانی حقیقی" میں بتایا ہے کہ علمی مسئلہ اور بحث و تحیص لازم و ملزوم ہیں اور بموجب "اَلْعِلْمُ حِجَابُ اللهِ اَكْبَرُ" (اللہ کے بارے میں علم بڑا حجاب ہے) حجابِ اکبر بن جاتے ہیں کیونکہ یہ علمی مسئلے محض بیان کی حد تک ہماری رہبری کرتے ہیں۔ باطن یعنی رُوحانی نور سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا

زانکہ بینائی زِ نُورش بازِغ است　　　　از عصا و از عصا کش فارغ است

اس شعر میں اوپر کے شعر ہی کی وضاحت کی گئی ہے۔ یعنی رُوحانی نُور جب باطن کے نہاں خانے سے میدانِ ظہور میں آتا ہے، تو نہ عصا کی ضرورت باقی رہتی ہے، نہ عصا کش کی یعنی انسان اِستدلال سے بے نیاز ہو جاتا ہے:

شعر

این سخن ہائے کہ از عقلِ کُل است　　　　بُوی آن گلزار و سرو و سُنبل است

عقلِ کُل کی باتیں، جو وعظ و تلقین پر مبنی ہوتی ہیں، ہمیں سرو و سُنبل اور گلزارِ وحدت کا پتا دیتی ہیں۔ یعنی یہ باتیں خواص و عوام کے لیے فیض رساں ہیں:

شعر

بُوی گل دیدی! کہ آنجا گُل نبود　　　　جوشِ مُل دیدی! کہ آنجا مُل نبود

تُو نے پھُول کی خوشبو سُونگھی (لیکن پھُول کو دیکھ نہ سکا) تو نے شراب کا جوش دیکھا (لیکن شراب نہ دیکھ پایا) وائے افسوس! کہ اس پر بھی تجھ پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ روشن نشانیاں دیکھ کر بھی تو مقصد تک نہ پہنچا اور تعینات و موجودات کی تنگنا سے رہائی پاکر اِطلاق و وحدت کے گلزار میں نہ آسکا صد افسوس!

کہ اصلی مقصد ہاتھ سے نکل گیا اور جو ناگوار مقصد تھا، وہ تیرا مقصود بن گیا:

شعر

بُو، قلاوُز است و رہبر مر ترُا　　　　می برد تا خلد و کوثر مر ترُا

عاشق کے درد کی لذّتوں کو، جو گلزارِ حقیقت کی خوشبوئیں ہیں، قلاوز یعنی رہبر سے تشبیہ دی اور خلد و کوثر سے جمعیّتِ خاطر مُراد لی:

شعر

بُو، دوای چشم باشد، نور ساز　　　　شُد ز بُوی، دیدۂ یعقوب باز

گُلِ عرفان کی خوشبو اور گلزارِ معرفت کی سیر دیدہ و دل کو روشن اور منوّر کرتی ہے۔ جس طرح پیراہنِ یوسف کی خوشبو نے دیدۂ یعقوب کو روشن کیا تھا:

زید پرّانید تیری سُوئے عمرؔ　　　　عمرو را بگرفت تیرش، ہمچو نمرؔ

زید رامیؔ آن دم ار مُرد از وجل　　　　دردہا را آفرینید حق، نہ مرد

زان موالید وجع چون مُرد اُو　　　　زید رامی زین سبب قتال گو

(ان اشعار کا مفہوم یہ بیان کیا ہے) زید نے تیر چلایا، جو عمر کے جا لگا۔ یہ ضرب کا پہلا سبب تھا، جس کی وجہ سے عمر درد میں مبتلا رہا۔ آخر وہ چل بسا۔ لیکن ہلاک کرنے والا تیر، جو زید کو عالم بالا سے ملا، یہ عمر کی موت کا آخری سبب تھا، جس کی بنا پر زید نے تیر چلایا۔ حاصل کلام یہ کہ زندگی اور موت خدا کے ہاتھ ہے اور حملہ کرنے والا اور مارنے والا محض اس کا سبب بنتا ہے:

من سرِ ہر ماہ، سہ روز ای صنم　　　　بیگمان باید کہ دیوانہ شوم

ہیں! کہ امروز اوّلِ سہ رُوزہ است　　　　روزِ پیروز است، نے پیروزہ است

ے　تیرانداز

ہر دلے کاندر غمِ شہ می بُود ہر دمی او را سرِ مہ می بُود

(ان اشعار کا پس منظر حضرت ابوالمعالیؒ یہ بتاتے ہیں۔)

ملکِ روم میں پری پیکر اور مہ جبیں ہر مہینے تین مرتبہ جشن مناتے ہیں جس میں وہ لباسِ فاخرہ میں ملبوس ہوتے ہیں گراں بہا زیورات سے اپنے آپ کو آراستہ کرتے ہیں اور خمخانۂ حسن کے بادہ نوش انھیں دیکھ کر مست و مدہوش ہوتے ہیں۔ مولانائے روم فرماتے ہیں: دیوانگی کی یہ حالت ہر ماہ کے تین دنوں میں دم بدم عاشقانِ الست پر طاری رہتی ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بادیۂ تجرید کے سالکوں پر ہر دم دیوانگی کی کیفیت رہتی ہے وہ اپنی آبادی سے گریزاں رہتے ہیں اور ویرانۂ وحدت میں زندگی گزارتے ہیں:

گفت فرعونے انا الحق گشت پست گفت منصورے انا الحق و برست

این انا ھُو در سِر ہست اے فضول زِ اتحادِ نور، نہ از راہِ حلول

فرعون نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا لیکن یہ دعویٰ، دعویٰ عشق نہ تھا، بلکہ نشۂ دولت کا اثر تھا، جو اس کی پستی کی دلیل تھا۔ اس بے ہُودہ اور عشق سے بیگانہ شخص کا یہ دعویٰ سراسر الحاد تھا لیکن منصورؒ نے جو انا الحق کا نعرۂ مستانہ لگایا، وہ خمخانۂ توحید و اتحاد کی شراب کا جوش تھا۔ فرعون کے بیہودہ دعوے کی طرح نہ تھا جو اُس نے مستی، مدہوشی اور غفلت کے باعث کیا تھا، اور وہ یقیناً مقصدِ حقیقی سے ناآشنا تھا۔

*

شیخ عبد الغنی

ایک اور اہلِ خیر کے سردار، نیکی کے راستے پر چلنے والے، دنیائے دَنی کی قیود سے آزاد شیخ عبد الغنی ہیں۔ آپ حضرت میاں جیوؒ کے یارانِ قدیم میں سے ہیں جو حاجی محمد سے پہلے حضرت کی خدمت میں آئے تھے۔ آپ نے اکثر ریاضتیں کیں۔ بہت خوش وضع ہیں اور حضرت میاں جیوؒ کے مقدس طریقے میں عمر بسر کی ہے۔ لوگوں سے میل جول نہیں رکھتے، اکثر خاموش رہتے ہیں۔ اب حضرت میاں جیوؒ کی وفات کے بعد روضۂ مبارک کے پاس حجرہ بنایا ہے، وہیں رہتے ہیں اور روضہ کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ جو زائر میاں طواف کی غرض سے آتے ہیں، انھیں خود ساتھ لے جا کر طواف کراتے ہیں۔ یہ فقیر جس وقت طواف کے لیے جاتا، تو دیر تک ان کے ساتھ بیٹھتا اور خوب صحبت رہتی۔ شیخ عبد الغنی نے مجھے کہا کہ حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ یاروں کو اکثر فرماتے تھے "تنہائی اختیار کرو اور لوگوں سے میل جول نہ رکھّو۔ جنگلوں اور ویرانوں میں وقت گزارنے سے بہت جمعیتِ خاطر حاصل ہوتی ہے۔"

ان کی وفات اس کتاب کی تالیف کے بعد ہوئی۔ تاریخ وفات روز شنبہ، ۱ ماہ ذی الحجہ ۱۰۵۸ھ ہے۔

میاں محمد مُراد

ایک اور طریقۂ طلب کے سالک، ذکرِ غیر سے بے تعلق، مسلکِ ہدایت کے پیرو میاں محمد مُراد ولد ملّا عبد السلام مفتی ہیں۔ آپ اپنے زمانے کے عُلماء میں سے ہیں شیخ محمد لاہوری اور حضرت میرک شیخ (استادِ دارا شکوہ) آپ کے شاگرد ہیں۔ لاہور وطن ہے اور یہیں پیدا ہوئے۔ جامع عُلوم اور لاہور کے مفتی

ہیں۔ آخر جب حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے وابستہ ہوئے تو جو کچھ پاس تھا، فقراء میں تقسیم کر دیا۔ مفتی کا لقب چھوڑا۔ قطعِ علائق کر کے علومِ باطن سے بہرہ یاب ہوئے اور حضرت کے طریقے پر ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ کثرت سے ریاضتیں اور مجاہدے کیے۔ آج کل لاہور میں سکونت پذیر ہیں اور ترک و تجرید میں آپ کو درجۂ کمال حاصل ہے۔ کسی سے کوئی چیز قبول نہیں کرتے، نہ کسی سے میل جول رکھتے ہیں۔ ہمیشہ غمگین اور اکثر آبدیدہ رہتے ہیں۔ جو کوئی ان کے پاس آتا ہے اس سے ترک و تجرید اور قطعِ علائق کی باتیں کرتے ہیں۔ ذوق و شوق اور سوز و گداز کی کیفیت طاری رہتی ہے۔ حافظ شیرازی کے اشعار اکثر پڑھتے ہیں۔ حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کو یاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "سُبحَانَ اللہ! ہمارے شیخ کی قدر کسی نے نہ جانی کہ خدا رسیدہ بنانا ان کے نزدیک بہت آسان تھا" آپ حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کے آخری مرید ہیں۔ ایک دو سال حضرت کی خدمت میں رہے۔ اس فقیر کو بہت چاہتے ہیں۔ ان کے ساتھ گفتگو کرنے کے مجھے موقعے ملتے رہے ہیں۔ فنا، تواضع اور عاجزی آپ کا شعار ہے۔

ایک دن آپ نے فرمایا: "حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ نے پان چبا کر پھینکا تو میں نے اُٹھا کر کھا لیا۔ اس سے میری حالت متغیر ہو گئی، جیسے تن بدن میں آگ لگ گئی! ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں نے انگارہ نگل لیا ہے لیکن اس کا یہ اثر ہُوا کہ دنیا اور علمِ ظاہر کی محبّت میرے دل سے جاتی رہی۔ آپ ظاہری آداب کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ کسی کے ساتھ میل جول نہیں رکھتے۔ اپنے ہی گھر میں، جو لاہور میں ہے، گوشہ نشینی اختیار کر رکھی ہے۔

عبدالرحمٰن مرزا مداری

ایک اور بزرگ لاف زنی سے پاک، تکلّف کی آفت سے بری، بیدار دلی اور ہشیاری کے رستوں پر چلنے والے، مرزا مداری ہیں۔ نام عبدالرحمٰن ہے صحیح النسب سادات سے ہیں اور حضرت میاں جیوؒ

رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیہ کے مُریدانِ خاص میں سے ہیں۔ چودہ سال حضرت کی خدمت میں رہے۔ اوائل عمر سے ہی ان کی یہی آرزو تھی۔ آپ نے سیاحت بھی کی اور حج کی سعادت بھی حاصل ہوئی پہلے میں نے انھیں کبھی نہیں دیکھا تھا اس لیے انھیں پہچانتا نہ تھا۔ پہلی مرتبہ ان پر نظر پڑی تو ان کے بُشرے سے معلوم ہُوا کہ وہ ذکرِ الٰہی کی مشغولی اور حضُورِ قلب میں درجۂ کمال رکھتے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہُوا کہ یہ میرے آشنا ہیں۔ ان کا نام دریافت کرنے کے لیے بے چینی سی ہوئی اور یہ بھی معلوم کرنا چاہا کہ یہ بے چینی کیوں ہے؟ لیکن میں ان سے دریافت نہ کر سکا۔ اتنے میں انھوں نے مجھے معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔ اسی اثنا میں کسی شخص نے ان کا نام لیا۔ نام سنتے ہی میں سمجھ گیا کہ یہ حضرت میاں جیو رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیہ کے مُریدوں میں سے ہیں۔ پس معلوم ہُوا کہ اسی آشنائی کی وجہ سے میرے دل کو بیقراری تھی:

بلی داند دلے کآگاہ باشد   کہ دل ہا را بدلہا، راہ باشد

(ہاں! وہی دل جانتا ہے جو آگاہ ہو۔ کیونکہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے)

بعدازاں ان سے ملاقات ہوئی، تو فرمایا: جن دنوں حضرت میاں جیوؒ نے مجھے ذکرِ الٰہی میں مشغول فرمایا اور جمعیت اور مشغولی کی غرض سے مجھے جنگل کی طرف جانے کا حکم دیا تو یہ بھی فرمایا کہ بھوکے نہ جانا گھر سے کچھ کھا کر جانا اور کھانا ساتھ بھی لے جانا کیونکہ فاقے کر کے مشغول رہنا ہمارا طریقہ نہیں۔ بھوک کی وجہ سے نفس گھبراہٹ محسوس کرتا ہے۔

دہنِ سگ بلُقمہ دوختہ بہ

(کُتّے کے منہ میں لقمہ دینا ہی بہتر ہوتا ہے)

یہ آپنے اس لیے فرمایا کہ کھانا کھا لینے سے نفس کا خطرہ رفع ہو جاتا ہے اور دل کو تسلی ہو جاتی ہے میں آپ کے حکم کے مطابق کھانا تو ساتھ لے جاتا لیکن کسی بھوکے فقیر کو دیکھتا، تو کھانا اس کو دے دیتا اور خود کسی جگہ جا بیٹھتا۔ ایک دن میں نے دو تین جگہیں بدلیں، لیکن اطمینان حاصل نہ ہُوا۔ آخر اٹھا اور ایک مینار کے سائے میں جا بیٹھا۔ یہاں مجھے اطمینان نصیب ہُوا مگر اس کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ اس کے بعد بھی جب میں وہاں بیٹھتا، تو

اطمینان ہوتا۔ کسی اور جگہ بیٹھتا تو اطمینان جاتا رہتا۔ ایک دن میں نے یہ صورتِ حال حضرت میاں جیوؒ کی خدمت میں عرض کی۔ آپ نے فرمایا: "اس جگہ کا اتا پتا بتاؤ، جہاں تمہیں اطمینان نصیب ہوتا ہے"۔ میں نے مینار اور جگہ کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: "تمہاری جمعیت کا سبب یہ ہے کہ شروع شروع میں میں بھی اس مینار کے پاس جاکر بیٹھتا تھا تمہاری جمعیت اسی وجہ سے ہے۔" میں نے کہا: سُبحَانَ اللہ! اولیاء اللہ کے قدم کی برکت زمین پر بھی اپنا اثر کرتی ہے۔

حضرت میاں جیوؒ اصحاب کو یہ جو فرماتے تھے کہ مشغولی کے لیے جنگل کو جاؤ تو کچھ کھا کر جاؤ یا کھانا ساتھ لے جاؤ، اس میں دو مصلحتیں تھیں۔ ایک یہ کہ سالک کو بھوک سے بڑھ کر اور کوئی خطرہ نہیں۔ بھوک کے اگرچہ فائدے بھی بہت ہیں لیکن اس کی وجہ سے دل کو بہت قلق اور اضطراب لاحق ہوتا ہے۔ یہ خطرہ بھوک کے فائدوں پر غالب آجاتا ہے مگر کچھ کھا لیا جائے تو خطرات رفع ہوجاتے ہیں، اور دل کو قرار اور اطمینان میسر آجاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا بھی یہی طریقہ تھا جیسا کہ صحیح حدیثوں سے پتا چلتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ عَنہَا نے فرمایا کہ پہلی بات جو رسُولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم پر بذریعہ وحی ظاہر ہوئی، وہ سچا خواب تھا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ کو تنہائی محبوب و مرغوب ہوئی تو کوہِ حرا کے غار میں خلوت میں رہنے لگے، جہاں آنحضرتؐ حق تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ چند دن رات وہاں گزارنے کے بعد جب اہل و عیال کو دیکھنے کی خواہش ہوتی تو گھر تشریف لے آتے۔ اہلِ خانہ سے مل کر اور کھانا ساتھ لے کر پھر اسی غار میں تشریف لے جاتے اور عبادت میں مشغول ہوجاتے، وہیں عبادت کے دوران حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم پر وحی نازل ہوئی۔

حضرت میاں جیو رَحمَۃُ اللہِ عَلَیہِ اپنے طریقے کے احوال و افعال میں رسُولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی پیروی کرتے تھے۔ اس سے حضرت میاں جیوؒ کی ریاضتوں کا قیاس کرنا چاہیے آنحضرتؐ

کی متابعت، تحقیق اور خوبی کسی اور طریقے میں ایسی نہیں دیکھی گئی، جیسی حضرت میاں جیوؒ کے طریقے میں ہے۔

مرزا مداری کا بیان ہے کہ حضرت میاں جیوؒ نے فرمایا: "اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ آج کوئی شخص مجھ سے بہتر ہے تو میں ضرور حصولِ فیض کے لیے اس کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔" انھی دنوں مرزا مداری نے حج کرنے کا ارادہ کیا۔ حج کا خیال انھوں نے اس فقیر (دارا شکوہ) پر ظاہر کیا اور فرمایا کہ حج کی سعادت کے علاوہ ہمیں سیاحت سے یوں بھی بہت فائدہ ہوتا ہے۔ ہر چند میں نے انھیں سمجھایا اور اصرار کیا کہ آپ ایک بار حج کر آئے ہیں آپ کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، انھیں چھوڑ کر نہ جایئے اور یوں بھی حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے میں سفر کی زیادہ گنجائش نہیں، کیونکہ اس طریقے کے سالکوں کو ہمیشہ باطنی سفر درپیش رہتا ہے، لیکن آپ نہ مانے اور اہل و عیال کو چھوڑ کر حجِ کعبہ کے لیے تنہا سفر اختیار کیا۔

مرزا مداری شعر خوب کہتے ہیں۔ ان کے چند شعر درجِ ذیل ہیں:

چیست انسان، یکے طلسمِ عجیب　　　درجہان و درون او دو جہان

چیست بینش؛ ہمہ نکو دیدن　　　چیست دانش، خفا و حفظِ لسان

چیست عرفان، بعجزِ خود اقرار　　　پس فنا در بقائے حضرتِ آن

اس فقیر نے یہ دو شعر جواب میں کہے:

چیست توحید؛ چون الف بودن　　　کہ دو عالم با و شود یکسان

چیست ہمت، بگذشتن از کونین　　　دل سپردن، بآن شہِ دوران

شیخ عبدالواحد

ایک اور صاحب زُہد و تقویٰ، صِدق و صفا کے معدن، عارفِ کامل شیخ عبدالواحد حضرت میاں جیوؒ کے یارانِ قدیم میں سے ہیں۔ اکیس سال حضرت کی خدمت باسعادت میں رہے۔ میاں حاجی محمد بنیانی کے قرابت دار ہیں۔ صاحب جمعیت و ارادت ہیں۔ ایک دن اس فقیر کو بتایا کہ حضرت میاں جیوؒ سے تمھاری مُلاقات اور شناسائی ہونے سے پہلے جب کبھی تمھارا نام آتا تو بہت خوش ہوتے اور جو لوگ اس وقت موجود ہوتے ان سے کہتے کہ اس کے حق میں دعا کرو، کیونکہ اسے بہت بڑی دلی کشائش ہونے والی ہے۔ اس کے لیے دُعا کرنے میں مصلحتیں ہیں۔ چنانچہ ایک روز مجھے فرمایا کہ اکبرآباد جاؤ اور اس کی صورت دیکھ کر اور اس کا تصوّر کر کے مُراقبے میں بیٹھو اور چالیس دن وہاں رہ کر اس کی حفاظت اور سلامتی کے لیے یہ اسماء پڑھو۔ اسماء انھوں نے مجھے یاد کرا دیئے۔ میں نے حضرت کے ارشاد کے مطابق عمل کیا۔

آپ فقر اور عاجزی میں بڑا درجہ رکھتے تھے۔ لاہور کے گوشوں میں سے ایک گوشہ انھوں نے اختیار کیا ہُوا تھا۔

آپ بروزِ سہ شنبہ ماہ محرم ۱۰۵۶ھ کو فوت ہوئے۔

مُلّا محمد شریف

ایک اور گوشۂ تجرید کے عُزلت گزیں، زاویۂ تجرید کے سجادہ نشین، مُلّا محمد شریف ہیں۔ حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ نے مُلّا عیسیٰ سیالکوٹی اور آپ کو ایک ہی دن ذکرِ الٰہی میں مشغول کیا تھا۔ یہ دونوں ہمیشہ ایک ہی جگہ رہتے اور اکٹھے حضرت کی خدمت میں آتے جاتے۔ فقر و غنا کے طریقے پر خوب عمل پیرا ہیں۔ اور ریاضت و مجاہدہ میں بڑے ثابت قدم ہیں۔

کی متابعت، تحقیق اور خوبی کسی اور طریقے میں ایسی نہیں دیکھی گئی، جیسی حضرت میاں جیوؒ کے طریقے میں ہے۔

مرزا مداری کا بیان ہے کہ حضرت میاں جیوؒ نے فرمایا: "اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ آج کوئی شخص مجھ سے بہتر ہے تو میں ضرور حصولِ فیض کے لیے اس کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔" انہی دنوں مرزا مداری نے حج کرنے کا ارادہ کیا۔ حج کا خیال انھوں نے اس فقیر (دارا شکوہ) پر ظاہر کیا اور فرمایا کہ حج کی سعادت کے علاوہ ہمیں سیاحت سے یوں بھی بہت فائدہ ہوتا ہے۔ ہر چند میں نے انھیں سمجھایا اور اصرار کیا کہ آپ ایک بار حج کر آئے ہیں آپ کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، انھیں چھوڑ کر نہ جایئے اور یوں بھی حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے میں سفر کی زیادہ گنجائش نہیں، کیونکہ اس طریقے کے سالکوں کو ہمیشہ باطنی سفر درپیش رہتا ہے۔ لیکن آپ نہ مانے اور اہل و عیال کو چھوڑ کر حجِ کعبہ کے لیے تنہا سفر اختیار کیا۔

مرزا مداری شعر خوب کہتے ہیں۔ ان کے چند شعر درجِ ذیل ہیں:

چیست انسان، یکے طلسمِ عجیب — درجہان و درونِ او دو جہان

چیست بینش، ہمہ نکو دیدن — چیست دانش، بخفا و حفظِ لسان

چیست عرفان، بعجزِ خود اقرار — پس فنا در بقائے حضرتِ آن

اس فقیر نے یہ دو شعر جواب میں کہے:

چیست توحید، چون الف بودن — کہ دو عالم با وشود یکسان

چیست ہمت، بگذشتن از کونین — دل سپردن، بآن شہِ دوران

شیخ عبدالواحد

ایک اور صاحب زُہد و تقویٰ، صدق و صفا کے معدن، عارفِ کامل شیخ عبدالواحد حضرت میاں جیوؒ کے یارانِ قدیم میں سے ہیں۔ اکیس سال حضرت کی خدمت با سعادت میں رہے۔ میاں حاجی محمد بنیانی کے قرابت دار ہیں۔ صاحب جمعیت و ارادت ہیں۔ ایک دن اس فقیر کو بتایا کہ حضرت میاں جیوؒ سے تمھاری مُلاقات اور شناسائی ہونے سے پہلے جب کبھی تمھارا نام آتا تو بہت خوش ہوتے اور جو لوگ اس وقت موجود ہوتے ان سے کہتے کہ اس کے حق میں دعا کرو، کیونکہ اسے بہت بڑی دلی کشائش ہونے والی ہے۔ اس کے لیے دُعا کرنے میں مصلحتیں ہیں۔ چنانچہ ایک روز مجھے فرمایا کہ اکبرآباد جاؤ اور اس کی صورت دیکھ کر اور اس کا تصور کر کے مُراقبے میں بیٹھو اور چالیس دن وہاں رہ کر اس کی حفاظت اور سلامتی کے لیے یہ اسماء پڑھو۔ اسماء انھوں نے مجھے یاد کرا دیئے۔ میں نے حضرت کے ارشاد کے مطابق عمل کیا۔

آپ فقر اور عاجزی میں بڑا درجہ رکھتے تھے۔ لاہور کے گوشوں میں سے ایک گوشہ انھوں نے اختیار کیا ہُوا تھا۔

آپ بروزِ سہ شنبہ ماہ محرم ۱۰۵۶ھ کو فوت ہُوئے۔

مُلّا محمد شریف

ایک اور گوشۂ تجرید کے عُزلت گزیں، زاویۂ تجرید کے سجادہ نشین، مُلّا محمد شریف ہیں۔ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ نے مُلّا عیسیٰ سیالکوٹی اور آپ کو ایک ہی دن ذکرِ الٰہی میں مشغول کیا تھا۔ یہ دونوں ہمیشہ ایک ہی جگہ رہتے اور اکٹھے حضرت کی خدمت میں آتے جاتے۔ فقر و غنا کے طریقے پر خوب عمل پیرا ہیں۔ اور ریاضت و مجاہدہ میں بڑے ثابت قدم ہیں۔

مُلّا ابوبکر

ایک اور اہلِ حقائق کے مُقتدا، تارکِ علائق، زاہدِ بے ریا، مُلّا ابوبکر ہیں۔ ان کی تربیت حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ نے میرے شیخ مُلّا شاہ بدخشیؒ کے سپرد کی تھی۔ ان سے میں نے مُلّا ابوبکر کی بہت تعریف سُنی ہے۔

۱۰۴۹ھ میں وفات پائی۔ آپ کی قبر لاہور کے مضافات میں نئے گجرات میں ہے۔ آپ میرے استاد حضرت میرک شیخ سے تعلیم پاتے تھے۔ استاد صاحب سے میں نے سُنا کہ مُلّا ابوبکر بہت کتاب دوست طالب علم ہیں۔ کافی عرصہ ہمارے ساتھ رہے۔ ایک دن سب کتابیں ہمارے سامنے لاکر ڈال دیں۔ میں نے پوچھا، کہو کیا ہوا؟ تو کہنے لگے: "یہ کتابیں طالب علموں کو دے دیجیے کہ میں ہر قسم کے تعلق سے پاک ہو جاؤں۔ میں نے تو اب حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دل لگا لیا ہے۔"

مُلّا عیسٰی سیالکوٹی

ایک اور سرمایۂ زہد و تقویٰ، عالمِ ملکوت کے سیّاح، مُلّا عیسٰی سیالکوٹی ہیں۔ آپ جب حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے تو یہاں فقر اور بے مُرادی میں ثابت قدمی حاصل ہوئی۔ تحصیلِ علوم بھی کی۔ اب کبھی سیالکوٹ میں رہتے ہیں اور کبھی لاہور میں۔ حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مجھے ان کا ایک پیغام ملا۔ آپ حضرت میاں جیوؒ کے علم کے متعلق بہت کچھ فرماتے تھے۔ انھوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ حضرت میاں جیوؒ چرند پرند کو بھی ذکر میں مشغول فرمانا جانتے تھے۔

سیّد اشرف

ایک اور زاہدوں کے سردار اور عابدوں کی سند سیّد اشرف ہیں۔ آپ حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز اصحاب میں سے ہیں۔ صحیح النسب سادات سے ہیں۔ جوانی کے باوجود ریاضت و بے خوابی کی کثرت کی وجہ سے بہت لاغر اور نحیف ہو گئے ہیں۔ آخر میں حضرت میاں جیوؒ رحمۃ اللہ علیہ اکثر انھیں راتوں کو اپنے پاس رکھتے تھے۔ ایک دن بادشاہ شاہجہان حضرت میاں جیوؒ کے ہاں گئے اس وقت جملہ اصحاب میں سے صرف سیّد اشرف ہی خدمت میں حاضر تھے۔ فنا اور شکستگی میں وہ اپنی نظیر آپ ہیں۔ مجھ سے بڑی محبّت کرتے ہیں۔ حضرت میاں جیوؒ نے اپنی ڈاڑھی کے کچھ بال انھیں عنایت فرمائے تھے۔ ان میں سے ایک انھوں نے اس فقیر کو دیا۔ جس کے لیے میں بہت ممنون ہوں۔

ان کی وفات بروز سہ شنبہ ۴ ذی قعدہ ۱۰۲۴ھ کو ہوئی۔

حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے بعض صحاب

ملا عبدالجلیل سرہندی

محمد علی ولد شیخ حسین سرہندی

میر عابد

محمد عادل

خادموں کے نام

ملا محمد علی خوشنویس

بڈھا کلال

ملا عبداللہ المعروف بہ ابی الخیر

عبدالنبی

ننھا پراچہ

ابراہیم

نُورمحمد

موٴخرالذکر خادم نُورمحمد حضرت کی آخری عمر میں ان کی وفات تک چند سال تنہا خدمت بجا لاتے رہے۔ حضرت کی جس قدر عنایت نُورمحمد پر تھی اور کسی خادم پر نہ تھی۔ آپ انھیں کے ہاتھ امانتیں اور تبرکات اس فقیر کو ارسال فرمایا کرتے تھے۔ انھیں آپ نے بہت سی باتیں بطور وصیت فرمائیں، جو انھوں نے متعلقہ افراد تک پہنچائیں۔ انھیں حضرت کی طرف سے جو کچھ عطا ہُوا، ان میں ایک سیپ کی کشتی بھی تھی، جو

حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کو سرہند میں بیماری کے دوران حضرت غوث الثقلینؒ اور حضرت خضر علیہ السلام کی طرف سے ملی تھی اور اسی کی برکت سے آپ کو صحت ہوئی تھی۔

الحمد للہ کہ یہ کتاب موسوم بہ "سکینۃ الاولیاء" پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس میں حضرت میاں جیوؒ اور اپنے شیخ ملا شاہ بدخشیؒ اور دوسرے اصحاب کے جو حالات و واقعات اور کرامتیں درج کی گئی ہیں، وہ بلاشبہ ہزارواں حصہ ہیں۔ اس گروہ کی لاتعداد کرامتیں لوگوں کی زبان پر ہیں اور بہت مشہور بھی ہیں۔ ان کا زبانی ذکر، خواہ معتبر لوگ ہی کیوں نہ کریں، ان میں رفتہ رفتہ فرق آتا جاتا ہے اور بعض خاص باتیں حافظوں سے اتر بھی جاتی ہیں۔ قریبی زمانے کے لوگ اگر تحقیق کرکے انھیں قلمبند کرلیں تو جوں جوں وقت گزرے گا، ہر شخص انھیں حقیقی واقعات کے مطابق تحریر کرے گا اور ان میں کسی قسم کا فرق نہیں آنے پائے گا۔ اسی وجہ سے ان واقعات کو حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے صحابہ سے تحقیق کرنے کے بعد بڑی احتیاط سے احاطۂ تحریر میں لایا ہوں۔ اس سے میرا مقصد عبارت آرائی ہرگز نہیں :

اشعار

قصدِ شہرت نبود جامی را کاین ہمہ نظمِ آبدار نوشت

(جامی نے جو آبدار نظم لکھی تو ان کا مقصد شہرت نہ تھا)

بہرِ احباب بر صحیفۂ دہر نکتۂ چند یادگار نوشت

(انھوں نے صحیفۂ دہر پر احباب کی خاطر بطور یادگار چند رموز تحریر کیے ہیں۔)

امید ہے کہ قارئین محض اس کی ظاہری عبارت پر نظر نہیں ڈالیں گے بلکہ اس کے مطالب پر غور و خوض کریں گے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے اس طبقے کی برکت سے مجھے نفس کے ریا اور شیطان کے مکر سے رہائی دے اور ان دوستوں اور عزیزوں میں شامل کرے اور ان کی محبت اور سعادت سے بہرہ مند کرے۔ آمین !

صد شکر کہ این سکینۂ میاں میرؒ　　بس خوب تمام شد، ز حسنِ تحریر

چون حضرتِ میاں میر را نبودہ ثانی　　البتہ مر این سکینہ را نیست نظیر

(صد شکر کہ حضرت میاں میرؒ سے متعلق یہ کتاب سکینۃ الاولیاء حُسن تحریر سے تکمیل پذیر ہوئی،
جیسے کہ حضرت میاں میرؒ کا کوئی ثانی نہ تھا ویسے ہی اس کتاب کی بھی کوئی نظیر نہیں)

داراشکوہ پسرِ شاہجہان بادشاہ کی تصنیف سکینۃ الاولیاء کی کتابت شہر لاہور
میں حضرت میاں میر قدس اللہ سرہٗ کے روضۂ مبارک کے قریب ۲ ماہ رجب
۱۰۹۶ھ میں تکمیل پذیر ہوئی۔

کاتب (نسخہ) محمد طاہر سیالکوٹی

خطاطی از محمد صدیق الماس رقم لاہور
بتاریخ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۹۱ھ

اشاریہ

آیات

احادیث

اسماء الرجال

مقامات

کتب و رسائل

سلسلہ ہائے صوفیہ

اشعار